سلسلۂ نصابیات جامعۂ عثمانیہ

اصول و طریق محصول

تالیف

آر. ٹینیٹیم - ایسٹمه - ایم، اے، ڈی لٹ

سابق [illegible]

ترجمہ

محمد حبیب الرحمن بی ایس سی آنرز (عثمانیہ)

پروفیسر معاشیات (کلیۂ جامعۂ عثمانیہ ورنگل)

سنہ ۱۳۵۶ھ م سنہ ۱۳۴۶ف م سنہ ۱۹۳۷ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

[illegible] طریق محصول

پہلی فصل

ہماری تحقیق کے اسباب زمین کی نوعیت

دوسری فصل

مغل شاہی کے زرعی ٹیکس کے مسائل

تیسری فصل

ٹیکس لگانے کے اصول

چوتھی فصل

بلاواسطہ ٹیکس لگانا۔ املاک اور آمدنی کے محصول

پانچویں فصل

بالواسطہ ٹیکس لگانا۔ اشیا اور اعمال کے محصول

از صفحہ ۸۲ تا صفحہ ۱۱۲

چھٹی فصل

تادیۂ ٹیکس منتقلی

از صفحہ ۱۱۳ تا صفحہ ۱۳۳

ساتویں فصل

اعتبار عامہ۔ قومی قرضے

از صفحہ ۱۳۴ تا صفحہ ۱۵۵

بیرونی قرضے۔ پیدا آور قرضے۔ قرضوں کی ادائی کے طریقے۔ تخفیف قرضہ کے طریقے۔ ذخیرہ ادائی۔ اختتام پذیر سالیانے۔ تبدیل۔ ذخیرہ۔ مقامی قرضے، ان کا مقصد اور نشو ونما۔ مرکزی حکومت کی نگرانی۔ مخصوص اندیشے۔

آٹھویں فصل

مالیات کے بعض دوسرے نظام

از صفحہ ۱۵۶ تا صفحہ ۱۷۳

تقابل کے فوائد۔ ہندوستان: زمین، جنگلات، افیون کی آمدنی۔ نمک، روڈ گیری، چنگی، آمدنی کے محصولات۔ پولیس اور آب پاشی۔ ضمنہ تبا— کی عملی آزادی۔ ترتیب کا تقابل۔ فرانس: مخارج و مداخل۔ بلاواسطہ محصولات۔ رجسٹریشن۔ اسٹامپ، اور گیہوں اور تامینی محصولات، چنگی۔ ریلوے کی آمدنی۔ شکر کے انعامات، محصولات آکٹرائے۔ سرکاری اجارے بغرض آمدنی۔

نویں فصل

مقامی ٹکس

از صفحہ ۱۷۴ تا صفحہ ۲۰۲

شرحیں، مقامی ٹکس کی بنیاد، فیض، تشخیص کے اصول۔ مقامی خرچ میں سرکاری امداد۔ مقامی خرچ کی نگرانی۔ زمین، مکانات، اجارہ دار موقعہ محل، تجارتی عمارات واراضی، مشینیں، ان سب کے شرح کا تعدیہ۔ شرح کی مساوات۔

دسویں فصل

سنہ ۱۹۱۴ کے بعد کی تبدیلیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصول وطریق محصول

پہلی فصل

سرکاری خرچ کے اسباب اور اس کی نوعیت

انسان فطرۃً اس بات پر مجبور ہے کہ دنیا میں مل جل کر زندگی بسر کرے۔ بغیر اس کے نہ وہ اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے اور نہ دنیا میں کسی قسم کی ترقی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسان چند سیاسی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اجتماعی زندگی کے فوائد سے خوب مستفید ہوتے ہیں۔ اگر ان میں یہ اتحاد نہ ہوتا تو یہ انسانی قوتیں اس قدر نشو و نما پاتیں اور نہ تہذیب و تمدن میں یہ حیرت انگیز ترقی ہوتی۔ غرض انسان کی تمام کرشمہ سازیاں نتیجہ ہیں محض اس بات کا کہ وہ ایک اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے لیکن اجتماعی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے نظم و نسق شرط اولین ہے اور نظم و نسق قائم رکھنے میں اخراجات کا لاحق ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اخراجات کی تکمیل خود باشندے نہیں تو اور کون ادا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار رعایا کی ذاتی دولت کا کچھ حصہ خود وصول کر لیتی ہے جو اصطلاح میں

ٹکس کہلاتا ہے۔ حکومت کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں جس قدر اخراجات لاحق ہوتے ہیں وہ بھی آمدنی سے پورے ہوتے ہیں کسی منظم سیاسی گروہ پر نظر ڈالیے کسی نہ کسی شکل میں ٹکس کا موجود ہونا ایک امر لازمی ہے۔ جلد یا بدیر سرکاری اغراض کے لیے آمدنی حاصل کرنے کا بھی سب سے اہم ذریعہ بن جاتا ہے ٹکس اور وہ خدمات جو سرکار رعایا کے لیے انجام دیتی ہے اس طور پر گویا لازم و ملزوم ہو گیا۔

اب جوں جوں انسان ترقی کرتا ہے اس کی اجتماعی زندگی کی تنظیمی صفت روز بروز نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ اور جس قدر تنظیم میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر حکومت کے فرائض میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا نظام زیادہ مکمل بنتا جاتا ہے۔ اس لیے اخراجات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ آمدنی کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے۔

سرکاری خرچ اور سرکاری آمدنی کی نوعیت کیا ہے اور وہ کن اصول کے تابع ہیں جس علم میں ان امور کی تحقیق کی جاتی ہے اس کو اصطلاحاً مالیات کہتے ہیں۔ اس کے مباحث کو معاشیات اور سیاست دونوں سے تعلق ہے۔ ہر مدون علم کا قاعدہ ہے کہ اس کے اصول تیار ہونے سے پہلے ہی ان پر عمل درآمد ہوتا رہتا ہے۔ یہی حال مالیات کا ہے۔ ابھی یہ علم نمودار نہیں ہوا تھا لیکن بنی نوع انسان کی جماعتیں کافی ترقی یافتہ حالت پر پہنچ چکی تھیں۔ اور قبل اس کے کہ مالیات کے اصول بنائے جاتے یا ان کی تلاش بھی کی جاتی عملاً مالیات کا علم متعدد شکلیں اختیار کر چکا تھا۔ ازمنۂ قدیم میں مالی ضروریات پورا کرنے کے طریقے کسی خاص قاعدے کے مطابق نہیں تھے بلکہ حکومت کی نوعیت۔ معیار معلومات۔ مقامی حالات جیسے اثرات سے صورت پذیر ہوتے تھے۔ البتہ جو ممالک زیادہ ترقی یافتہ اور مستقل حکومتوں کے ماتحت تھے وہاں بتدریج مالیات کے اصول عام طور پر تسلیم کیے جانے لگے۔ موجودہ زمانے کی ترقی یافتہ قومیں تو علی الاعلان یہ اقرار کرتی ہیں کہ سرکاری خرچ کے معاملات میں اپنی رہنمائی کے لیے وہ علمی اصول کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ اور ہر ایک کے معاشی اور سیاسی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے جو اصول نفع بخش سمجھے جاتے ہیں انھی کے مطابق اپنے مالی نظام میں رد و بدل کرتی ہیں۔

انگلستان میں سولھویں صدی ہی سے معاشی تحقیقات میں علمیت کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ پیدائش دولت اور تقسیم دولت جیسے مباحث پر نہیں بلکہ تجارت، زر اور مالیات جیسے جداجدا مسائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں

آدم اسمتھ نے معاشیات کو ایک مدون علم کی شکل میں پیش کیا اور "دولت اقوام کی نوعیت اور اس کے اسباب اور حکومت کے ذرائع آمدنی کی تحقیقات" اس کا مقصد قرار دیا۔ چنانچہ اس کتاب کا بہت بڑا حصہ ٹکس اور اس کے اثرات پر مشتمل ہے۔ لیکن مالیات کا باقاعدہ مطالعہ صرف حال کی بات ہے۔ انگلستان میں جس شخص نے سب سے پہلے مالیات کو بجائے خود ایک جداگانہ علم کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی وہ پروفیسر بیسٹیبل ہے جس کی کتاب پبلک فینانس ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ گو جرمنی میں اس سے پہلے ہی اس مضمون کی تحقیقات میں کافی محنت کی جاچکی تھی۔ ۳

برطانیہ میں ٹکس کا جو نظام قائم ہے، اس کا ایک خاکہ پیش کرنا، جن اصول پر اس نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے ان کی جانچ پڑتال کرنا، اور مختلف قسم کے ٹکس لگانے سے کیا مختلف معاشی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور کن کن طبقوں پر ان کا بار پڑتا ہے اس کی تحقیقات کرنا یہی اس کتاب کا مقصد ہے۔ لیکن اگر اس سے پہلے سرکاری خرچ کی نوعیت کا کچھ ابتدائی حال بیان کر دیا جائے تو وہ اس کتاب کے لیے ایک نہایت مناسب مقدمہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اخراجات نہ ہوتے تو پھر آمدنی کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر شخص کو اپنے خرچ کا معیار اپنی آمدنی کے لحاظ سے قائم کرنا چاہیے۔ اسی طرح بعض حضرات کا خیال ہے اور یہ خیال ایک حد تک صحیح بھی ہے کہ سرکار بھی پہلے اپنی آمدنی کا اندازہ کرلے اور پھر اسی کے مطابق اپنے اخراجات معین کرے۔ لیکن قومی معاملات میں یہ ترتیب بالعموم الٹ جاتی ہے۔ یہاں پہلے یہ اندازہ کرتے ہیں کہ سرکاری ضروریات کیا ہیں اور ان کے لیے کس قدر رقم درکار ہے۔ بعد ازاں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ رعایا سے اس قدر آمدنی وصول کی جائے جو ان ضروریات کے لیے کافی ہوسکے۔ بسا اوقات سرکار کی ضروریات فوری ہوتی ہیں۔ ان کا پورا کرنا لازمی اور ٹالنا نامناسب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ان کی تکمیل کے لیے روپیہ فراہم کرنا ضروری ہے۔ ان حالات میں بعض اوقات قرضوں سے کام نکالتے ہیں۔ لیکن اس طریقے میں ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اس سے بیجا فائدہ نہ اٹھانے لگیں۔ آج کل بالخصوص مقامی معاملات میں یہ طریقہ اس کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ اس پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ دراصل قرض ہے کیا۔ وہ کچھ ٹکس کی ضرورت کو رفع تو نہیں کرتا بلکہ اس میں بھی جلد یا دیر سے ٹکس

لگانا ضروری ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کچھ مدت کے لیے ٹکس ملتوی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے معاوضے میں دوسری طرف سود کا بارگراں موجود ہے۔ قومی معاملات میں خرچ کی استطاعت اور اس کی ضرورت دونوں کا ساتھ ساتھ لحاظ کرنا ضروری ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے۔ اور ان کے باہمی اثر سے حقیقی خرچ کی مقدار معین ہوتی ہے۔ جس کے لیے آمدنی مہیا کرنا ضروری ہے۔

ٹکس قومی آمدنی سے جمع کئے جاتے ہیں۔ قوم کی سالانہ آمدنی سے بالآخر ان کا ادا کیا جانا لازمی ہے۔ قوم کی خانگی آمدنی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ لوگوں میں ٹکس ادا کرنے کی کس قدر استطاعت موجود ہے۔ کیونکہ وہی سرکاری آمدنی کا اصلی ذریعہ ہے۔ لوگ محنت اور دولت سے پیدا آور طریقے پر کام لے کر ایک سرمایہ پیدا کرتے ہیں اور اسی سے ٹکس وصول کئے جا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے آدم اسمتھ تاکید کے ساتھ ایسی تجاویز اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو پیدائش دولت کے راستے سے موانعات کو ہٹا دیں اور باشندگان ملک کے کاروباری حوصلوں کو بڑھائیں۔

سرکاری اخراجات دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک شاہی۔ دوسرے مقامی پہلا حصہ بحیثیت مجموعی تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور دوسرے کا تعلق ان معاملات سے ہوتا ہے جو خاص کر کسی ایک مقام کے باشندوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ فوج اور بحریہ اول الذکر کی مثالیں ہیں۔ سڑکوں کی صفائی اور روشنی آخر الذکر کی۔ لیکن بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ شاہی اور مقامی دونوں حیثیتوں سے ان کی اہمیت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں مشترک طور پر اپنی اپنی نگرانی رکھیں۔ برطانیہ کا قانونِ محتاجاں اور ابتدائی تعلیم نہایت موزوں مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کیونکر قومی اور مقامی مفاد اکثر ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے۔ جہاں تک رعایا کی تعلیم کا تعلق ہے اخراجات کا بہت بڑا حصہ حکومت محمودا کرتی ہے لیکن مقامی باشندوں سے بھی اس مقصد کے لیے شرح وصول کیے جاتے ہیں۔ اور قوانین تعلیم کی اجرائی اور حاضری کے متعلق جو فرائض ہیں وہ مقامی حکام کے سپرد ہیں۔ محتاجوں کی امداد کا کام جو پہلے مقامی حکام کے زیر اقتدار تھا ۱۹۳۴ء سے حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن اس کا عملی انتظام تو مقامی حکام ہی کی نگرانی میں ہے۔ اخراجات کا تعین بھی مقامی حالات کی بنا پر ہوتا ہے۔

اوران اخراجات کا بار زیادہ تر مقامی شرح ہی پر پڑتا ہے گو حکومت بھی شاہی آمدنی سے اس میں کچھ شریک کردیتی ہے۔

کسی قوم کے نشو نما اور اس کے استحکام کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلیگا کہ حکومت کے سامنے دو اصول ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ اپنے فرائض کو پورا کرسکتی ہے۔ ان میں سے ایک کا رجحان مرکزیت اور دوسرے کا تضعیف مرکزیت کی طرف ہوتا ہے۔ اتحاد۔ سادگی، انتظام کی یکسانی اور کفایت شعاری اول الذکر کا نصب العین ہے اسی کی متابعت میں جہاں کہیں مناسب معلوم ہوتا ہے متعدد اختیارات اور مختلف انتظامات کا طریقہ ترک کرکے ایک اختیار اور ایک ہی قسم کا انتظام قائم کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو معاملات زیادہ تر مقامی باشندوں کے مفاد سے متعلق ہوتے ہیں ان کا انتظام آخر الذکر اصول کے متعلق مقامی حکام کے ہاتھوں میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جگہ جگہ کے صنعتی اور تجارتی حالات جداگانہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر جگہ ایک ہی قسم کے طریقے اختیار کرنا خلاف مصلحت ہے۔ لہذا ایسے معاملات مقامی حکام کے سپرد کردئے جاتے ہیں تاکہ وہ مقامی معلومات اور نگرانی سے پورا فائدہ اٹھاکر اس جگہ کے مخصوص حالات اور ضروریات کے متعلق انتظام کرسکیں۔ اس کے علاوہ مقامی حکومت کے اور بھی متعدد فائدے ہیں۔ وہ رعایا کے لیے ایک قسم کا ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے۔ اس کی بدولت لوگوں میں وطن کی محبت بڑھتی ہے اور وطن کے معاملات میں وہ دلچسپی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ قوم میں متعدد افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خدمات اور مقامی معلومات سے فائدہ پہنچانے کی قابلیت رکھتے اور اس کے خواہشمند بھی ہوتے ہیں۔ لیکن طریقۂ مرکزیت کے تحت انھیں یہ موقع نصیب نہیں ہوتا کہ اپنے قومی جوش اور ہمدردی جذبات کا اظہار کرسکیں۔ مقامی حکومت کی بدولت نہ صرف اس کثیر تعداد کے تفصیلی معلومات اور انتظامی قابلیت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے بلکہ رعایا میں حکومت کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا بھی یقینی ہے۔

غرض مذکورہ بالا فوائد کی بنا پر اکثر معاملات مقامی حکام کے اختیار پر چھوڑ دئے جاتے ہیں اور مرکزی حکومت صرف ان پر نگرانی رکھتی اور بعض اوقات روک ٹوک بھی کرتی ہے مثلاً مقامی اخراجات کے لیے قرض لینے میں۔ اس کے علاوہ، اگر مقامی حکام فضول خرچی میں مبتلا ہوجائیں اور اپنے اخراجات کا بیجا استعمال کرنے لگیں تو مرکزی حکومت گویا ایک

عدالت العالیہ ہے جہاں ان کے خلاف مرافعہ دائر کیا جا سکتا ہے۔

مضمون کے آغاز ہی میں سرکاری اخراجات کے متعلق عام ازیں کہ وہ شاہی ہوں یا مقامی دو بنیادی مسائل پیش ہوتے ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ سرکاری خرچ کے مناسب ابواب کیا ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ روپیہ وصول کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ مذکورہ بالا دو سوالوں سے ایک تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن اصول پر ٹکس کی بنیاد رکھی جائے۔

حکومت کے کاروبار کے مناسب حدود کیا ہیں یہ فلسفۂ سیاست کا ایک قدیم مسئلہ ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے حکومت کے فرائض عملاً دو انتہائی حدود کے درمیان کم و بیش ہوتے رہے ہیں۔ اور ان کے ٹھیک ٹھیک حدود تو اب بھی غیر معین ہی ہیں۔ ایک انتہائی طبقہ (اشتراکی) تو انسان کی تمام معاشی جد و جہد کو حکومت کے فرائض میں شامل کر لیتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ جو اصول غیر مداخلت کا حامی ہے حکومت کے کاروبار کو تنگ سے تنگ حدود میں محدود کر دیتا ہے۔ لیکن ترقی یافتہ ممالک میں جو طریقہ عام طور پر رائج ہے وہ معاہدے کی آزادی ہے۔ البتہ حکومت کی طرف سے اس آزادی پر کچھ شرائط لگائی جاتی ہیں۔ اور اسے چند قوانین کا تابع کر دیا جاتا ہے۔

انگلستان میں کئی صدیوں تک بادشاہ کو رعایا کے ہر فرد پر نہایت زبردست اور کامل اقتدار حاصل تھا حتیٰ کہ معاشی اور معاشرتی معاملات میں تو کچھ غلامی کا سا رنگ نظر آ جاتا تھا۔ خدمت بجا لانا یا ٹکس ادا کرنا زیادہ تر جبر و تشدد پر مبنی تھا محنت صنعت اور تجارت پر متعدد رکاوٹیں تھیں اور عام سیاسی آزادی کا تو قطعاً کوئی وجود ہی نہ تھا۔ بالآخر سخت جھگڑوں کے بعد سیاسی آزادی حاصل کی گئی اور بعد ازاں شخصی اور معاشی آزادی بھی بتدریج میسر ہونے لگی لیکن آزادانہ معاہدہ، اختیاری اجتماع اور آزاد تجارت کے حقوق اس قدر جلد حاصل نہ ہو سکے۔

سترھویں صدی عیسوی میں حکومت کی مداخلت کا خیال بہت زیادہ غالب تھا چنانچہ تجارتی معاملات میں اسی اصول پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ اور یہ طریقہ اصطلاح میں تجارئیت کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں جب فطرآئیین کا طبقہ نمودار ہوا تو لوگ اس طریق سے منحرف ہونے لگے۔ اس نئے طبقے کا پیش کردہ قدرتی آزادی کا اصول روز افزوں مقبول ہونے لگا اور معاشی معاملات پر

اس کو منطبق کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں جو شخص سب سے پہلے معاشی آزادی کی
حمایت میں کھڑا ہوا وہ آدم اسمتھ تھا۔ اس نے اصول عدم مداخلت کی کامل طور پر حمایت
نہیں کی بلکہ معاشی آزادی پر جو خاص خاص رکاوٹیں تھیں انھیں برا ثابت کیا اور
دور کرنے کی کوشش کی۔ حکومت کے معاشی و سیاسی فرائض کو وہ تین حصوں میں تقسیم
کرتا ہے۔ (۱) بیرونی [illegible] (۲) رعایا کو آپس میں
ایک دوسرے کے ظلم اور [illegible] بچانا یا بہ الفاظ دیگر حفاظت حقوق کے لیے
عدالتیں قائم کرنا (۳) بعض انسٹی ٹیوشن اور رفاہ عام کے کام جو قوم کے لیے بہ حیثیت مجموعی
نہایت ہی مفید ہوتے ہیں۔ مگر وہ کچھ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ایک شخص یا
چند اشخاص ان کو انجام دینے کی کوشش کریں تو وہ ان سے کچھ نفع نہیں کما سکتے۔ اس قسم کے
انسٹی ٹیوشن قائم کرنا اور انھیں برقرار رکھنا۔ اور اس قسم کے کام انجام دینا بھی
حکومت ہی کا فرض ہے۔

آدم اسمتھ کے بعد متعدد علما نے فرائض حکومت کی مختلف طریقوں پر تقسیم کی ہے۔
لیکن در اصل وہ اسمتھ ہی کے بیان کا دوسرے الفاظ میں اعادہ ہیں۔ مثلاً جے۔ ایس۔ مل نے
حکومت کے کاموں کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک "ضروری" دوسری "اختیاری"۔ پہلی قسم میں
اندرونی و بیرونی دشمنوں سے رعایا کی جان و مال کی حفاظت شامل ہے۔ اور یہ بالکل
وہی کام ہیں جو اسمتھ کے پیش کردہ پہلے اور دوسرے فرائض میں داخل ہیں۔ مل فرائض اختیاری کے
متعلق خود اقرار کرتا ہے کہ ان کے حدود نہایت ہی تغیر پذیر اور غیر معین ہیں۔ اور
مختلف حالات میں مختلف طور پر مصلحت وقت کے لحاظ سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا
جب کبھی کسی معاملے میں حکومت دخل دینا چاہے تو اسے نہ صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ
اس قسم کی مداخلت قوم کے لیے مفید ہوگی بلکہ اسے یہ بھی واضح کرنا پڑے گا کہ حصول مطلب کا
یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے۔

لیکن جب کچھ عرصے بعد اشتراکی خیالات کا غلبہ ہونے لگا تو اس کے ساتھ مملکت کا
مفہوم بھی بدلتا گیا۔ اور روز بروز یہ خیال دلوں میں جاگزیں ہونے لگا کہ مملکت کو رعایا کے
ساتھ وہی تعلق ہے جو والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ اور یہ کہ مملکت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے
جس کی بدولت قوم کا نشو و نما ممکن اور قومی زندگی کا استحکام یقینی ہوتا ہے۔ غالباً سب سے

اس اصول پر عملدرآمد کرنے کے لیے ٹیکسوں میں بہت بڑا اضافہ کرنا ہوگا جو ہر جگہ ممکن نہیں ہو سکتا
کیونکہ قوموں کے معاشی اور صنعتی حالات ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔
لہذا مناسب یہ ہے کہ دونوں قسم کی مداخلت کا طریقہ اختیار کیا جائے اور عملاً جگہ جگہ کے
مخصوص حالات [illegible] نقائص کو پیش نظر رکھ کر جس حد تک مناسب ہو مداخلت
کی جائے۔ چنانچہ [illegible] حکومت انگلستان [illegible] ہندوستان دونوں جگہ قائم ہے لیکن اگر
دونوں کا مقابلہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ بہت [illegible] ہندوستان میں خود حکومت انجام
دیتی ہے [illegible] ہیں۔ [illegible] اور جو سیٹھ پر چھوڑ [illegible] سنبھالتے ہیں۔ اصول نمبر مداخلت کی
اس [illegible] پابندی کی مثالیں اور ممالک میں بھی نظر آتی ہیں عام اس سے کہ ان کا تعلق
تہذیب قدیم سے ہو یا جدید سے۔ اور خواہ سیاسی نقطۂ نظر سے وہ کتنے ہی ترقی یافتہ ہوں۔
وحشی اقوام میں نہ کوئی نظام ہے نہ اجتماع اور سوائے سردار کی اطاعت شعاری اور
خدمت گذاری کے نہ کوئی ٹیکس کا باقاعدہ انتظام۔ بنا گیا ہے کہ وہ ہیں سوسائٹی کے
مختلف طبقے بحیثیت [illegible] کی زنجیر میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیے جاتے ہیں
اور فوجی خدمت جسمانی محنت یا قیمتی ادائی حسب رواج کسی نہ کسی شکل میں سب پر
لازم ہوتی ہے لیکن معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ بجائے خدمت گذاری کے زر کی شکل میں
اس کا معاوضہ لینے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس سے رفتہ رفتہ کسی نہ کسی شکل میں ٹیکس نمودار ہو جاتا ہے
لیکن ابھی نہ اس کے کوئی خاص اصول ہوتے ہیں اور نہ اس میں خاص خاص طریقوں کی
پابندی کیجاتی ہے۔

قرون وسطیٰ میں سرکاری آمدنی کا بہت بڑا مصرف جنگی اور مذہبی اغراض ہوتے تھے
اور آمدنی نہ صرف بشکل زر بلکہ ذاتی خدمات کے طور پر بھی وصول کی جاتی تھی۔ جوں جوں
تجارت اور صنعت وحرفت میں ترقی ہوتی گئی معاشی معاملات کی اہمیت بھی نمایاں
ہونے لگی۔ حکومت کے فرائض اور اس کی مداخلت کے متعلق آئے دن نئے نئے مسائل
پیش ہونے لگے۔ اور جہاں قدیم رکاوٹیں رفع ہونے لگیں وہیں نئی نئی شکلوں میں حکومت کی
مداخلت بڑھنے لگی۔ چنانچہ مثلاً ایک طرف قوانین اجتماع مزدوراں منسوخ کیے گئے تو دوسری طرف
کارخانوں، معدنیات اور ورکشاپوں کے نئے نئے قانون نافذ کیے گئے۔

حکومت کی مداخلت کے متعلق ایک طبقے کا یہ خیال ہے کہ جہاں جہاں یہ مداخلت

ملک و قوم کے لیے مفید ہو اور جہاں عامۃ الناس کی فلاح وبہبودی کا اس سے کوئی بہتر ذریعہ میسر نہ ہو وہاں وہ ہر طرح جائز اور مبنی بر انصاف ہے۔ لیکن چونکہ اس مداخلت کی وجہ سے حکومت کو نئے نئے اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں اور ان اخراجات کی تکمیل کے لیے رعایا سے نئے نئے ٹکس وصول کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا مداخلت کو مفید ثابت کرنے کا بار ہمیشہ اس کے حامیوں پر ڈالا جاتا ہے۔ سائنس کی معلومات کی بدولت قدرت پر انسان کا جو تسلط بڑھ گیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ نئے نئے طریقوں سے کام لیکر نئی نئی چیزیں بنانے لگے۔ بڑی بڑی مکمل صنعتیں قائم کردیں۔ اور ان میں نہایت پیچیدہ مشینیں استعمال کرنے لگے۔ لیکن اس جدید صنعتی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مزدوروں کو نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال رہتا ہے۔ لہٰذا حکومت کو ضرورت لاحق ہوئی کہ بعض نئے قوانین نافذ کرکے مزدور پیشہ طبقے کو ان قسم کی مضرتوں سے محفوظ رکھے۔ علاوہ اس کے جدید صنعتی ترقی میں ایک خطرہ اور موجود ہے۔ یعنی اجارہ دار اپنی غیر معمولی قوت سے بیجا فائدہ اٹھاکر عامۃ الناس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کے لیے ضروری ہوا کہ اس غرض کے لیے بھی کچھ نئے قوانین جاری کرے۔ غرض اس تمام ترقی کا ماحصل یہ ہے کہ سرکاری اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ پولیس اور تعلیمات۔ ریلوے اور جہازات اور مختلف قسم کی نگرانی اور انتظامات پر ہر سال حکومت کا جو روپیہ صرف ہوتا ہے وہ اس اضافے کا نہایت بین ثبوت ہے۔

اخراجات خواہ شاہی ہوں یا مقامی دونوں کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ سرکاری روپیہ صرف انہی کاموں پر صرف ہونا چاہیئے جو رعایا کی فلاح وبہبودی کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو بہ نسبت خانگی انتظام کے سرکاری توسط سے بہتر طریقے پر انجام پاتے ہیں۔ لیکن اس اصول کی پابندی کے ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ رعایا کی شخصی آزادی میں ضرورت سے زیادہ رکاوٹیں پیدا نہ ہوں۔ بلکہ انفرادی جد وجہد کے لیے بھی کافی گنجایش موجود رہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت لوگوں میں کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کے حوصلے بڑھتے ہیں اور ان کی طبیعتوں میں ایجاد کی قوت ترقی پاتی ہے اور یہی وہ باتیں ہیں جن پر کسی قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔ حکومت کو البتہ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ملک میں امن وامان قائم رہے اور تعلیم کی کافی اشاعت ہو کیونکہ

بغیر ان کے کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں۔

سرکاری خرچ کے بعض ابواب غیر پیدا آور کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے قوم کی مادی دولت میں بظاہر کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن باوجود اس کے اگر حکومت اس قسم کے اخراجات سے بچنا چاہے تو نہیں بچ سکتی۔ فوج اور پولیس اس قسم کے ابواب کی نہایت موزوں مثالیں ہیں۔ غیر اقوام کے بغض وحسد اور باشندگان ملک کی اخلاقی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی حکومت ان ابواب کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتی۔ اور ممالک سے قطع نظر صرف یورپ میں مستقل فوج ہی پر ہر سال ایک کثیر رقم صرف کی جاتی ہے اور صنعت وحرفت کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس پر مزید ہے۔ ملک کے تندرست وتوانا اشخاص کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک کرلی جاتی ہے اگر یہ لوگ ملکی صنعتوں میں کام کرنے کے لیے میسر ہوتے تو نہ معلوم ملک کی دولتمندی میں کس قدر اضافہ ہوتا۔ غرض خالص معاشی نقطۂ نظر سے سرکاری خرچ کی یہ مد غیر پیدا آور ہی خیال کی جاسکتی ہے۔ سرکاری خرچ کے دوسرے ابواب پیدا آور یا فیض رساں کہلاتے ہیں کیونکہ وہ یا تو کوئی نہایت ہی بدیہی معاشی خدمت انجام دیتے ہیں یا ان کی آمدنی اس قدر کافی ہوتی ہے کہ اس سے بازاری شرح کے مطابق سود وصول ہو جاتا ہے۔ ان ابواب پر جس قدر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے وہ گویا [illegible] کے ہے جو تمام قوم کے مشترک مفاد کی خاطر مختلف کاموں میں لگا دیا جاتا ہے۔ سڑکوں اور نہروں کا بنوانا، تعلیم وصحت اور آب رسانی کے انتظامات اس مد کی نہایت موزوں مثالیں ہیں۔ ان کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کا نتیجہ مادی شکل میں ہماری نظروں کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ اسے ہم اچھی طرح محسوس کرسکتے ہیں۔ اس سے ہماری ایک نہ ایک معاشی احتیاج پوری ہوتی ہے۔ اور حکومت کے لیے وہ آمدنی کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے لیکن جہاں تک لفظ پیدا آور کا تعلق ہے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بعض اوقات اس لفظ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً بعض اخراجات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کا بظاہر کوئی فوری نتیجہ برآمد نہیں ہوتا لیکن بالآخر ان کے اثرات معاشی نقطۂ نظر سے بہت ہی اہم ہوتے ہیں۔ رعایا کی تعلیم پر جس قدر روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ اسی قسم کی ایک مثال ہے۔ گو بظاہر اخراجات تعلیم کا کوئی مادی نتیجہ ہمیں نظر نہ آئے تاہم ممکن ہے کہ اس کی بدولت قوم کی قوت پیدا آوری میں بے اندازہ اضافہ ہو گیا ہو۔

بعض اوقات تحفظ قوم کے لیے جنگ آزمائی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ

یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں قوم کا وجود ہی معرض خطر میں نہ پڑ جائے۔ اس قسم کے اخراجات سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کی کوئی قدر وقیمت معین ہی نہیں ہوسکتی۔ بسا اوقات فطرت انسانی کی خامیوں سے بھی بہت کچھ معاشی نقصان اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے اس بات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ پولیس کی ایک کثیر تعداد نوکر رکھی جائے اور بڑی بڑی بری اور بحری فوجیں تیار کی جائیں۔

اس میں شک نہیں کہ معاشی نقطۂ نظر سے فوجی تعلیم و تربیت میں بھی چند وجوہ فائدے موجود ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ جنگ کی بدولت حب الوطنی، ایثار، اور شجاعت جیسی صفات کو اظہار کا موقع ملتا ہے۔ تاہم اگر جنگ اور امن کا خالص معاشی حاصل دریافت کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ صرف نقصان ہے۔ اب رہیں یہ نیک اور قابل تعریف صفات تو ان کی ترقی کے لیے جداگانہ راہیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کے اظہار کے لیے دوسرے مواقع موجود ہیں۔ جنگ کے متعلق بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بدولت قوم میں جدت طرازی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور لوگوں میں نئی نئی باتیں معلوم کرنے کی قابلیت بڑھتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو لیکن یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ اس جدت طرازی اور قابلیت سے زندگی کے امن پسندانہ شعبوں میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ اس کی بدولت پیدائش دولت میں اضافہ ہوسکتا ہے، محنت کی تکالیف رفع ہوسکتی ہیں۔ اور انسان کے لیے راحت و آرام کا سامان مہیا ہوسکتا ہے۔ برخلاف اس کے جنگ کا صرف یہی نقصان نہیں ہے کہ اس کی خاطر عوام پر طرح طرح سے ٹیکس کا بار ڈالا جاتا ہے بلکہ اس کے علاوہ جو قرضے لیے جاتے ہیں ان کی وجہ سے ملک کی صنعتی ترقی میں بڑی دقت رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم نے ...

بحث و مباحثہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی فطری خامیوں کو دیکھتے ہوئے اور اقوام عالم کے موجودہ تعلقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فوج پر ایک حد تک روپیہ صرف کرنا ناگزیر ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے اخراجات نہایت سرعت کے ساتھ بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور قومی آمدنی کا روز افزوں حصہ ان کی

ندر ہو رہا ہے۔[1]

خانگی اخراجات پر چند بندشیں عائد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک حد معینہ سے بڑھنے نہیں پاتے لیکن سرکاری اخراجات ان بندشوں کے اثر سے بالاتر ہیں حکومت کی ضروریات اور رعایا کی استطاعت ورضامندی صرف یہی دو باتیں ہیں جن کو پیش نظر رکھکر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ رعایا سے کس قدر محصول وصول کیا جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ ٹکس لگانے سے پہلے یہ تحقیق کرلے کہیں ملک کی صنعت وحرفت اور رعایا کی ٹکس ادا کرنے کی استطاعت پر اس کا مخالف اثر تو نہیں پڑتا کیونکہ جو ٹکس ملک کی صنعتی ترقی میں حائل اور اس ملک کی خوشحالی کے منافی ہوتے ہیں وہ دو طرح سے ملک کے لیئے مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو ان کی وجہ سے رعایا کا معیار زندگی گھٹ جاتا ہے اور دوسری طرف وہ قوم کی معاشی طاقت کو چوس لیتے ہیں۔

سرکاری خرچ میں علاوہ ازیں کہ وہ قومی ہو یا مقامی بہت سی خامیاں بھی ہیں۔ بعض اوقات خانگی افراد کے اثر سے سرکاری روپیہ ایسی تجاویز پر خرچ کر دیا جاتا ہے جو نہ پیداآور ہوتی ہیں اور نہ ان سے عوام الناس کو درحقیقت کوئی فائدہ پہنچتا ہے اس کے علاوہ خانگی کاروبار کی طرح انتظام میں کفایت شعاری کا خیال غالب نہیں رہتا کیونکہ اگر لوگ اپنے خانگی معاملات میں کفایت شعاری کو ملحوظ نہ رکھیں تو اس کا نقصان خود انھی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ برخلاف اس کے سرکاری معاملات میں اس طرح صریحی اور یقینی نقصان پہنچنے کا بہت کم احتمال ہے لہذا نہ کفایت شعاری کی چنداں پرواہ ہوتی ہے اور نہ کافی ذمہ داری محسوس کی جاتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ٹکس ادا کرنے والے اپنے تمام ملازمین کا خود ہی انتخاب کریں یا ان کی کارگذاری سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ خرچ کے طریقے جب ایک مرتبہ مقرر کر دیئے جاتے ہیں تو

[1] امن کے زمانے میں یورپ کی بڑی بڑی طاقتیں اپنی اپنی فوجوں پر سالانہ (۳۰۰) ملین پونڈ خرچ کرتی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً جنگ چھڑ جانے سے جو لشکر دولت پانی کی طرح بہادی جاتی ہے وہ اس پر مزید ہے۔ جہاں ایک قوم نے اپنی فوج کی تیاری پر کچھ مزید روپیہ خرچ کیا تو دوسری قوموں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں تاکہ ان کی قوت مقابلہ میں فرق نہ آنے پائے۔

ان میں وہ بار بار رد و بدل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ٹکس کا نظام ایک مرتبہ قائم کرنے کے بعد وہ اس کو موثر طریقے پر اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ مزید براں بیدائش کے جو کاروبار حکومت خود بھی انجام دیتی ہے ان میں خانگی افراد کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں یا مسابقت کمزور ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کے کاموں کا ایک ڈھنگ پڑ جاتا ہے اور نئے نئے طریقے اختیار کرنے اور کفایت سے کام چلانے کے لیے کسی قسم کی ترغیب نہیں رہتی۔ حالانکہ ترقی کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ انسان کے سامنے مسابقت کا وسیع میدان کھلا ہوا ہے تاکہ ہر شخص ذاتی مفاد کی خاطر اپنے بس کی کوشش کرے اور اس میں کامیاب ہو۔

خانگی کاروبار کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان کثیر سے کثیر منافع حاصل کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے اخراجات کی مقدار آمدنی کے لحاظ سے معین کی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے سرکاری معاملات میں پہلے یہ طے کیا جاتا ہے کہ خرچ کے لیے کس قدر روپیہ کی ضرورت ہے اور پھر اسی مناسبت سے آمدنی کی مقدار معین کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فضول خرچی اور اسراف کا ہونا لازمی ہے۔ جن ممالک میں فرقہ بندی حکومت کا طریقہ رائج ہے وہاں کوئی ایک فرقہ بہت زیادہ مدت تک برسر اقتدار نہیں رہتا بلکہ مختلف فرقے یکے بعد دیگرے حکومت پر قابض ہوتے اور اس سے ہٹتے رہتے ہیں۔ ہر فرقے کا ایک نہ ایک خاص پروگرام ہوتا ہے جسے وہ اپنے زمانۂ اقتدار میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے جس قدر روپیہ درکار ہوتا ہے اس کی فراہمی کے لیے بلا پس و پیش رعایا سے ٹکس وصول کرتا ہے عام از یں کہ جن تجاویز اور جس پروگرام کی خاطر یہ روپیہ کھسیٹا جاتا ہے وہ درحقیقت عوام الناس کے لیے مفید ہوں یا نہ ہوں۔ بعض اوقات خود عوام الناس کی طرف سے ایسے مطالبات پیش ہوتے ہیں جو اخراجات کا لحاظ کرتے ہوئے سراسر نامناسب ہوتے ہیں۔ مگر حکومت وقت ان کو فوراً پورا کر دیتی ہے تاکہ خود رعایا کے نزدیک عزیز و مقبول رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس شخص سے ٹکس وصول کیا جاتا ہے اس کی قوت خریداری مقدار ٹکس کی مناسبت سے گھٹ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ حکومت درحقیقت کوئی ضروری فرض انجام دینے کی غرض سے لوگوں کو نوکر رکھے اور اس طرح ٹکس کی آمدنی اجرت یا تنخواہوں کی شکل میں پھر لوگوں کو واپس

مل جائے لیکن یہ بھی جن لوگوں سے ٹکس وصول کیا جاتا ہے ان کے صرف دولت میں کمی واقع ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے محنت کی طلب بھی گھٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جب کبھی حکومت کے فرائض میں توسیع کرنا مقصود ہو تو اس کے اچھے اور برے دونوں نتائج کا مقابلہ کر لیا جائے۔ ایک طرف تو اس کی بدولت کام زیادہ بہتر طریقے پر انجام پائیں گے۔ اور دوسری طرف ٹکس میں اضافہ کرنا پڑے گا جو ممکن ہے کہ رعایا کے حق میں مضرت رساں ثابت ہو۔

آگے چل کر معلوم ہوگا کہ سرکاری آمدنی کا کثیر ترین حصہ صرف دو مدوں میں خرچ ہوتا ہے۔ ایک تحفظ قومی دوسرا انتظام عدالت۔ قوم کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مستقل طور پر بڑی بڑی فوجیں نوکر رکھی جاتی ہیں اور پھر ملک کے اندر امن و امان برقرار رکھنے کے لیے جا بجا عدالتیں قائم کر دی جاتی ہیں جو قانون سرکاری خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دیتی اور حقداروں کو ان کے حقوق پہنچاتی ہیں۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان اغراض کے لیے سرکاری روپیہ خرچ کرنا ضروری اور ناگزیر ہے۔

عدل و انصاف کا قیام حکومت کا ایک اصلی بدیہی فرض ہے۔ آدم اسمتھ نے فرائض حکومت کی جو تقسیم کی ہے یہ اس کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ ملک کے اندر رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرنا اور انھیں اپنے جائز حقوق سے محروم نہ ہونے دینا یہ اس کے خاص مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لیے عدالتوں، پولیس اور محبسوں جیسے ابواب پر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ جوں جوں انسانی ہمدردی کے متعلق قوم کے خیالات میں ترقی ہوتی ہے اس قسم کے اخراجات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک نہایت ہی خفیف حصہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے وصول کیا جاتا ہے لیکن قوانین فوجداری کے تمام اخراجات اور دوسری قانونی انتظامات کے تقریباً تمام مصارف کا بار دراصل قوم ہی پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات قانونی خدمات سے مستفید ہونے والے لوگ ان کا معاوضہ حکومت کو فیس کی شکل میں ادا کرتے ہیں جیسے کہ پیٹنٹ کی صورت میں۔ اس کے علاوہ بہت سے دستاویز و تمسکات حکومت کے نزدیک اس وقت تک قابل لحاظ تسلیم نہیں کیے جاتے جب تک کہ وہ عدالت کے

۱۴

مہری کاغذ پر لکھے نہ ہوں یا جسٹری کی مقررہ فیس ادا نہ کریں۔ تاہم اول تو اس طرح بہت تھوڑی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور اس کے علاوہ عدالت کے مجموعی اخراجات کا نہایت قلیل حصہ ان انتظامات پر صرف ہوتا ہے۔

رعایا کے مال و املاک کی حفاظت کا انتظام قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ اس کی عدم موجودگی پیدائش دولت کے لیے سخت مضرت رساں ہے۔ اس طرح انتظامات عدالت کے لیے جس قدر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے وہ گویا بطور قیمت کے ہے جو چند خدمات کے معاوضے میں رعایا سرکار کو ادا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر عدالت کا انتظام نہ ہو تو لوگ امن و امان سے ساتھ نہ اپنے اپنے پیشوں کو چلا سکتے اور نہ اس قدر کثیر مقدار میں دولت پیدا کر سکتے۔ مزید براں ہر قوم میں چند افراد ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جن کی طبیعتوں کا میلان ارتکاب جرائم کی طرف ہوتا ہے۔ اس قسم کے اشخاص پر بھی روپیہ خرچ کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ یا تو ان کی شرارتوں سے جس قدر نقصان پہنچے اسے چپ چاپ برداشت کریں۔ یا پھر مصارف کا بار اٹھا کر ایسے انتظامات کریں جن کی بدولت سوسائٹی ان کی شرارتوں کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ مثلاً ان لوگوں کو سب کے ساتھ مل جل کر رہنے کی اجازت نہ ہو بلکہ ان کی رہائش کے لیے سب سے دور کوئی علیحدہ انتظام کیا جائے۔ تربیت کے مختلف طریقوں کو کام میں لا کر ان کی اصلاح کی جائے اور حتی الامکان ان کی تعداد گھٹانے کی کوشش کی جائے۔

کلیسائی نظام کے زوال کے بعد یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ مفلسوں کی امداد بھی حکومت کا ایک فرض ہے۔ اور محتاجوں کی اس وقت تک خاطر خواہ مدد نہیں کی جا سکتی جب تک کہ حکومت کی نگرانی میں اس کا باقاعدہ انتظام نہ ہو۔ اسی بنا پر سنہ ۱۶۰۱ء میں قانون محتاجان منظور کیا گیا جس کی رو سے مفلس طبقوں کی امداد کو قانونی جامہ پہنایا گیا۔ گو اصولاً یہ بات طے کر لی گئی ہے کہ کوئی حکومت ملک کے مفلسوں، یتیموں، مجنونوں اور بے یار و مددگار لوگوں کو بھوکوں مرنے نہ دے تاہم تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ امداد کے بعض طریقوں سے افلاس میں بجائے تخفیف کے اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے اگر حکومت اس فرض کی طرف سے غافل رہے تو اس میں نہ صرف اس کی بدنامی ہے

بلکہ اندیشہ ہے کہ یہ طرزِ عمل تمام قوم کے لیے خطرناک ثابت ہو۔ لہٰذا امدادِ محتاجان ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف سرکاری انتظام اور حکومت کی کوششوں سے حل ہو سکتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ مفلسوں کی مدد کے لیے ایسے طریقے تجویز و اختیار کرے جن میں عمومیت پائی جاتی ہو۔ لیکن حکومت کی مداخلت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ نجی خیرات کا سلسلہ بالکل منقطع ہو جائے۔ برخلاف اس کے امداد کے دونوں

۱۵

طریقوں کو اس طور پر ترتیب دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں بلکہ دونوں سے ساتھ ساتھ استفادہ کیا جا سکے تاکہ قوم کو بہ حیثیت مجموعی لٹیرے سے کثیر فائدہ حاصل ہو سکتا ہو۔ اس طور پر امداد کرنا کہ جس سے نہ طالبوں کی ہمت افزائی ہو اور نہ محنت و جانفشانی سے روزی کمانے والوں پر بیجا بار پڑے، یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کو اب تک کوئی حکومت بہ تمام و کمال پورا نہ کر سکی۔ بہ ہر حال سرکاری خرچ کے اس مسلمہ جز کی خاطر بھاری بھاری ٹیکس لگانے پڑتے ہیں۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کے متفقہ عمل سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جدید تحریکیں پیش کرنا اور ان کے عملدرآمد کی تصحیح کرنا مرکزی حکومت کا کام ہے۔ شروح عائد کرنا اور اس کا عملی انتظام کرنا مختلف مقامی حکومتوں کا۔ مقصد یہ ہے کہ کام بہ حسن و خوبی انجام پائے اور کام کے طریقے اتنے تغیر پذیر ہوں کہ مختلف مقامی حالات پر کچھ ردّ و بدل کے بعد ان کا اطلاق ہو سکے۔

انیسویں صدی کے وسط تک رعایا کی تعلیم کا دار و مدار ملک کے سخاوت شعار اور مذہبی افراد کی مرضی پر ہوتا تھا لیکن انیسویں صدی سے تعلیم بھی حکومت کا ایک فرض سمجھی جانے لگی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ عظمیٰ نے شاہی آمدنی سے (۱۸۰۹۴۳۰) پونڈ اور مقامی آمدنی سے (۲۱۰۶۹۹۸۲) پونڈ عوام الناس کی تعلیم پر خرچ کیے۔ اخلاقی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے یہ صرف بالکل مبنی بر انصاف ہے۔ اخلاقاً تو اس لیے کہ اس کی بدولت برائیوں اور جرائم کی روک تھام ہوتی ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے اس لیے کہ رعایا کی معلومات، ان کی مہارت اور ان کی استعداد میں ترقی ہوتی ہے اور انہی پر دراصل قوم کی قوتِ پیدا آوری کا دار و مدار ہے۔ رعایا میں کارگذاری کی صفت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک خاص درجے تک مدارس میں لڑکوں کی

کام اختیاری شعبے میں اس لیے شامل کیے جاتے ہیں کہ رعایا کی نجی کوششوں سے ان کا بہم پہنچایا جانا غیر یقینی رہتا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان پر کس قدر سرمایہ خرچ ہوگا یا ان کی کیا شکل ہوگی۔ جہاں اصل اور محنت کی افراط ہوتی ہے ریلیں اور نقل و حمل کے دوسرے ذرائع صاحب حوصلہ افراد کی نجی کوششوں سے بہتر طور پر مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ البتہ حکومت عوام الناس کی محافظت اور مفاد کی خاطر ان پر نگرانی ضرور رکھے۔ لیکن جہاں ملک کے معاشی وسائل کی کافی نشو و نما نہ ہوئی ہو وہاں اگر حکومت نقل و حمل اور آمد و رفت کے ذرائع خود مہیا کر دے تو اس سے ملک کی دولتمندی میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان برطانوی نو آبادیات اور دوسرے ملکوں کی مثالوں سے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس قسم کے کاموں پر سرکار جس قدر روپیہ خرچ کرتی ہے اس کا وہ کافی معاوضہ پاتی ہے البتہ ایسے کاموں میں ہمیشہ یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ حکام متعلقہ کہیں اسراف میں نہ مبتلا ہو جائیں اور سرکاری روپیہ غلط راستوں پر نہ لگا دیں جن خاص خاص مقامات کو اس قسم کے کاموں سے فائدہ پہنچنے والا ہوتا ہے وہ ان کے فوائد گنانے میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور اخراجات کا لحاظ کئے بغیر ان کاموں کی تکمیل کے لیے مصر ہوتے ہیں حالانکہ نقصان کی تمام ذمہ داری سرکاری خزانے پر ہوتی ہے۔

رعایا کے فائدے اور سہولت کے خیال سے حکومت اور بھی متعدد خدمات انجام دیتی ہے۔ پیدائش، اموات، شادی بیاہ، معاہدات، وصیت ناموں وغیرہ کی رجسٹری کرنا۔ آبادی، تجارت، صنعت، صحت عامہ وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار اکٹھا کرنا، سکہ سازی اور زر پر سرکاری نگرانی رکھنا، وزن اور پیمانوں کے معیار مقرر کرنا ان خدمات کی چند مثالیں ہیں۔ یہ خدمات کچھ اس نوعیت کی ہیں کہ اگر ان کا اہتمام افراد کی نجی کوششوں پر چھوڑ دیا جائے تو ان میں سے چند کی بہم رسانی یا تو قطعاً بند ہو جائے گی یا کم از کم ان کی خوبی میں ضرور فرق واقع ہوگا۔ بعض اوقات حکومت درآمد و برآمد پر تامینی محصول لگا کر اور انعام و اکرام دے کر خاص خاص صنعتوں کی براہ راست مدد کرتی ہے۔ سالہائے سابقہ میں اس قسم کی جد و جہد بالعموم حکومت کے دائرۂ عمل میں شامل سمجھی جاتی تھی۔ اور اب بھی بہت کچھ سمجھی جاتی ہے لیکن درحقیقت

ایسے کاموں پر روپیہ صرف کرنا حکومت کے لیے بیجا اور نامناسب ہے۔ کیونکہ اُن سے جو کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ تو صرف چند خوش قسمت افراد تک محدود رہتا ہے۔ اور ان کی وجہ سے جو کثیر اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان کا بار بہ حیثیت مجموعی تمام قوم پر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ صحت بخش مسابقت جو ہر قسم کی ترقی کی روح رواں ہے اس کے رک جانے سے قوم کو جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ بالکل جداگانہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ سرکاری جدوجہد کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں زیادہ وسعت کی گنجائش بے انتہا ہے۔ اس کے متعلق کوئی قطعی معیار تو مقرر نہیں کیا جا سکتا بلکہ مصلحت وقت اور حالات حاضرہ کے لحاظ سے اس کے حدود متعین کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک تجویز کے متعلق شہادت و استدلال کے ذریعے سے یہ ثابت کرنا ضروری ہو گا کہ وہ درحقیقت عوام الناس کے مفاد کے مطابق و نیز اس قدر اہم ہے کہ اس کے مصارف کا بار اٹھانا حکومت کے لیے مناسب و ضروری ہے۔ اور اگر کسی نئے کام میں ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا جائے تو پہلے ایک محدود پیمانے پر اس کا تجربہ کر لیا جائے بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔ رہنمائی کی غرض سے بعض عام اصول ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ حکومت کی جدوجہد حوصلہ مند اشخاص کی پست ہمتی کا باعث نہ ہو بالخصوص ان کاموں میں جو رعایا کی کوششوں سے حسن و خوبی انجام پا سکتے ہوں۔ حکومت کو ایسے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے جن کی کامیابی کا کافی یقین نہ ہو اور جو کم و بیش تخمینی نوعیت لیے ہوں۔ جن کاموں کے لیے کثیر سرمایہ درکار ہو ان کے متعلق کافی ثبوت بہم پہنچایا جائے کہ وہ عوام الناس کے حق میں مفید ہوں گے۔ کام اس قسم کے نہ ہوں کہ ان سے صرف کوئی خاص جماعت یا طبقہ مستفید ہو سکے اور ان کے اخراجات کا بار دوسروں کو برداشت کرنا پڑے بلکہ واضح طور پر یہ ثابت کرنا چاہیے کہ تمام قوم بہ حیثیت مجموعی ان کے ثمرات سے متمتع ہو سکے گی۔ اور حکومت کے تمام کاروبار اس قسم کے ہوں کہ عوام الناس بآسانی ان کا مشاہدہ کر سکیں اور ان کے مالی اثرات اور ملکی آمدنی کے متعلق نکتہ چینی کر سکیں۔

برطانیہ عظمیٰ میں ہر سال سرکاری آمدنی اور اخراجات کا ایک بجٹ یا قومی موازنہ تیار کیا جاتا ہے اور پارلیمنٹ میں بغرض تنقید پیش کیا جاتا ہے۔ چانسلر آف دی اکسچیکر بہ حیثیت وزیر مال اور کیبنٹ کے تمام محکموں کے موازنے تیار کرتا ہے لیکن

کل کیبنٹ بہ حیثیت مجموعی اس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ پہلے تو وہ سال گذشتہ کی آمدنی اور خراجات کا حساب بتاتا ہے بعد ازاں سال آئندہ کے مجوزہ اخراجات کا تخمینہ پیش کرتا ہے۔ اور پھر ان اخراجات کے لیے آمدنی حاصل کرنے کے ذرائع تجویز کرتا ہے کل اخراجات دو مدوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں مد (۱) مصارفِ معین جن میں وہ اخراجات شامل کئے جاتے ہیں جو کم و بیش دائمی ہوتے ہیں۔ اور جن کے لیے ہر سال پارلیمنٹ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سود، سالیانے، قرضہ عامہ کا ذخیرہ ادائی، خاندان شاہی کے مصارف، عدالتوں وغیرہ کے اخراجات اور خاص خاص وظائف اس عنوان میں شامل ہیں۔ (۲) مصارفِ غیر معین ان کے لیے ہر سال از سر نو منظوری حاصل کی جاتی ہے۔ اور ان میں دیوانی خدمات اور محصول آمدنی کے اخراجات، ملک کی حفاظت (فوج، بحریہ وغیرہ) اور تعلیم کے مصارف شامل ہوتے ہیں۔ موازنہ تیار کرنے کے لیے حکومت کے مختلف سر رشتوں سے مفصل تخمینے دفتر خزانہ میں روانہ کئے جاتے ہیں۔ سال آئندہ کی آمدنی کا اندازہ کرنے کے لیے بڑی مہارت اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو آمدنی کے متعلق خلاف قیاس بڑی بڑی امیدیں نہیں باندھنا چاہیے اور دوسری طرف اخراجات کا گھٹا گھٹا کر اندازہ نہیں کرنا چاہیے۔ بالعموم مالیات کے دائمی حکام کو سالہا سال تک ایک ہی قسم کا کام کرنے کی وجہ سے اس قدر تجربہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کے تخمینے اکثر و بیشتر نہایت صحیح و درست ہوتے ہیں۔

برطانوی دستور کا یہ ایک نہایت ہی اچھا اصول ہے کہ سرکاری اخراجات کی تمام تجویزیں وزارت کی طرف سے پیش ہوتی ہیں۔ دارالامرا کو مالی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ دارالعوام کی طرف سے ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جس کی تنقید و نکتہ چینی کے بعد اخراجات و ذرائع آمدنی کی تمام تجاویز دارالعوام کے جلسے میں پیش اور غلبہ آرا سے منظور کی جاتی ہیں۔ چونکہ رقمی معاملات پر صرف مجلس ادنیٰ کو اختیار حاصل ہے لہٰذا رعایا پر جس قدر ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ گویا خود انہی کی رضامندی سے لگایا جاتا ہے۔ خاص خاص ابواب کے لیے خاص خاص رقمیں مقرر کر دی جاتی ہیں اور ایک مد کی رقم دوسری مد میں صرف نہیں کی جا سکتی۔ اس بات کی نگرانی کے لیے کہ آیا مختلف حکام اپنے اختیارات کو بجا طور پر استعمال کرتے ہیں، حکومت کی طرف سے نہایت ہی باقاعدہ اور مکمل انتظام کیا جاتا ہے جس کی بدولت

۱۵

تغلب وتصرف کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ جوں جوں آمدنی وصول ہوتی جاتی ہے انگلستان بنک میں جو حکومت کا خزانچی ہے بطور امانت کے جمع کروادی جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے رقموں کی ادائی بھی پارلیمنٹ کے ایک قانون کے مطابق اور کنٹرولر جنرل اور دفتر خزانہ کے احکامات کی بنا پر انگلستان بنک ہی کے توسط سے ہوتی ہے۔ حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے حکومت نے ایک مخصوص محکمہ قائم کر رکھا ہے جو محکمہ تنقیح کے نام سے موسوم ہے۔ یہ محکمہ حکومت کے جملہ حسابات کی جانچ پڑتال کر کے پارلیمنٹ کی حسابات عامہ کی کمیٹی کے پاس رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس طرح خرچ کرنے اور ٹیکس لگانے کا اختیار بھی پارلیمنٹ ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور قوم کے تفصیلی حسابات بھی ختم سال کے بعد پارلیمنٹ ہی کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے مالی انتظامات بھی انہی اصول پر مبنی اور مذکورہ بالا نظام کے مشابہ ہیں۔ گو تفصیلی جزئیات میں وہ بہت کچھ مختلف ہیں۔

مندرجۂ ذیل تختے سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء کے حسابات فینانس سے نقل کئے گئے ہیں جن کو دیکھنے سے اس سال کے مجموعی مداخل ومخارج کا خلاصہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

سلطنت متحدہ

مداخل

ٹیکس کی آمدنی		بے ٹیکس کی آمدنی	
کروڑگیری	£ 35,450,000-0-0	ڈاکخانہ / تار برقی	£ 30,800,000-0-0
چنگی	£ 39,590,000-0-0	زمینات شاہی	£ 530,000-0-0
محاصل بحساب جائداد وغیرہ	£ 27,359,000-0-0	نہر سویز کے مقسوم	£ 1,759,972-9-7
اسٹامپ	£ 9,966,000-0-0	متفرقات	£ 2,303,924-14-5
ٹیکس زمین	£ 700,000-0-0		
محصول مکان	£ 2,000,000-0-0		
[illegible]	£ 47,249,000-0-0		
محاصل بحساب [illegible] زمین	£ 415,000-0-0		
میزان	£ 163,029,000-0-0	میزان	£ 35,213,897-4-0
جملہ مداخل	£ 198,242,897-4-0		

مخارج

مصارف خدمات معینہ:-

(۱) مصارف قرضہ عامہ	
(الف) قرضہ دائمی (سود)	£ 14,787,108-16-2
قرضہ ہائے قطعی سالیانہ	£ 8,202,026-12-5
(ب) قرضہ عارضی (سود)	£ 1,116,849-18-7
(ج) انتظام قرضہ	£ 166,529-19-9
(د) ذخیرہ برائے ادائی جدید	£ 5,228-484-18-1
	£ 24,500,000-0-0
۲- سرمایۂ اصلاح سڑک	£ 1,894,951-0-0
۳- امداد محکمہائے مقامی	£ 9,784,127-10-6
۴- دیگر مصارف معینہ	
مصارف شاہی، سالیانے اور وظائف، تنخواہیں اور الاونس، عدالتیں، اور متفرق خدمات	£ 1,698,890-6-10
	£ 12,822,968-17-4

مصارف غیر معینہ:-

۵- فوجی خدمات	£ 28,831,000-0-0
فوجی کارخانے	£ 15,000-0-0
بحری خدمات	£ 48,883,000 0-0
دیوانی خدمات	£ 53,901,000-0-0
۶- کروڑگیری و چنگی	£ 2,431,000-0-0
اندرونی آمدنی	£ 2,052,000-0 0
خدمات ڈاکخانہ	£ 24,607,000-0-0
	£ 160,170,000-0-0

جملہ خرچ	£ 197,[illegible]2,968 17-4

دوسری فصل

مداخلِ شاہی کے ذرائع اور ٹکس کے مسائل

٢١ قرونِ اولیٰ میں دولت کا سب سے بڑا مخزن زمین تھی چنانچہ اس زمانے کے بادشاہوں کی تقریباً کل آمدنی محض زمین سے حاصل کی جاتی تھی فتح نارمن سے سولھویں صدی کے وسط تک شاہی زمینات، محصولات کروڑگیری اور مختلف بلاواسطہ ٹکس مثلاً عطیئے، نذرانے اور شخصی ٹکس وغیرہ ہی آمدنی کے تمام ذرائع تھے۔ لیکن خاندانِ شاہی کی موروثی جائیداد مختلف بادشاہوں اور بالخصوص ہنری ہشتم اور اس کے لڑکے کی فضول خرچیوں اور عطیات کی وجہ سے بہت کچھ ضائع ہو گئی تھی کہ جب چند سال بعد جمہوری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا تو جو کچھ رہی سہی جائداد تھی، وہ حکومت کے زیرِ انتظام آگئی۔ برطانیہ عظمیٰ میں عرصہ ہوا کہ حکومت املاک سرکاری سے آمدنی کا کوئی قابلِ لحاظ حصہ نہیں وصول ہوتا۔ لیکن اب بھی بعض ممالک میں زمین اور قدرتی وسائل کا شمار آمدنی کے اہم ذرائع میں ہوتا ہے۔ مثلاً آسٹریا اور روس میں سرکاری اراضی کا رقبہ نہایت وسیع ہے۔ انگلستان، ریاستہائے متحدہ اور برطانوی نوآبادیات میں زمین خانگی افراد کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی ہے اور اس سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ محض اس طرح کہ بہ حیثیت ایک قسم کی دولت ہونے کے اس پر ٹکس لگایا جاتا ہے۔ آدم اسمتھ اور جے ایس مل دونوں معاشی اسباب کی بنا پر اس بات کے حامی تھے کہ سرکار اپنی اراضی علٰحدہ کر دے۔ ان کی ٢٢ رائے کے مطابق سرکاری طور پر اراضی کا انتظام کرنے میں بہت زیادہ مصارف لاحق ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر زمین خانگی افراد کی ملکیت میں چھوڑ دی جائے تو ذاتی مفاد کے اثر سے اس کی ترقی نسبتہً زیادہ سرعت کے ساتھ ہوگی۔ اور اس طرح رعایا جو خوشحال ہوگی تو سرکار کی آمدنی کے ذرائع میں بھی بہت زیادہ توسیع ہوگی۔ اس اصول پر عملدرآمد کی نہایت موزوں مثالیں ہمیں خود مختار نوآبادیات میں دستیاب ہوتی ہیں چنانچہ کناڈا نے خاص طور پر زمینیں مفت دے دے کر بیرونی ممالک کے

۸ ملین پونڈ خاص آمدنی حکومت کے ہاتھ لگتی ہے۔

سلطنت متحدہ کی مجموعی قومی آمدنی (باستثنا اس آمدنی کے جو مقامی اغراض کے لیے حاصل کی گئی تھی) ۱۹۱۲-۱۳ء میں ۱۹،۴۹۲۹۶۸ پونڈ ہوئی۔ جس میں سے ۸۴ فیصدی حصہ ٹیکس لگا کر حاصل کیا گیا تھا۔ ۷۵ ملین پونڈ اشیا سے، ۴۰ ملین پونڈ محصول آمدنی و املاک سے، ۲۰ ملین پونڈ اس دولت سے جو کسی عزیز کے مرنے سے ورثا کے ہاتھ لگتی ہے۔ ۹۹۰۰۰۰۰ پونڈ ان محصولات سے جو کاروباری معاملات پر لگائے جاتے ہیں اور ۴ ملین پونڈ ان ٹیکسوں سے جو بہ لحاظ استعمال مکانات اور کاروباری مقامات پر لگائے جاتے ہیں۔

ہر ملک کا مالی نظام ایک زمانے تک متعدد انقلابی مدارج طے کرنے کے بعد اپنی موجودہ صورت پر پہنچ سکا ہے۔ اس دوران میں ٹیکس کا طریقہ رفتہ رفتہ آمدنی کا پہلا ذریعہ بن گیا۔ حصول آمدنی کے بہت سارے طریقے جو ایام گذشتہ میں رائج تھے بتدریج متروک ہوتے گئے کیونکہ وہ یا تو مالی نقطۂ نظر سے غیر مفید ثابت ہونے لگے یا خود ملک کے باشندوں کے سیاسی ضروریات اور مقاصد کے لیے نامناسب خیال کیے جانے لگے۔ موجودہ زمانے میں تو مالیات کی ابتدائی اور اس کا انتظام دراصل امر کے ترجمان فرض ہیں۔ ایک ٹیکس کی شکل اب سابق کی طرح کسی خدمت کی سی نہیں رہی اور نہ وہ کسی حاکم اعلیٰ کے جبر و تشدد کا نتیجہ ہے بلکہ وہ محض عوام الناس کی اتفاق رضامندی اور خدمات پر مبنی ہے اور مساوات پیدا کرنے جیسے خاص اصولوں کے تابع ہے۔ ٹیکس اس لحاظ سے جبری ہیں کہ وہ ملکی آمدنی کا ایک حصہ ہیں جو عام اغراض کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ واضعان قانون ٹیکسوں کی نوعیت اور مقدار معین کرتے اور ان کی تحصیل کا انتظام کرتے ہیں۔ غرض سیاسی اور معاشی ضرورت کے زیر اثر بتدریج یہ طریقہ صورت پذیر ہوا۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ ملک کے تمام باشندے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق قومی آمدنی میں اپنا حصہ شریک کریں اور ان میں سے کسی پر بے جا بار نہ پڑے۔ لیکن نوعیت حالات کے لحاظ سے بہت سی خلاف مساوات باتوں کا نمودار ہونا لازمی ہے۔ کوئی ٹیکس ایسا نہیں ہو سکتا جو مساوات و عدالت کے لحاظ سے ہر طرح مکمل کہلایا جا سکے۔ جب تک جماعتوں اور ان کے حالات میں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہیں گی، یہ مسئلہ کہ ٹیکس کا کونسا طریقہ سب سے بہتر ہے۔ ایک مسئلہ مجرد کی

۲۴

حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

بعض حضرات کے خیال میں ٹکس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود ہی اپنی مرضی کے مطابق ٹکس ادا کردے گو یہ محض ایک خیالی اور ناقابل عمل تجویز ہے تاہم زمانۂ گذشتہ میں کم و بیش اسی قسم کا ایک طریقہ متعدد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتوں میں مروج تھا۔ ہامبرگ، زیورچ اور باسل کی مملکتیں ایک زمانے میں اپنی آمدنی کا اکثر ترین حصہ رعایا کی ذاتی امداد سے جو برضا و رغبت دی جاتی تھی، حاصل کرتی تھیں۔ اس طریقے کی کامیابی کا مدار اس بات پر ہے کہ لوگ جمہوری طریقۂ حکومت کی محبت میں سرشار ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت قابل تعریف صفت ہے لیکن وہ ایک بہت محدود رقبے میں کامیاب ہوسکتی ہے اور اس کی نوعیت قومی نہیں بلکہ شہری ہے۔ اب بھی وقتاً فوقتاً اس طریقے کی حمایت کی جاتی ہے لیکن اندیشہ یہ ہے کہ وہ حکومت کی آمدنی کا ایک بہت ہی مشتبہ ذریعہ ہوگا۔ اور زمانۂ موجودہ کی حکومتوں کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی صورت میں جو موازنہ بنایا جائے گا، وہ ایک نہایت ہی ناقابل اعتبار موازنہ ہوگا۔

ایک زمانے میں ٹکس کی توضیح اس طور پر کی جاتی تھی کہ رعایا کو حکومت کی طرف سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کے معاوضے میں ہر شخص حکومت کو کچھ نہ کچھ ٹکس ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات اس اصول کو نظریۂ مقسوم اجتماعی یا نظریۂ معاوضۂ خدمت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس اصول سے شاہی ٹکسوں کی کوئی تشفی بخش توجیہ نہیں ہوتی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال غالباً اس زمانے میں پیدا ہوا جبکہ ہر امیر اپنے آسامی سے ذاتی خدمت لینے کا حق رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگ بجائے ذاتی طور پر خدمت کرنے کے زر کی شکل میں اس کا معاوضہ ادا کرنے لگے۔ اور اسی وقت سے ٹکسوں کے ساتھ بھی معاوضے کا خیال غالب ہوگیا۔ جوں جوں تمدن میں ترقی ہوتی گئی، حکومت کے متعلق لوگوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی اور بتدریج یہ خیال نمودار ہوا کہ چونکہ بادشاہ وقت ہی تمام اختیارات اور حقوق کا سرچشمہ ہے لہٰذا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لیے ان سے ٹکس وصول کرے، اور چونکہ بادشاہ ہی خاص خاص لوگوں کو مراعات اور اجارے عطا کرسکتا تھا اس لیے اس خیال کی اور توثیق ہوگئی۔ حتیٰ کہ حال تک یہ یقین کیا جاتا تھا کہ

۲۵

ٹیکس گو یا کم و بیش مبنی بر انصاف معاوضہ ہیں ان ذہنی فوائد کا جو ہر شخص کو حکومت کی جانب سے میسر ہوتے ہیں۔

مانٹسکیو اپنی کتاب "روح قانون" میں یہ اصول پیش کرتا ہے کہ "سرکار کی آمدنی اس طور پر جمع ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنی دولت کا کچھ حصہ حکومت کے حوالے کر دیتا ہے کہ بقیہ حصے سے اطمینان کے ساتھ مستفید ہو سکے۔" ظاہر ہے کہ یہ رائے بھی نظریہ معاوضۂ خدمت ہی کی حمایت میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کے حامی ارتقائے گروہ انسانی کے نہایت اہم اور حقیقت بنیادی فوائد کا مطلق کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت کو بھلا دیتے ہیں کہ سرکار کی خدمات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا اور ان کو افراد کے درمیان تقسیم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت ٹیکسوں کے معاوضے میں محض رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرتی ہے تو اس لحاظ سے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ٹیکس کی آمدنی کا کثیر ترین حصہ تو مفلس و کمزور طبقوں سے وصول کیا جائے اور جو لوگ دولتمند اور طاقتور ہوں وہ کم سے کم ٹیکس ادا کریں۔ کیونکہ اول الذکر طبقہ حفاظت کا سب سے زیادہ محتاج اور حکومت کی خدمات سے سب سے زیادہ مستفید ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے دولتمند اور طاقتور اشخاص نہ حکومت کے اس قدر محتاج ہیں اور نہ انھیں زیادہ حفاظت کی چنداں ضرورت۔ اس رائے کی خامی مطلق کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے اور نہ وہ اعتراضات اور نکتہ چینی کے سامنے ٹھیر سکتی ہے۔ اخراجات سرکار کے لیے ٹیکس ادا کرنا کوئی خرید و فروخت یا مبادلہ نہیں بلکہ قوم کی دانزریبیک کہنا اور عام فلاح و بہبودی کی خاطر قوم کے مطالبات کو پورا کرنا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اس کی بدولت بحیثیت مجموعی قوم کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان فوائد کی کوئی مقدار معین کرنا اور ان کی خاص خاص مقدار خاص خاص اشخاص میں تقسیم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ گروہ انسانی کے استحکام سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کا کوئی حساب یا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس کے اخراجات عام اور آمدنی کی ضرورت مشترک ہوتی ہے۔ ہر شخص اس سرمائے کی فراہمی کے لیے اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ شریک کرتا ہے مگر اس وجہ سے نہیں کہ انفرادی حیثیت سے اسے کچھ فائدہ پہنچتا ہے بلکہ ان اجتماعی فوائد کی خاطر جو ایک منظم حالت میں اور باقاعدہ حکومت کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے تمام قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

۲۶

سرکاری آمدنی کا بہت تھوڑا حصہ ایسا ہے جو خاص خاص خدمات کا معاوضہ سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً ڈاک اور تار کی آمدنی، عدالتوں کی فیس وغیرہ۔ ان کے سوا تمام ٹکسوں کا دار و مدار اور سبب اصلی احتیاجات عامہ اور فوائد مشترکہ ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ آبادی کا کوئی طبقہ ادائی ٹکس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ہر شخص رفاہ عامہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اُٹھاتا ہے لہذا ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق شہریت کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں بھی شریک ہو۔

آدم اسمتھ اور ریکارڈو نے تقدیر ٹکس کے متعلق جو بحث کی ہے اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ٹکس کا بار اجرت، منافع اور لگان پر پڑتا ہے۔ چونکہ قومی آمدنی انھی تینوں سے مرکب ہے، اور آمدنی کے یہی تین اجزا ہیں لہذا آمدنی پر جو ٹکس لگایا جائے گا وہ انھی میں سے کسی نہ کسی پر عاید ہوگا۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے بہت زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کی بدولت مختلف قسم کی آمدنی پر ٹکس لگانے کے مختلف اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن تقسیم ٹکس میں اس سے کوئی قابل قدر مدد نہیں ملتی۔ مزید برآں بہت سی آمدنیاں اجرت اور منافع یا لگان کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ مثلاً مہارت کی بدولت جس قدر آمدنی حاصل ہوتی ہے اگر معاشی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ انھی تینوں اجزا سے کچھ اس طرح مرکب ہوتی ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ محنت یا مہارت کا معاوضہ دو اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک تو قابلیت کا لگان اور دوسرے اس اصل کا سود جو مزدور کی ذات یا اس کے کمالات و اوزار پر صرف کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چائے، تمباکو یا شراب کو لیجیے جن پر حکومت محصول لگاتی ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی پیشہ ور ان چیزوں کی خریداری پر اپنی آمدنی کا کچھ حصہ صرف کرتا ہے۔ اب یہ بتانا ناممکن ہے کہ آیا اس محصول کا بار اجرت پر پڑے گا یا منافع پر یا لگان پر۔ ہاں یہ معلوم کرنا کافی ہے کہ وہ اس کی کسی بھی آمدنی سے ادا ہوتا ہے۔

ٹکس کے متعلق بعض اوقات یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ "وہ دولت کا ایک اچھا مصرف ہے اور اس سے فوراً لوٹ کر خرچ شدہ سرمایے کا سود مل جاتا ہے"۔ لیکن یہ خیال عام طور پر صحیح نہیں ہو سکتا اور ضرورت ہے کہ نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی تشریح کی جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کی بدولت فضول خرچی کی ترغیب ہو اور ایک تباہ کن حد تک رعایا سے ٹکس وصول کرنا پڑے۔ حد سے زیادہ ٹکس وصول کرنے سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کی شہادت کے لیے

اسمٰعیل پاشا کے زمانے میں مصر اور انیسویں صدی کے آغاز میں برطانیہ عظمیٰ کی حالت کا مطالعہ کافی ہے، حالانکہ اس زمانے میں نئی نئی صنعتی ترقیوں کے باعث بہت سے مفید اثرات بھی کام کر رہے تھے۔[1] ہر ٹیکس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کی بدولت ادا کنندہ کی قوت خرید گھٹ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اشیا کی طلب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس طرح ٹیکس صرف دولت اور پیدائش دولت دونوں میں تخفیف کا باعث ہیں چونکہ ٹیکس دولت پیدا نہیں کرتے بلکہ اس کو حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کر دیتے ہیں لہٰذا وہ صرف اس بنا پر بجا اور مبنی بر انصاف سمجھے جا سکتے ہیں کہ مصلحت وقت ان کی مقتضی ہے۔ اور ان کا صرف اچھا اور مفید اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ان کے مقاصد صحیح اور قوم کے حق میں نفع بخش ہوں اور ٹیکس وصول کرنے کے طریقے کفایت اور انصاف پر مبنی ہوں۔ گرانبار اور خلاف انصاف ٹیکس قوم کی قوت پیداآوری کو گھٹانے اور بالآخر اس کا خاتمہ کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ کوئی قوم مقدار ٹیکس کے تناسب سے مرفہ الحال نہیں ہوتی بلکہ جب وہ مرفہ الحال اور دولتمند ہوتی ہے تو گرانبار ٹیکس آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتی ہے۔ جنوبی افریقہ کی جنگ کا برطانیہ کے مالیات پر جو اثر پڑا وہ اسی واقعے کی ایک مثال ہے۔ قوم نے مقابلۃً جس آسانی کے ساتھ اس بوجھ کو اٹھا لیا وہ زبردست شہادت ہے اس بات کی کہ جنگ سے پہلے قوم نہایت ہی مرفہ الحال تھی۔

۲۰ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اضافہ ٹیکس کی بدولت صنعت و حرفت میں ترقی ہوگی، لوگ پہلے سے زیادہ محنت کرنے لگیں گے اور اس وجہ سے دولت بھی مقابلۃً زیادہ پیدا ہونے لگے گی۔ کفایت شعاری، محنت اور جفاکشی کی عادتیں لوگوں میں ترقی پائیں گی جن سے کام لیکر وہ دولت کا ایک نیا سرمایہ پیدا کرنے لگیں گے اور جس قدر ٹیکس ان کے ذمے جو مقدار لے لی گئی تھی، اس کا انہیں کافی معاوضہ مل جائے گا۔ واضح ہو کہ یہ استدلال اول تو اسی قدر

---

[1] "محصول دیاسلائی" از نیچوس۔
ٹیکس لگانے سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر ٹیکس برا ہے لیکن چونکہ ہمیں آمدنی کی ضرورت ہے لہٰذا اس سے قطعی گریز ناممکن۔ البتہ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کون کون ٹیکس مقابلۃً زیادہ یا کم برے ہیں۔

سے فیصلہ پاتا ہے۔ دوسرے اس کا اطلاق بہت ہی جزئی ہے۔ گمان غالب تو یہ ہے کہ
انکم ٹیکس کی بدولت نہ صرف پست ہمت ہو جائیں گے بلکہ دولت گھٹ جائے گا۔
تاہم محنت و جفاکشی پر مائل کرنے کے لیے انکم ٹیکس سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ
ان کے آئندہ کے سامان کی مہیا اور اپنی محنت کے ثمرات سے مستفید و محظوظ ہونے کا کافی
یقین ہو۔ اور ٹیکس بھی صرف اسی حد تک ملک کی صنعت کو فروغ دے سکتے ہیں جس حد تک کہ
وہ ان کے موافق حالات پیدا کرنے اور انہیں وسعت دینے میں کامیاب ہوں۔

گذشتہ صدی سے بالخصوص ٹیکس کا سب سے زیادہ مقبول و مروج
اصول یہ ہے کہ ٹیکس صرف آمدنی کی غرض سے نہ لگائے جانے چاہییں بلکہ بسا اوقات
دوسرے اغراض کے لیے بھی ٹیکس کی حمایت کی جاتی ہے بالخصوص دیسی صنعتوں کی پرورش
اور حفاظت کے لیے بیرونی ممالک سے آنے والے سامان پر ملک میں داخلے کے وقت
محصول لگائے جاتے ہیں۔ تاکہ حتی الامکان بیرونی چیزیں ملک میں داخل نہ ہوسکیں اور
اس طرح سے ملکی صنعتوں کو جو مصارف پیدائش زیادہ ہونے سے بیرونی مقابلے کی تاب نہیں لاسکتیں کچھ ترجیح
مل جاتی ہے۔ ایسی صورت میں محصول لگانے سے یہ غرض مقصود نہیں ہوتی کہ حکومت کو کچھ آمدنی
حاصل ہو بلکہ صرف دیسی صنعتوں کی حفاظت پیش نظر ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بیرونی ممالک میں
بہت زیادہ رائج ہے۔ معاشی نقطہ نظر سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ محصول کے ذریعے بیرونی
سستی قیمت کو نظرانداز کرکے ملکی صنعتوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور زائد مصارف پیدائش کا
بار گراں قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر پڑتا ہے۔ مزید برآں ملک کے اندر بعض دوسری
چیزوں میں بھی اشیاء کی آمدنی پیداوار میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔ اگر بیرونی سامان کی ۲۹
درآمد پر محصول نہ لگایا جاتا تو وہاں ملک میں چیزیں تیار کی جاتیں تاکہ ان کے معاوضے میں
بیرونی ممالک سے وہ چیزیں خریدی جائیں جو اب محصول درآمد کی مدد سے روک دی گئی ہیں
اور اعلیٰ مصارف پیدائش کے ساتھ ملک میں پیدا کی جاتی ہیں۔ اس طرح گویا ایک تجارت کو
تباہ کرکے دوسری تجارت کو بڑھایا جاتا ہے اور ملک کی محنت و سرمایہ کو ایک قسم کی
صنعتوں سے منتقل کرکے دوسری قسم کی صنعتوں میں لگا دیا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ
معاشی نقصان ہے۔ ایک طرف تو ٹیکس کی بدولت ضرورت کی چیزیں گراں ہوجاتی ہیں
اور دوسری طرف حکومت کو مطلق کوئی آمدنی نہیں ملتی یا اگر ملتی بھی ہے تو اسی قدر

قلیل کہ وہ قابل لحاظ نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ ٹیکس یا تو ملکی صنعتوں کی حفاظت کرے گا یا
حکومت کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنے گا۔ وقت واحد میں وہ ان دونوں مقصدوں کا حامل نہیں
ہو سکتا۔ جس حد تک وہ دیسی صنعتوں کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے، اس حد تک وہ
حکومت کی آمدنی میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے اور جس قدر اس کی بدولت حکومت کو
آمدنی حاصل ہوتی ہے، اسی قدر وہ اپنا اصلی مقصد انجام دینے میں ناکام رہتا ہے۔

۱۸۴۶ء میں قوانین غلہ کی تنسیخ کے بعد سے برطانیہ عظمیٰ میں یہ طریقہ بالکل ترک
کر دیا گیا اور ۱۸۶۰ء میں تو برطانیہ کے مالی نظام سے وہ قطعی طور پر خارج کر دیا گیا لیکن
چند سال سے تامینی محصولات کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے زبردست کوششیں
کی جا رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں بہت سی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جو اکثر ایک دوسرے کی مخالف
ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ (۱) بیرونی پیداوار پر خوب محصول لگا کر نوآبادیات کی
پیداواروں کو ترجیح دی جائے تاکہ نوآبادیات سے ہماری تجارت بدستور قائم ہو جائے
اور اس طرح یک خود کفیل برطانوی شاہنشاہی کا خیال واقعیت کا جامہ پہن سکے۔
ساتھ ہی ایک تجویز یہ بھی ہے کہ (۲) بیرونی پیداوار کو محصول کی مدد سے خارج کر کے
ملک کی صنعتوں کو بڑھایا جائے۔ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (۳) دوسرے ممالک سے
آنے والی چیزوں پر انتقامی محصولات عائد کیے جائیں تاکہ دوسری قومیں برطانوی مال پر سے
محصول گھٹانے پر مجبور رہیں اور اس طرح ان ممالک کے ساتھ برطانوی تجارت میں
اضافہ ہو۔ ممکن ہے کہ یہ دلائل انفرادی حیثیت سے مختلف طبقوں کو مناسب معلوم ہوں
لیکن ازروئے منطق ان تینوں مقاصد کو کسی ایک مالی نظام کے تحت حاصل کرنا
ناممکن ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ایک یقینی بات ہے کہ دوبارہ تامینی محصولات عائد
کرنے سے برطانیہ عظمیٰ کو بہت بڑا معاشی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ ۴۰

بسا اوقات حکومتیں قوانین تعیش کی مدد سے رعایا کے صرف مصارف کو
درست کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فضول خرچی اور تعیش قوم کی جسمانی طاقت کو کمزور اور
اس کے اخلاق کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعیشات اور بالخصوص
مسکرات پر ٹیکس لگانے کی نہایت زور کے ساتھ حمایت کی جاتی ہے۔ بعض لوگ جو مسکرات کے
استعمال سے کامل احتراز کرتے ہیں اس بات کے حامی ہیں کہ ان چیزوں پر ٹیکس اس قدر

زیادہ لگائے جائیں کہ ان کی مزید دولت آفرینی قطعاً بند ہو جائے۔ کامل احتیاط کی بدولت
ایک طرف تو دولت میں اضافہ ہوگا اور دوسری طرف ارتکاب جرائم کے سلسلے میں جو خرابیاں
لاحق ہوتی ہیں ان میں تخفیف ہوگی۔ منشی مسکرات پر ٹیکس لگانے سے جو نمایاں فوائد حاصل
ہوتے ہیں اس کا اس طرح کا لحاظ سے زائد مقصود نظر انداز ہو جائے گا۔ ... جاتے ہیں تو اس کے اسباب میں
معاشرتی اور اخلاقی اغراض کا بھی بلاشبہ بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تعلیم، مدرسوں کی
پرورش، مجالس اور مباحثوں کی تربیت کا ہونا نے اخراجات اس واقعے کی مدد متاثر ہیں۔
لیکن نامناسب مصارف کو روکنے کے لیے ٹیکس کا ... طور پر ... یہ بنانا ایک ایسے
اصول کی بنیاد ڈالنا ہے جس کا اخلاقی نہایت وسیع ہو سکتا ہے اور جو ٹیکس کے خاص اور
ضروری مقصد کے منافی ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ ٹیکس لگانے کے لیے اشیاء کا انتخاب
کرتے وقت ضمنی مقصد بھی اگر پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔ مثلاً شراب اور تمباکو جیسی تعیشات پر
ٹیکس لگانا ضروریات کے مقابلے میں جو حیات کے لیے ضروری ہیں زیادہ موزوں اور لائق ترجیح ہیں۔

اشتراکیت کے حامی ٹیکس کے ذریعے موجودہ معاشرتی نظام میں تبدیلی اور
تقسیم دولت میں مساوات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دولتمند
طبقوں سے اس قدر ٹیکس وصول کیا جائے کہ ان کی دولت کا بہت بڑا حصہ اس کی ادائی میں
صرف ہو جائے۔ معاشی نقطۂ نظر سے اس طرح ٹیکس لگانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولتمند جانفشانی
[۱۳] کرنے اور اپنی کمائی سے کچھ پس انداز کرنے کے لیے کوئی ترغیب نہیں باقی رہے گی اور اس طرح
اصل نہیں جمع ہونے پائے گا۔ اس قسم کی تجویزوں کی حمایت کرنے والے اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ
دولت ہمیشہ صرف اور دوبارہ پیدا کی جا رہی ہے۔ اگر ہم کوئی ایسا طرز عمل
اختیار کریں جس کی بدولت دوبارہ دولت پیدا کرنے کے لیے کسی قسم کی ترغیب نہ رہے تو
اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیدائش دولت میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی اور افلاس
ہر طبقۂ آبادی میں پھیل جائے گا۔

غرض ہم اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ٹیکس لگانے سے محض آمدنی حاصل کرنا
مقصود ہے۔ اس کے بعد ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ٹیکس لگاتے وقت کن کن اصولوں کو پیش نظر
رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلا اصول تو مساوات یا سیاسی انصاف کا ہے جس کو
آدم اسمتھ نے اس طور پر بیان کیا ہے کہ "ہر شخص کو اپنی استطاعت کے موافق ٹیکس ادا کرنا

جس کی بدولت سیاسی انصاف کا اصول بہت بڑی حد تک پورا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ ایک مسلّمہ بات ہے کہ ٹیکس کے جدید طریقے بتدریج ترقی کرتے کرتے اپنی موجودہ حالت پر پہنچے ہیں اور مختلف ممالک میں جو طریقے آج کل رائج ہیں وہ دراصل بعض قدیم طریقوں کی یادگار ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جدید حالات، معاشی معلومات اور سیاسی خیالات کے اثر سے ان کی شکلیں بھی بدل گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں ٹیکس کے مختلف طریقے نظر آتے ہیں۔

معاشی اور معاشرتی دونوں حیثیتوں سے ہر ملک پر اس کے ٹیکسوں کی نوعیت کا اثر پڑتا ہے۔ اور اسی طرح ہر ملک کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا اثر وہاں ٹیکس کے مروجہ طریقوں پر پڑنا لازمی ہے۔

نوٹ:۔ [illegible] میں [illegible] Spirit پر ایک بھاری محصول لگایا گیا جس کے اثر سے اس کا استعمال اور ساتھ ہی اس ٹیکس کی پیداوار دونوں گھٹ گئے۔ تب اس بنا پر اس کی جانچ کی گئی کہ وہ لوگوں کو اعتدال یا ترک استعمال کی طرف مائل کرتا ہے۔

بیکاروں کے لئے کام مہیا کرنے کی غرض سے ٹیکس کی آمدنی سے رقمیں مہیا کی گئیں۔ اس کا معاشی اثر یہ ہے کہ اصل خانگی ہاتھوں سے نکل کر سرکاری ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ خانگی اشخاص جو مزدوروں سے کام لیتے ہیں اس میں غالباً کمی واقع ہوتی ہے تاکہ نسبتاً بہت کم کارگزار طریقے پر سرکار ان کے لیے کام مہیا کر سکے۔ مسئلے کی مجبوری اور شدت ضرورت کی بنا پر اس تدبیر کی حمایت کی جاتی ہے لیکن قانون مفلساں پر نظر ثانی کر کے زیادہ کفایت کے ساتھ اس کو عمل کیا جا سکتا ہے۔

تیسری فصل

ٹکس لگانے کے اصول

ٹکس کا کوئی نظام اس وقت تک اچھا نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ چند بنیادی شرائط کو پورا نہ کرے۔ مساوات، پیدا آوری، کفایت اور سادگی یہ چند اصول ہیں جن کی پیروی ہر ٹکس کے واسطے ضروری ہے ٹکسوں کا بار تمام رعایا پر مساوی حیثیت سے پڑنا چاہیئے ہر ٹکس سے کثیر آمدنی حاصل اور اس کے وصول کرنے میں کم سے کم اخراجات عائد ہونے چاہئیں۔ اور اس کا اس طور پر انتظام کرنا چاہیئے کہ ادا کنندوں کو یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس قدر ٹکس ادا کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس قدر جامع مقصد محصول مفرد کے طریق سے بہتر حاصل ہو سکتا ہے یا محصول مرکب کے طریقے سے جو متعدد ٹکسوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سادگی کا تعلق ہے محصول مفرد کا طریق خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو محصول آمدنی کی شکل میں اس کی حمایت کرتے ہیں اور بعض (جو زمین کو تمام دولت کا اکیلا ماخذ خیال کرتے ہیں) محصول زمین کی شکل میں۔

فرانس میں اٹھارھویں صدی کے وسط میں یہ اعتقاد بہت زیادہ غالب تھا کہ صرف زمین سے ٹکس وصول کرنا سراسر مبنی بر انصاف ہے۔ اس زمانے کے معاشیین جو فزیوکریٹس کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں یہ سمجھتے تھے کہ ان کا ایجاد کیا ہوا محصول مفرد ہی ٹکس کا ایک ایسا طریق ہے جو صحیح معاشی اصول پر مبنی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ زراعت سے ہر صورت میں ایک حاصل خالص یا حاصل زائد ہاتھ لگتا ہے جو کسی اور صنعت میں میسر نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر وہ اس اصول کے حامی تھے کہ تمام ٹکس زمین کی لگان سے وصول کرنا چاہیئے۔ انھوں نے اس بات پر نہیں غور کیا کہ زمین کی پیداوار کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جس سے مصارف پیدائش ہی بہ مشکل دستیاب ہوتے ہیں۔ لہذا جس زمین پر وہ اگایا جاتا ہے اس سے کوئی لگان نہیں ملتا۔ اگر تمام ٹکس کا انحصار

تعلیم یافتہ سوسائٹی میں متعدد اور مختلف ذرائع سے لوگ آمدنی پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک کہ محصول مدریج کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے مختلف طبقوں اور مختلف استطاعت والوں سے ٹیکس وصول کرنا یا مساوات کے قریب قریب پہنچنا قطعاً ناممکن ہے۔

محصول مفرد کی مخالفت میں آرتھر ینگ نے ایک دوسرا اصول پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ٹیکس کا وہی نظام اچھا ہے جس کا بار خفیف لیکن بے شمار مقامات پر عائد ہوتا ہے اور جو کسی طبقے پر گراں نہیں ہوتا" لیکن یہ طریقہ بھی اصول عام اور کفایت اصول کے خلاف ہے۔ تجویز اس اصول کے قبول کرنے پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھی وہ یہ تھی کہ اس کے مطابق ٹیکس کا اثر منتشر ہو جاتا ہے اور ادا کرنے والوں کو اس کا بار محسوس نہیں ہوتا لیکن دراصل یہ خیال سخت غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آمدنی، خرچ، املاک، آمد و رفت اور نقل و حمل کے ذرائع، غرض کوئی معاشی جد و جہد ایسی نہ ہوگی جو اس انتظام میں ٹیکس کی ادائی سے بچ جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا مشکل اور پیچیدہ نظام قائم ہو جائے گا جس کی وجہ سے پیدائش و تجارت میں متعدد موانعات پیدا ہو جائیں گے اور کفایت، تیقن و مساوات کے اصول باقی نہ رہیں گے۔ فرانس کی جنگ کے زمانے سے انیسویں صدی کے وسط تک برطانیہ عظمیٰ میں ٹیکس کا جو پیچیدہ اور مشکل نظام قائم تھا، اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقامات پر ٹیکس کا بار ڈالنے سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ملک کے تمام طبقے اور بالخصوص غریب غربا ٹیکسوں کے بار گراں کے نیچے دبے جاتے تھے۔ بہت سے ٹیکس پیداوار اور زندگی کی ضروریات پر عائد ہوتے تھے اور پیدائش دولت کے حق میں ان کے اثرات نہایت تباہ کن تھے۔

سر جارج کارن وال لیوس نے ٹیکس کا ایک اور اصول تجویز کیا ہے جس کے مطابق

لہ جیونس۔ "اصول معاشیات"۔ اگر ہم بہت تھوڑے ٹیکسوں پر اکتفا کریں تو ان کا بار لازمی غیر یقینی اور بے قاعدہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ہم چھوٹے چھوٹے ٹیکس کثیر تعداد میں لگائیں تو اندیشہ ہے کہ تجارتی معاملات میں زیادہ مداخلت ہوگی، قوانین بہت پیچیدہ ہو جائیں گے اور ٹیکس وصول کرنے کے مصارف وصول شدہ آمدنی سے بڑھ جائیں گے۔ لہٰذا مناسب ترین طرز عمل یہ ہے کہ ٹیکسوں کی تعداد محدود ہو اور ہر ٹیکس بجائے خود ایک قابل لحاظ آمدنی کا باعث ہو۔

مالیات کا مقصد یہ ہے کہ کم سے کم تکلیف اٹھا کر زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کیا جائے"
اس اصول کے مطابق ٹیکس کی دو بڑی شرطیں یعنی پیداآوری اور کفایت پوری ہو سکتی ہیں۔
لیکن ان شرائط کو عملی جامہ پہنانے کے کوئی ذرائع پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ اگر تکلیف سے
مراد حکومت کی تکلیف لی جائے تو اندیشہ ہے کہ کہیں ٹیکس ادا کرنے والوں کے ساتھ
ناانصافی ہو۔ برخلاف اس کے اگر اس سے ٹیکس ادا کنندوں کی تکلیف مقصود ہو تو ممکن ہے کہ
قوم کے حق میں اس کے معاشی اثرات قابلِ اطمینان نہ ہوں۔ غرض ایک ایسے طریق کی طرف
رہنمائی کی ضرورت ہے جسے اختیار کر کے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ بہ حالت موجودہ یہ اصول
ضرورت سے زیادہ مجرد ہے۔ اور یہ فرانسیسی وزیر کالبرٹ کی پیش کردہ تعریف سے کچھ زیادہ معین محدود
نہیں ہے۔ وزیر مذکور کا مقولہ ہے کہ "فنِ ٹیکس گویا قاز کے پر کھینچنے کا فن ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ
حتی الامکان کم سے کم چیخ پکار ہو اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں پر ہاتھ لگیں۔"

بلاواسطہ اور بالواسطہ دو اصطلاحیں ہیں جو ٹیکسوں کے ساتھ استعمال کی جاتی
اور ان سے تعدیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں یعنی یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ٹیکسوں کا بار بالآخر کس پر
پڑتا ہے۔

ٹیکس بلاواسطہ سے مراد ایسا ٹیکس ہے جو کسی دوسرے شخص پر منتقل نہیں ہوتا بلکہ
جس شخص پر اس کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے اس سے وہ براہ راست وصول کیا جاتا ہے۔
محصول آمدنی اس کی ایک نہایت بدیہی مثال ہے۔ محصولات موت، زمین کا ٹیکس اور
گاڑیوں، کتوں، بندوقوں اور خدمتگاروں کے لیسنس اس کی دوسری مثالیں ہیں
محصول بلاواسطہ کی اس بنا پر حمایت کی جاتی ہے کہ ٹیکس ادا کرنے والوں کو اس کی نوعیت اور
اس کے بار کا کافی اندازہ و احساس ہوتا ہے اور وہ اچھی طرح سمجھنے لگتے ہیں کہ حکومت کے
معاشی کاروبار میں انہیں کس حد تک دلچسپی ہونی چاہیئے اور بہ حیثیت رعایا کے ان پر کہاں تک
اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن دقت یہ ہے کہ محض بلاواسطہ ٹیکسوں سے کام چلانا ممکن
نہیں ہے۔ عملی نقطۂ نظر سے اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض لوگ
اس بات کو نہیں مناسب خیال کرتے کہ ٹیکس ادا کرنے والوں کو یہ محسوس کرایا جائے کہ
ان پر ٹیکس کا کس قدر بار پڑ رہا ہے۔ برخلاف اس کے ان کی یہ رائے ہے کہ حتی الامکان
ٹیکس کا بار ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ لوگوں میں بددلی، تعرض اور ٹال مٹول کرنے کا احتمال

پیدا نہ ہو سکے۔

ٹیکس بالواسطہ وہ محصول ہیں جو اشیا، خدمات یا اعمال پر لگائے جاتے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں پر منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اشیائے درآمد یا خود ملک کی بنی ہوئی چیزوں پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، وہ گراں قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ بالواسطہ ٹیکسوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ نسبتاً کم نمایاں ہوتے ہیں اور ان کے جمع کرنے کا طریق ہی کچھ ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ بہت کچھ مخفی رہتے ہیں اور اس طرح بہ مقابل ٹیکس بلاواسطہ کے ان کی زیادہ مخالفت نہیں ہوتی۔ مزید براں وہ چھوٹی چھوٹی مقداروں میں ادا ہوتے ہیں اور اس لیے زیادہ گراں نہیں معلوم ہوتے۔ بالواسطہ ٹیکسوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ٹیکس لگانے کے لیے مناسب اشیا کا انتخاب کرکے ان کے ذریعے سے ملک کے تمام طبقوں پر ٹیکس کا بار ڈالا جا سکتا ہے۔ ضروریات حیات ٹیکس کی ادائی سے مستثنیٰ کی جا سکتی ہیں اور تمام تعیشات پر حسب منشاء ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ تمام ٹیکس ایک لحاظ سے اختیاری ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے تو محصول ادا کرنے والی تعیشات کا استعمال ترک کر سکتا ہے۔ ضروریات راحت اور تعیشات پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، ان میں تغیر پذیری کی صفت بھی موجود ہوتی ہے یعنی رعایا کی خوش حالی کے زمانے میں جب عام طور پر دولت زیادہ صرف ہونے لگتی ہے تو ان ٹیکسوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ مزید براں جب کبھی کسی فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زیادہ آمدنی مطلوب ہوتی ہے تو شرح ٹیکس میں خفیف سا تغیر کرنے سے کام نکل جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ امر جب کبھی ٹیکس میں کوئی تبدیلی کی جاتی ہے تو اس سے معاشی انتظامات میں ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ تاہم نئے نئے محصول لگانے سے تو یہی بہتر ہے کہ شراب، چائے یا تمباکو جیسی چیزوں کے ٹیکسوں میں خفیف سا ترمیم کر دی جائے۔

ٹیکس بالواسطہ کے خلاف بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں:- (۱) ایک تو یہ کہ کوئی نیا ٹیکس لگانا حکومت کے لیے آسان نہیں ہے کیونکہ تجارتی انتظامات بگڑ جانے کے خوف سے ہمیشہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ اشیا پر ٹیکس وصول کرنے میں بہ مقابل ٹیکس بلاواسطہ کے زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں۔

زیادہ مصارف لاحق ہوتے ہیں۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر دوران پیدائش میں ٹیکس لگایا جائے تو اس سے تجارت میں بڑی دقتیں پیدا ہوں گی اور خریداروں کے حق میں قیمتیں بہت بڑھ جاتی ہیں کیونکہ پیشگی ٹیکس ادا کرنے میں جو کچھ صرف ہوتا ہے اس پر سود اور کارخانہ دار کا منافع بھی شامل ہوتا ہے۔ مل نے ٹیکس بالواسطہ کی کچھ مزید خامیاں بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بڑی بڑی رقمیں ٹیکس کی نذر کر دینا کم حیثیت کارخانہ داروں کی استطاعت سے باہر ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاروبار چند بڑے بڑے سرمایہ داروں تک محدود ہو جاتے ہیں اور اس طرح اجاروں کے قیام و استحکام کے لیے موافق حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں بعض اوقات بالواسطہ محصول تحصیل کرنے کے لیے کسی خاص طریقے پر یا دوران پیدائش کے مختلف مدارج میں کسی خاص ڈھب پر ضابطے لاگو کیے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ پیدائش کا کام ایک ہی طریقے پر جاری رہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طریق پیدائش کی اصلاح میں موانعات رونما ہوتے ہیں۔ ان احتمالات کو پیش نظر رکھ کر رفع کرنے کی بعض صورتیں یہ ہیں کہ (۱) ٹیکس بالواسطہ چیزوں کی ایک محدود تعداد پر عائد کیے جائیں۔ (۲) مختلف مطالبات آمدنی کو پورا کرنے کے لیے نئے نئے ٹیکس نہ لگائے جائیں بلکہ موجودہ ٹیکسوں میں خفیف سا رد و بدل کر کے کام چلایا جائے۔ (۳) محصول محض تیار شدہ چیزوں پر لگایا جائے۔ چنانچہ یہ شراب پر آج کل جو محصول لگایا جاتا ہے وہ دراصل تمام مقام ـــــ ہے اس قید [illegible] Malt پر لگایا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ سرکاری گوداموں کے طریق کی بدولت ٹیکس کی ادائی حتی الامکان استعمال شے کے وقت سے قریب تر ہوتی جاتی ہے اور اس طرح اشیائے درآمد پر پیشگی ٹیکس ادا کرنے کے لیے زیادہ اصل قرض لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بالواسطہ ٹیکسوں کی ایک بہت بڑی خامی یہ بھی ہے کہ ان کے تعدیہ کا ٹھیک پتہ چلانا مشکل ہے۔ ان سے اکثر خلاف توقع نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے مفاد یا اغراض پر اثر ڈالنا مقصود نہیں ہوتا وہ اکثر ان کی بدولت نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اصلی صنعتیں تو بچ جاتی ہیں اور ضمنی صنعتوں کے ساتھ خواہ مخواہ ناانصافی ہو جاتی ہے۔ خواہ نئے ٹیکس لگائے جائیں یا قدیم ٹیکسوں میں کچھ زیادہ

ردو بدل کیا جائے، دونوں صورتوں میں اس اعتراض کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہر نئے ٹکس کی بدولت حالات کچھ نہ کچھ درہم برہم ہو جاتے ہیں، قیمت اور طلب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن ایک کافی مدت گذرنے کے بعد تجارت و صنعت جدید ناگزیر حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر لیتے ہیں، ٹکس کا بار کم محسوس ہونے لگتا ہے، اور قیمتوں اور طلب میں حالات جدید کے مطابق ضروری ردو بدل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود بہت سے عیوب کے ایک قدیم ٹکس کو برقرار رکھنا اس قدر برا نہیں ہے جس قدر کہ ایک نئے ٹکس کا آغاز کرنا جو حالات موجودہ کو درہم برہم کر دیتا ہے خواہ وہ معاشی اصول کے کتنا ہی زیادہ مطابق ہو۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ "قدیم ٹکس کوئی ٹکس ہی نہیں ہے" یا یہ کہ "قدیم ٹکس جدید ٹکس سے بہتر ہے"۔

ٹکس کا کوئی نظام ایسا نہیں ہے جس پر کچھ نہ کچھ اعتراض نہ کیا جا سکے۔ لہذا ہمیں کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیے جو کم سے کم قابل اعتراض اور زیادہ سے زیادہ موثر ہو۔ اس مقصد کی قریب ترین تکمیل ایک ایسے نظام سے ہو سکتی ہے جو بہت متوازن اور بالواسطہ و بلاواسطہ دونوں قسم کے محصولوں پر مشتمل ہو۔ اسی ذریعے سے مساوات بھی نسبتہً زیادہ حاصل ہو سکتی ہے، ہر طبقے سے اس کی استطاعت کے تناسب اور اس کی سہولت کے لحاظ سے ٹکس وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ٹکس کا بار برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اور ملک کی صنعت اس کی وجہ سے زیادہ درہم برہم نہ ہونے پائے گی۔

آج کل یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جا رہا ہے کہ برطانوی نظام میں لچک پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ محصول آمدنی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو محصول مذکور کی شرح میں اضافہ کرنا نہایت ہی آسان ہے اور دوسری طرف ایسے قلیل اضافے سے دس لاکھ پونڈ جیسی کثیر آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر صرف ایک ہی ٹکس کے ذریعے سے تمام نظام میں لچک پیدا کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں نہایت ضروری ہے کہ اس ٹکس کا تعدیہ بہت ہموار ہو۔ معمولی حالات میں اداکنندوں کو وہ زیادہ گراں نہ محسوس ہوتا ہو۔ کسی زمانے میں محصول آمدنی کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ زیادہ تر جنگی اغراض کے لیے لگایا جاتا ہے لیکن آج کل وہ حکومت کی آمدنی کا نہایت ہی پیداآور ذریعہ، میزان بجٹ کا باب اور اسی پر آمدنی کے لیے سب سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔ لیکن خامی یہ ہے کہ

وہ قوم کے صرف ایک خاص طبقے پر عائد ہوتا ہے اور اس لیے یہ بات اصول مساوات کے خلاف ہے کہ معمولی اوقات میں بھی اس کی شرح بلند رکھی جائے اور جنگ و جدال کے زمانے میں بھی اس کو مالیات کا محفوظ سمجھا جائے۔

مالیات کے ہر نظام میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ٹیکس کا بار حتی الامکان صرف آمدنی پر پڑے۔ اور خاص اصل میں ٹیکس کی بدولت رکاوٹیں نہ پیدا ہوں کیونکہ وہی آئندہ مزید دولت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ معاشیین نے یہ اصول عام طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ صنعت و حرفت، کاروبار، جو مسلسل مندی اور پیدائش دولت میں ٹیکس کی بدولت کم سے کم مداخلت ہونی چاہیے۔ محصول موت ایک بلاواسطہ اور تدریجی محصول ہے جو اصل پر عائد کیا جاتا ہے اس کی نوعیت اور اس کا تعدیہ مستثنیات میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں زمین کی مالیت پر محصول لگائے جاتے ہیں۔ یہ بھی بلاواسطہ ٹیکس ہیں جو ایک خاص قسم کے اصل پر عائد کیے جاتے ہیں۔ اب تک ان کے متعلق جس قدر تجربہ ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کے وصول کرنے کے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان سے بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اشیائے صرف کے ٹیکسوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آمدنی کے نہیں بلکہ خرچ کے محصول ہیں اور ابتدا میں وہ در اصل ہیں بھی یہی۔ لیکن چونکہ عام طور پر اخراجات آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں لہذا یہ ٹیکس بھی سالانہ آمدنی ہی سے ادا ہوتے ہیں الا ان صورتوں کے جبکہ فضول خرچی کی بدولت آمدنی ناکافی ہوتی ہے اور جمع شدہ اصل پر ہاتھ ڈالنا پڑتا ہے۔ بعض آمدنیاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان سے براہ راست ٹیکس وصول کرنا نامناسب یا دقت طلب ہوتا ہے۔ ایسی آمدنیوں پر بار ڈالنے کے لیے ٹیکس بحساب صرف کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ بغرض ٹیکس بالواسطہ بھی انہی طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جن کی بدولت اصول استطاعت کے مطابق عمل درآمد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ٹیکسوں کی تقسیم مختلف طریقوں سے کی گئی ہے:- ایک بدیہی طریقہ یہ ہے کہ ٹیکس بلحاظ حصول دولت، قبضۂ دولت اور صرف دولت یا بالفاظ دیگر علی الترتیب آمدنی، اصل اور استعمال کے مختلف قسموں میں تقسیم کیے جائیں۔ ٹیکسوں کو ترتیب دینے کا یہ طریقہ اس لحاظ سے ضرور مفید ہے کہ اس کی بدولت پیدائش، تقسیم اور صرف دولت پر

ٹیکس کے معاشی اثرات کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ تقسیم علمی اصول کے مطابق نہیں ہے اور
حقیقت بھی یہ ہے کہ ٹیکسوں کی کوئی ایک تقسیم جو ہر لحاظ سے مکمل ہو ناممکن ہے اور
اس میں غلط ملط پیدا ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ ٹیکس ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس میں
مختلف امور کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اصول مساوات پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا،
کافی مقدار میں آمدنی حاصل کرنا، پیدائش و تقسیم دولت پر کیا معاشی اثرات پڑتے ہیں،
ان کا خیال رکھنا۔ غرض ٹیکس لگاتے وقت ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔
ظاہر ہے کہ ان حالات میں ٹیکس کی کوئی ایسی تقسیم نہیں کی جاسکتی جو بالکل اصولِ منطق
کے مطابق ہو یا علمی نقطۂ نظر سے بالکل ٹھیک ہو۔

ٹیکس لگانے کا مسئلہ ایک خاص عملی مسئلہ ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بہتر سے بہتر
طریقہ جو ہمارے خیال میں آسکے اس کی تحقیقات کریں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ٹیکس کا ہر موجودہ
نظام نتیجہ ہے بہت سے تاریخی واقعات کا جن سے متاثر ہو کر وہ اپنی موجودہ صورت اختیار
کرتا ہے۔ ملک کے مخصوص حالات، اس کے قدرتی وسائل اور ماحول، اس کی صنعتی ترقی کی
حالت، اس کے باشندوں کی عادات و خصوصیات اور اس کی حکومت کی تاریخ و شکل غرض
یہ ہیں وہ تمام باتیں جو ٹیکس کے طریقوں پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ اس طرح جو طریقہ ایک ملک کے لیے
مناسب ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک کے حالات میں ناموزوں ثابت ہو۔ محض
مسئلہ مجرد کی بنا پر ٹیکسوں میں تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ضرورت ہے کہ ملک کی تاریخ
اور باشندگان ملک کے جذبات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ
معاشی اور سیاسی نقطۂ نظر سے مجوزہ طرز عمل کہاں تک مناسب ہوگا۔ اس سے یہ مراد
نہیں ہے کہ اصول بھی جگہ جگہ بدلتے جاتے ہیں بلکہ ان کا اطلاق مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔
ایک کم عمر نو آبادی کے لیے جس کی آبادی تعداد میں کم اور دور دور پھیلی ہوئی ہے، آمدنی کا
سہل ترین اور کم خرچ طریقہ یہ ہے کہ وہ بیرونی مال کی درآمد پر محصول لگائے۔ ترقی کے اس
ابتدائی دور میں محصول آمدنی سے کام لینا دقت طلب بلکہ شاید ناممکن ہو۔ جوں جوں یہ
نو آباد مقام نشو و نما پاتا جاتا ہے ٹیکس کے دوسرے طریقے زیادہ موزوں ہوتے جاتے ہیں۔
قوم کی اعلیٰ تنظیم کی بدولت دولت نئی نئی شکلوں میں نمودار ہوتی ہے اور آمدنی کے نئے نئے
وسائل مہیا ہوتے جاتے ہیں۔

جہاں تک برطانوی شہنشاہی کا تعلق ہے، اس کے ہر حصے کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات جداگانہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں شاہی زول ورائن یا اتحاد درآمد برآمد کا قیام قطعی ناممکن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آبائی ملک، خود مختار نوآبادیات، ماتحت علاقے اور شاہی نوآبادیات، غرض شہنشاہی کے تمام علاقوں میں جن بنیادی اصولوں پر ٹیکس کے نظام قائم ہیں، وہ سب دراصل ایک ہی ہیں۔ تاہم تفصیلی امور میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مقامات کے حالات ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں اور ہر قسم کے ٹیکسات میں مساوات، کفایت اور سہولت کے ان مطالبات کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر برطانیۂ عظمیٰ میں محصول آمدنی اور محصول شراب سے یہ مطالبات پورے ہوتے ہیں تو ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے حالات میں انھی معاشی اصولوں پر عمل کرنے کا بہتر ذریعہ محصول نمک ہے۔

آدم اسمتھ کے قدیم اور مشہور قوانینِ معاملاتِ ٹیکس میں رہنمائی کے لیے اب عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ پٹ، پیل اور گلیڈسٹون کی اصلاحات کی بنیاد انھی قوانین پر تھی اور اب تک بھی ان کے متعلق یہ اعتقاد باقی ہے کہ ٹیکس کی ہر معقول تجویز میں ان پر عملدرآمد کرنا ضروری ہے گو ان کے ساتھ اور بھی متعدد چھوٹے چھوٹے اصول شامل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ قوانین چار اہم اصولوں پر مبنی ہیں: مساوات، تیقن، سہولت، کفایت۔

قانون مساوات جو اصول معدلت پر مبنی ہے، اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "ہر ریاست کی رعایا کو چاہیے کہ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے جو اخراجات لاحق ہوتے ہیں، ان کی فراہمی میں اپنے حسب استطاعت شریک ہو۔ یعنی ریاست کے زیر حفاظت ہر شخص جس قدر آمدنی حاصل کرتا ہے اسی کے تناسب سے اپنا حصہ ادا کرے۔" یہ ایک نہایت ہی بنیادی قانون ہے اور ٹیکس کے پورے نظام پر بہ حیثیت مجموعی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ لفظ "چاہیے" اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ٹیکس کی ادائی ہر شخص کا فریضہ ہے۔ "حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے" ان الفاظ سے ٹیکس کا سیاسی مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ "ریاست کے زیر حفاظت" ان الفاظ سے اُن خدمات کا پتہ چلتا ہے جن کی خاطر ٹیکس ادا کیا جاتا ہے۔ "حسب استطاعت" کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کے مصارف میں سب برابر کے

شریک ہوں۔

بقیہ تین قوانین محض چند معاشی قاعدے ہیں جن کا اطلاق علیحدہ علیحدہ ہر ٹیکس پر ہونا چاہیے تاکہ پیداآوری کا مقصد پورا ہو۔ ان اصولوں کا تعلق [illegible] انتظام سے ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:-

(الف) ٹیکس جس کی ادائی ہر شخص پر لازم ہے اسے قطعی متعین بلکہ یقینی ہو۔ ادائی کا وقت، طریقہ اور ٹیکس کی مقدار، غرض یہ سب باتیں نہ صرف ادا کنندہ بلکہ دوسرے تمام لوگوں پر بھی اچھی طرح واضح رہیں۔"

(ب) ہر وہ وقت اور ہر وہ طریقہ جو ادا کنندہ کے لیے سب سے زیادہ سہولت کا باعث ہو، اسی وقت اور اسی طریقے کے مطابق ٹیکس وصول کیا جائے۔"

(ج) ٹیکس وصول کرنے کا ایسا انتظام کیا جائے کہ علاوہ اس رقم کے جو خزانہ سرکار میں اس کی بدولت داخل ہوتی ہے کم سے کم رقم رعایا کی جیبوں سے باہر نکلے۔"

جہاں تک اصول تیقن کا تعلق ہے برطانیہ عظمیٰ میں جملہ طریقہ اس کی کافی ضمانت ہے۔ دارالعوام میں ہر ٹیکس کی ذرا ذرا سی تفصیلی باتوں پر مباحثہ ہو سکتا ہے اور ہر شخص اس مباحثے سے آگاہ اور واقف رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ کی منظوری بغیر کوئی ٹیکس نہیں وصول کیا جا سکتا۔ بعض ملکوں میں ٹیکس وصول کرنا پیدائش دولت کے لیے سخت مضر ہے۔ وہ گویا ایک قسم کا ڈاکہ ہوتا ہے جو حکومت یا اس کے ملازمین کی طرف سے ڈالا جاتا ہے۔ چنانچہ ٹیکس کے جو طریقے پہلے استعمال کیے جاتے تھے اور جو ملک کے حق میں سخت تباہی اور افلاس کا باعث تھے ان سے بعض ملکوں کے اثرات کی اچھی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ اسی طرح فرانس میں انقلاب سے پیشتر جو پیمائشی دیہاتی زمین کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا وہ بھی ایک بعض اوقات وقتاً فوقتاً بدلنے والا ٹیکس تھا جو کاشتکاروں کے مقبوضات پر لگایا جاتا تھا۔ اس کی شدت اور گرانی بڑی سخت مصیبتوں کا باعث تھی، اس کی بدولت ٹال مٹول اور غلط بیانی کی عادتیں پھیل گئی تھیں اور مصیبت زدہ کاشتکاروں کی زندگی ہمیشہ غم و غصہ اور بددلی میں گزرتی تھی۔

سہولت سے مراد یہ ہے کہ ٹیکس کا مطالبہ ایسے وقت پر اور ایسے طریق سے

کیا جائے کہ دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کے معاملات میں وہ حتی الامکان کم سے کم
مخل ہو۔ بہت سے ٹکس جو اب متروک ہو گئے ہیں، اس قانون کے سراسر خلاف تھے،
مثلاً Malt-tax — پیدائش کے کاروبار میں حارج ہوتا
تھا۔ Hop-tax - کی وجہ سے کاشتکار بسا اوقات اس بات پر مجبور ہوتے
تھے کہ فصل تیار ہونے کے بعد اپنی پیداوار جلد سے جلد فروخت کر ڈالیں تاکہ وہ ٹکس ادا
کرسکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بازار میں یکایک رسد بہت زیادہ ہو جاتی تھی اور پیداوار
نہایت ادنیٰ قیمتوں پر فروخت ہونے لگتی تھی۔ اس سے درمیانی تاجر تو خوب فائدہ
اٹھاتے تھے اور پیدا کرنے والے کاشتکار سراسر نقصان میں رہتے تھے۔ موجودہ زمانے میں
سرکاری گوداموں کی بدولت کروڑگیری اور چنگی کے محصولوں سے تاجروں کو کم سے کم
تکلیف پہنچتی ہے اور استعمال کی چیزوں پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ خریداروں سے
بوقت خرید وصول کیے جاتے ہیں اور اس طرح استعمال کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ
تکلیف دہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح معاہدات کے ٹکس اور میراث کے محصول بھی
اصول سہولت کے مطابق ہیں کیونکہ اول الذکر مبادلے کے وقت آخر الذکر موت کے بعد
عائد کیے جاتے ہیں۔ محصول آمدنی بہ مقابل دوسرے تمام ٹکسوں کے شاید سب سے کم
اس قانون کے مطابق ہے۔ اور اگر کہیں یہ محصول عام کر دیا جائے اور ٹکس بالواسطہ کے
موقوف استعمال ہونے لگے تو وہ رعایا کے حق میں اس قدر تکلیف دہ ثابت ہو کہ اس کا
برقرار رکھنا ناممکن ہو جائے۔

قانون کفایت اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پیداوری ہر ٹکس کے لیے
ایک ضروری خصوصیت ہے۔ ٹکس کا نصب العین آمدنی ہے، اور حصول آمدنی کی وجہ سے
قوم کی پیدا آور قوتوں میں کمی نہ ہونی چاہیے۔ یعنی ٹکس وصول کرنے کا اس طور پر انتظام
کیا جائے کہ زمین، محنت اور اصل کی کارکردگی میں کسی طرح فرق نہ آنے پائے۔
جس ٹکس کو وصول کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ بڑے عملے کی ضرورت ہو، جس کی
وجہ سے پیدائش میں بے ضرورت مصارف لاحق ہوتے ہوں، جو ادا کنندوں کے لیے
تکلیف دہ اور ان کی تضییع اوقات کا باعث ہو، جو رعایا کی آزادی میں رکاوٹیں پیدا
کرتا ہو یا انھیں چوری اور حیلہ جوئی کی ترغیب دیتا ہو، اصول کفایت کے سراسر منافی ہے۔

آدم اسمتھ نے کفایت کو جس معنی میں استعمال کیا ہے اس کے لحاظ سے بالواسطہ ٹیکس بہ مقابل بلاواسطہ ٹیکسوں کے بالعموم اسی اصول سے کم مطابق ہوتے ہیں۔ تاہم یہ ٹیکس بھی اس اصول کے منافی ہیں کیونکہ ایک طرف تو ان کی بدولت محنت و اصل کم پیدا آور کاموں میں لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف مصارف کے مقابل حکومت کو ان سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے، وہ بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ان کے فوائد کم اور مصارف نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی بدولت جو اور کلیہ نقصانات لاحق ہوتے ہیں وہ جداگانہ ہیں۔

اشیاء پر ٹیکس وصول کرنے کا ایک اور طریقہ جو کسی زمانے میں یورپ میں بہت عام تھا اور اب بھی ایران اور بعض دوسرے غیر ترقی یافتہ ممالک میں رائج ہے، یہ ہے کہ حکومت کسی درمیانی شخص کو اس بات کا اجارہ دے دیتی ہے کہ وہ رعایا سے ٹیکس وصول کرے اور خود اس شخص سے بہ سال کوئی معینہ رقم وصول کر لیتی ہے۔ اس طرح وہ خود ٹیکس وصول کرنے کی زحمت اور دردسری سے بچ جاتی ہے لیکن یہ طریقہ حکومت کے لیے پیداآور نہیں ہے کیونکہ اس کو دراصل جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ رقم ظالم اجارہ دار رعایا سے وصول کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ زیادہ تر قومی ترقی کے ابتدائی مدارج میں دکھائی دیتا ہے۔ ٹیکس ادا کنندوں کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ انھیں کس قدر ٹیکس ادا کرنا پڑے گا اور نہ ٹیکس وصول کرنے میں ادا کنندوں کی سہولت کا کوئی خیال رکھا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان ٹیکسوں کی شرح بھی بہت بلند ہوتی ہے۔ غرض یہ طریقہ اپنی معاشی خامیوں کی بدولت ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرتا اور رعایا کے حوصلوں کو پست کر دیتا ہے۔

فرانس میں انقلاب سے پہلے تین سو سال تک نمک پر ایک ٹیکس لگایا جاتا تھا جو گابیل کہلاتا تھا۔ یہ ٹیکس تمام قوانین ٹیکس کے منافی تھا۔ حکومت نے آمدنی کی غرض سے نمک کا اجارہ دے رکھا تھا۔ رعایا کا ہر شخص اس بات پر مجبور تھا کہ نمک کی کم از کم اتنی مقدار خریدے جو حکومت نے معین کر دی تھی۔ اب نمک کی جو قیمت مقرر کی جاتی تھی وہ محض خود رائی پر مبنی اور بار بار بدلنے والی ہوتی تھی۔ اور بسا اوقات خانگی کمپنیوں کو اس ٹیکس کا اجارہ دے دیا جاتا تھا، جو نمک کی فروخت سے خوب دل کھول کر نفع کماتی تھیں۔ چوری بہت عام تھی اور آبادی کا ایک کثیر حصہ اس ناجائز تجارت میں مشغول تھا۔

آخر الذکر سے متاثر ہوتا ہے۔[1]

۴۷ آدم اسمتھ کے قانون مساوات پر معاشیین کے درمیان بہت کچھ اختلاف رائے

---

[1] انگلستان کے وزیر مال سر ایم۔ ای۔ ہکس بیچ نے ۱۸۹۶ء میں دارالعوام میں موازنہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ "واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عہد کی مالیات کی بابت زیادہ بار بلاواسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں نے برداشت کیا ہے۔ پچاس سال سے ہمارے مالی مسلک کا متواتر یہی میلان رہا ہے۔ سر رابرٹ پیل کے محصول آمدنی عائد کرنے سے ایک سال قبل یعنی ۱۸۴۱ء میں فی پونڈ آمدنی میں ۱۴ شلنگ ۷ ½ پنس عاملین کے طبقوں سے اور ۵ شلنگ ۴ ½ پنس صاحب املاک طبقوں سے وصول ہوئے تھے۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ فی پونڈ آمدنی میں ۱۰ شلنگ ۵ پنس عاملین سے اور ۹ شلنگ ۷ پنس صاحب املاک طبقوں سے وصول کیے جاتے ہیں۔"

"۱۸۴۲-۱۸۴۳ء میں ٹیکس کی آمدنی ۵۰ ملین پونڈ تھی۔ اس میں سے ۷۳ فی صدی آمدنی بالواسطہ ٹیکسوں کا نتیجہ تھی اور ۲۷ فی صدی بلاواسطہ ٹیکسوں کا۔"

"۱۸۶۶ء میں یہ آمدنی ۴۹ ملین پونڈ تھی۔ اس میں سے ۶۲ فی صدی بالواسطہ اور ۳۸ فی صدی بلاواسطہ ٹیکسوں سے حاصل کی گئی تھی۔"

"۱۸۹۱ء میں ..... ۲۸۳۲ پونڈ میں سے ۵۶ فی صدی آمدنی بالواسطہ اور ۴۴ فی صدی بلاواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوئی۔"

"۱۸۹۵ء میں ...۲۴۸۲۲۹ پونڈ آمدنی میں سے ۵۲ فی صدی بالواسطہ ٹیکسوں سے اور ۴۸ فی صدی بلاواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوئی تھی۔"

"مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیکس کا بار بالواسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر سے بتدریج منتقل ہو کر بلاواسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر عاید ہوتا جا رہا ہے نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ۱۸۴۲ء میں فی کس ۱ پونڈ ۷ شلنگ ۳ پنس بالواسطہ ٹیکسوں سے اور ۱۰ شلنگ ایک پنس بلاواسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوتے تھے، اب وہیں ایک پونڈ ۴ شلنگ ۹ پنس اول الذکر اور ایک پونڈ ۲ شلنگ ۶ پنس آخر الذکر قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔"

اس بیان پر غور کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ پیل اور گلیڈسٹون کی زبردست مالی اصلاحات (جن کی بدولت انگلستان میں یہ اصول قائم ہو گیا کہ ٹیکس کی غرض محض آمدنی ہے) ۱۸۴۲ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان واقع ہوئیں۔

اور بحث مباحثہ ہوا ہے۔ آدم اسمتھ نے استطاعت کی تعبیر آمدنی سے کی ہے۔ یہ ایک
معروضی معیار ہے جو ایک مادی قابل احساس چیز یعنی ٹکس ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔
لیکن استطاعت میں جو بنیادی خیال مضمر ہے وہ "ایثار" ہے جو دراصل ایک موضوعی کیفیت یا
نفسی حالت ہے جس کا اندازہ کوئی مشترک بیرونی معیار نہیں کر سکتا۔ تاہم چونکہ مقصود ٹکس
لگانا ہے لہذا ٹکس کو اصطلاح مذکورہ بالا سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔ مل کے خیال سے قانون انصاف پر
عملدرآمد کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ ٹکس کی بدولت ادا کنندوں پر "مساوی مساوی تکلیف"
نازل ہو۔ یعنی ٹکس لگانے سے پہلے ادا کرنے والوں کی جو حالت تھی وہی اس کے بعد بھی
باقی رہے۔ "مساوات ایثار" کے اصول پر عملدرآمد کرنے کی غرض سے متعدد تجویزیں پیش
کی جاتی ہیں۔ مثلاً ضروریات کو ٹکس سے مستثنیٰ کر دینا، ایک خاص مقدار سے کم آمدنیوں پر
ٹکس نہ لگانا، ٹکس کے مدارج قائم کرنا تاکہ دولتمند طبقوں پر زیادہ بار ڈالا جائے۔
ان تجویزوں پر عمل کرنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں اور ان سب کا نتیجہ اصول پیدا آوری
کے مخالف ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ ایسے ذرائع ہی دستیاب نہیں ہیں جن کی مدد سے ٹھیک ٹھیک
یہ اندازہ ہو سکے کہ آیا فی الواقع سب ادا کنندوں کو مساوی تکلیف پہنچتی ہے۔ البتہ ایک
نہایت ہی سرسری اندازہ ممکن ہے۔ ۴۸

پروفیسر ایجورتھ نے اس سلسلے میں ایک اصطلاح یعنی "قلیل ترین اعدام افادہ"
تجویز کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اصطلاح نسبتاً ضرور بہتر ہے۔ کسی چیز یا خدمت کی قدر کا
اگر ہم اندازہ کرنا چاہیں تو اس کا صرف ایک عملی معیار ہے اور وہ شکل ہے اس قیمت پر
جو ہم اس چیز یا خدمت کے استعمال کی خاطر دینے پر آمادہ ہوں۔ اصطلاح مذکور اسی
معیار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تاہم اس میں بھی ایک دقت موجود ہے۔ ہر شخص
اپنے لیے کسی چیز کے افادہ مختتم کا خود ہی اندازہ کرتا ہے جس کا اظہار اس قیمت سے
ہوتا ہے جو وہ اس کے معاوضے میں دینے پر آمادہ ہو۔ ٹکسوں کی صورت بالکل جداگانہ
ہے یہ تو حکومت کی طرف سے لگائے جاتے ہیں اور یہاں آخری افادے (یا اعدام افادہ) کا
اندازہ ایک بیرونی قوت یعنی حکومت کرتی ہے۔

استطاعت کی تعبیر "حیثیت" سے بھی کی جاتی ہے۔ اس صورت میں موضوعی خیال کا
کوئی شائبہ نہیں رہتا۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کس حد تک ٹکس برداشت کرنے کی

قابلیت موجود ہے۔ اور آمدنی کو اس کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ اس رائے کے مطابق اتنا تو ضرور ہے کہ آبادی کا کوئی طبقہ ادائی ٹکس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا جیسا کہ کسی زمانے کا قاعدہ تھا یا جس طرح فرانس میں انقلاب سے پہلے رواج تھا۔ لیکن پھر بھی مساوات کا حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔ کیونکہ آمدنی مخصوص مقامی حالات کے تابع ہوتی ہے۔ یہ تو یقینی ہے کہ ہر شخص کو ٹکس ادا کرنا چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کس مناسبت سے؟

جس طرح مساوات ٹکس کا بنیادی اصول ہے اسی طرح یہ اصول بھی بہت اہم ہے کہ ٹکس لگانے سے قوم کی پیداآوری قوتوں میں تخفیف واقع نہ ہو۔ لیکن اگر استطاعت کا معیار محض آمدنی قرار پائے تو عام ازیں کہ وہ آمدنی زمین سے حاصل ہوئی ہو یا محنت یا اصل سے، پیداآوری کو ضرور نقصان پہنچے گا۔

اگر ہم بلالحاظ اور باتوں کے صرف زر کی شکل میں آمدنی پر نظر ڈالیں تو اس سے ٹکس ادا کرنے کی استطاعت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بہت سے اشخاص کی آمدنی زر کی شکل میں مساوی ہوتی ہے لیکن ان کے دوسرے حالات غیر مساوی ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی ٹکس ادا کرنے کی استطاعت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بنتھام، مل اور رکارڈو نے یہ تجویز پیش کی کہ آمدنی کا ایک قلیل ترین حصہ جو زندگی کے لیئے درکار ہو، ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص زندہ نہ رہے وہ کیونکر ٹکس ادا کر سکتا ہے۔ لہذا انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ٹکس ادا کرنے کی قابلیت کا اندازہ خالص نہ کہ خام آمدنی سے کیا جائے۔ کیونکہ یہ بات کفایت شعاری کے خلاف ہے کہ ادائی ٹکس کی بدولت قوت پیداآوری میں ہرج واقع ہو۔ لیکن انصاف اس بات کا مقتضی ہے کہ استثنا کے لیئے جو قلیل مقدار معین ہو، وہ ہر صورت میں ایک ہی نہ ہو بلکہ مختلف حالات میں بدلتی رہے۔ کیونکہ ضروریات زندگی کی تعریف مطلق نہیں بلکہ ہر شخص کی حیثیت و رتبہ اور ذوق زندگی کے لحاظ سے اضافی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے استثنائے ٹکس کی کوئی معین حد نہیں قائم کی جا سکتی جو ہر حالت میں یکساں ہے اور اگر بالفرض ہم ایسی کوئی حد قائم بھی کر دیں تو وہ محض خود رائی پر مبنی ہوگی۔ لیکن قلیل آمدنی والوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد بھی کوئی محصول آمدنی ایسا نہیں ہے جو تقسیم تعدیہ کے نقطہ نظر سے مبنی بر انصاف ہو۔

۴۹

۵ فی صدی محصول ۰۰ ۱ پونڈ خالص آمدنی پر بہ مقابل ایک ہزار پونڈ خالص آمدنی کے بہت زیادہ ایثار کا باعث ہوگا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ایک تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ محصول آمدنی متزاید ہو۔ لیکن جو تمہ یجی پیمانہ بنایا جائے گا وہ بھی خود رائی پر مبنی ہوگا۔ لہذا یہ عملی دقت تو باقی رہ جاتی ہے کہ کیونکر مختلف حالات میں مساوات حاصل کی جائے۔

مزید براں ایک اور اعتراض یہ پیش ہوتا ہے کہ بڑی بڑی آمدنیوں سے بھاری ٹکس وصول کرنا گویا زیادہ محنتی اور پس انداز کرنے والے اشخاص پر جرمانہ لگانا اور دولت اجتماع اصل میں رکاوٹیں پیدا کرنا اور اس طرح پیدائش میں تخفیف کر کے ٹکس کے مقصد اصلی کو ناکام بنانے کا یقینی ذریعہ بہم پہنچانا ہے۔ انگلستان کے محصول آمدنی میں ان خامیوں کے اثرات کو کم کرنے کی اس طور پر کوشش کی گئی ہے کہ اول تو بہت کافی مقدار ۱۰۰ پونڈ تک کی آمدنیاں ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ تخفیفات یا اعانات کی تجویز پر عمل کیا جاتا ہے جس کی بدولت ٹکس بجائے متزاید کے متناقص ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کی حمایت میں سب سے بہتر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ محض ایک بڑے نظام کا جزو ہے اس کا اثر قوم کے صرف قلیل حصے پر پڑتا ہے اور کثیر حصہ اس سے بالکل بچ رہتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں چھوٹی آمدنی والے بہت سے بالواسطہ ٹکس ادا کرتے ہیں اور اس طرح محصول آمدنی سے بچ رہنے کی کسر نکل جاتی ہے۔

آمدنی کو استطاعت کا معیار قرار دینے کے خلاف اور بھی اعتراضات کیے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ ذریعۂ آمدنی کی نوعیت کیا ہے، آیا وہ دوامی مشغولات اصل سے حاصل ہو رہی ہے یا بہ طور عارضی اور غیر یقینی کمائی کے ہے جس میں سے بڑھاپے اور اتفاقی اخراجات کے لیے کچھ پس انداز کرنا ضروری ہے۔ عدم مساوات کے اس سبب کا ایک بہت ہی جزوی احساس اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے اقساط پر محصول آمدنی نہیں وصول کیا جاتا۔ لیکن پس اندازی کی اور بھی متعدد صورتیں ہیں جو اسی قسم کے سلوک کی مستحق ہیں مگر

ف۔ ۱۹۲۰ء میں ۱۳۰ پونڈ تک گھٹا دیا گیا۔

ان سب پر استثنا کا اطلاق دائرہ عمل سے خارج معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آمدنی کی بنا پر مساوات ایثار کا اندازہ کرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ افراد کے مخصوص حالات کا لحاظ کیا جائے۔ مثلاً خاندان کی وسعت، متعدد مطالبات جو افراد پر ان کی تمدنی حیثیت اور معاشرتی فرائض کی وجہ سے عائد ہوتے ہیں، آمدنی حاصل کرنے والے کی صحت اور اس کی زندگی کا وہ زمانہ جس میں وہ کام کر سکتا ہے، اور دوسرے حالات جو اس کی آمدنی کو کم و بیش مشکوک بنا دیتے ہیں۔ عدم مساوات کی ان صورتوں پر غور کرنے سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود ایک مقدار کو مستثنیٰ کر دینے کے محض آمدنی ادائی ٹکس کی استطاعت کا کوئی قابل اعتبار معیار نہیں ہے۔ مکمل مساوات حاصل کرنا تو دائرہ امکان سے باہر ہے، البتہ اس کے قریب قریب پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ٹکس کے مختلف طریقوں کو ایک مشترک نظام کے تحت لا کر ان سے کام لیا جائے۔

ایک طبقے کی یہ رائے ہے کہ ٹکس کی بنیاد محض صرف پر ہونی چاہیئے کیونکہ صرف ہی ادائی ٹکس کی استطاعت کا بہتر معیار ہے لیکن محض خرچ پر ٹکس لگا کر مساوات کو قائم رکھنا بہت وقت طلب ہے۔ اور ایک پیچیدہ تمدن میں مشکل سے اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ استعمال کی سینکڑوں چیزوں پر محصول لگانا پڑے گا جس کے لیے ایک نہایت ہی مکمل انتظام کی ضرورت ہوگی اور ٹکس وصول کرنے میں بہت زیادہ مصارف لاحق ہوں گے۔ اس کے علاوہ خود صرف کی صحیح تعریف کرنا ضروری ہوگا۔ اور یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آیا ٹکس صرف اس دولت پر لگایا جائے جو ذاتی راحت و آرام کی خاطر خرچ کی جاتی ہے یا اس دولت پر بھی جو صنعت و حرفت کی ترقی میں لگائی جاتی ہے، بالفاظ دیگر ٹکس محض دولت پر لگایا جائے یا اصل پر بھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں امتیاز کرنا کس قدر دشوار ہوگا۔ مزید برآں یہ بات بہت قرین عقل ہے کہ اس طریق کی بدولت لوگوں میں حیلہ جوئی کی عادت بہت عام ہو جائے گی۔ نیز مستقلہ دولت ادائی ٹکس سے محفوظ رہے گی۔ دولت صرف کرنے والوں کی ہمتیں پست ہو جائیں گی اور اس کی وجہ سے پیدائش دولت میں تخفیف ہونے لگے گی۔ بہت کچھ چیزیں بقائے حیات کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔ ان کی خریداری سے مطلق گریز نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کی جملہ آمدنی محض ضروریات زندگی کے بہم پہنچانے میں ختم ہو جاتی ہو،

۱۵

اس کو اپنی کل آمدنی پر ٹکس ادا کرنا پڑے گا۔ اس طرح جو لوگ ادائی ٹکس کی سب سے کم استطاعت رکھتے ہیں انھی کو سب سے زیادہ اس ٹکس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ برطانیہ عظمی میں ایک صدی قبل ٹکس کا جو نظام مروج تھا اس کو دیکھنے سے اس اصول کے عملدرآمد کا پورا نمائشی نظر ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ایک تجویز اور پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ٹکس محض اس دولت پر لگایا جائے جو بچی رہے۔ لیکن اس تجویز پر عمل کرنا گویا دولت پس انداز کرنے والے اشخاص کو ایک قسم کی سزا دینا ہے۔ اس کی وجہ سے اصل کی مقدار میں تخفیف ہونا یقینی ہے۔ ہشیار اور انجام بیں حضرات اس کی بدولت نقصان اٹھائیں گے اور مسرف و فضول خرچ اس کے بار سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ یہ طریقہ بالکل بے سود اور آپ اپنی تباہی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اس کی بدولت پیدائش میں رکاوٹیں واقع ہوں گی اور اس طرح آمدنی کے ذرائع منقطع ہو جائیں گے۔ مزدوروں کی ایک کثیر تعداد کے ذرائع معاش مفقود ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ایک طرف تو ٹکس کی ضرورت روز بروز زیادہ ہوتی جائے گی اور دوسری طرف حصول ٹکس کے وسائل کم ہوتے جائیں گے۔ بالآخر مجبوراً حصول آمدنی کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا پڑیں گے۔

اگر ٹکس کی شرح ہر صورت میں یکساں رہے خواہ آمدنی اور دولت کی مقدار کچھ ہی ہو تو ایسا ٹکس محصول متناسب کہلاتا ہے۔ فی صدی آمدنی یا دولت کے حساب سے یہ ٹکس لگایا جاتا ہے اور مقدار آمدنی یا دولت کے تناسب سے کم و بیش ہوتا ہے۔ محصول آمدنی (بشرطیکہ اس میں تخفیفات کو نظر انداز کر دیا جائے) ٹکس متناسب ہی کی ایک مثال ہے۔ کیونکہ خواہ آمدنی کی مقدار کچھ ہی ہو اس کی شرح میں تغیر نہیں واقع ہوتا۔ اصول تناسب کی حمایت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ طریقہ ہے اور اس پر عملدرآمد بہت آسان ہے۔ لیکن وہ قابل اعتراض اس لیے ہے کہ اس کی بدولت قانون مساوات کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بسا اوقات آمدنیاں اس قدر کثیر ہوتی ہیں کہ ان پر اس سے کہیں زیادہ ٹکس لگایا جا سکتا ہے۔

۲۵ اصول مساوات پر زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل کرنے کی غرض سے تدریجی

ٹکس کی حمایت کی جاتی ہے۔ تدریج کے متعدد طریقے ہیں جن میں سے ہر ملک میں ایک نہ ایک طریقہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق رعایا سے محصول آمدنی وصول کیا جاتا ہے۔

محصول متزائد تدریجی ٹکس ہی کی ایک صورت ہے۔ جوں جوں آمدنی بڑھتی جاتی ہے شرح ٹکس میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ محصول بحساب جائداد اس اصول کی بہترین مثال ہے۔ اس محصول کے بارہ مدارج قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا درجہ ایک سو پونڈ بحساب ایک فی صدی شروع ہوتا ہے۔ اور آخری درجہ ایک ملین پونڈ پر بحساب ۸ فی صدی ختم ہوتا ہے۔ تدریج کی ایک اور مثال محصول مکان سکونتی ہے۔ طریقہ تدریج کے استدلال کی بنیاد مسئلہ تقلیل افادہ پر رکھی جاتی ہے اس طریقے کے حامیوں کا یہ بیان ہے کہ جس طرح ایک مدمعینہ کے بعد مزید دولت کا افادہ گھٹتا جاتا ہے اسی طرح ساتھ ساتھ ایثار کا اثر بھی کم محسوس ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا اگر بڑی آمدنیوں پر نسبتاً اعلیٰ شرح سے ٹکس لگایا جائے تو ادا کنندوں پر نسبتاً زیادہ بار نہیں پڑے گا۔ بلکہ وہ بھی دراصل اتنا ہی ایثار کریں گے جتنا کہ چھوٹی آمدنیوں والے جو نسبتاً ادنیٰ شرح سے ٹکس ادا کرتے ہیں۔ طریقہ تدریج کے خلاف جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ طریقہ زیادہ تر خود رائی پر مبنی ہے۔ شرح ٹکس میں اس طرح اضافہ کرتے جانا گویا ادا کنندوں کے املاک کو زبردستی چھین لینا ہے۔ اور یہ طرز عمل کفایت اور پیدائش دولت کے سراسر منافی ہے۔ مزید برآں اس طریق سے بیجا فائدہ اٹھانے کی ہمیشہ بہت کچھ گنجائش موجود رہتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کو رعایا کی دولت ضبط کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس طریق کی بدولت حیلہ جوئی اور غلط بیانی کی عادتیں بڑھ جاتی ہیں اور ملک کی دولت میں تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ یا تو پس اندازی کی عادت مفقود ہو جاتی ہے یا دولت ایسے ممالک میں منتقل کر دی جاتی ہے جہاں اطمینان کے ساتھ اس سے مستفید ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

غرض تدریج کی حمایت میں (بشرطیکہ وہ ایک معقول اور متوسط حد سے آگے نہ بڑھ جائے) جو استدلال کیا جاتا ہے وہ بہ حیثیت مجموعی صحیح معلوم ہوتا ہے ٹکس کے

لیکن ایسے نظام میں جو مختلف محصولوں کا مجموعہ ہو، اگر تدریج کا اطلاق چند بلاواسطہ ٹیکسوں تک محدود رکھا جائے تو مساوات اور پیدا آوری کے مطالبات کی تکمیل میں اس سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ جہاں تک محصول جائیداد کا تعلق ہے اس میں ذرا شک نہیں کہ جس قدر میراث کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اسی قدر دافع ٹیکس کی استطاعت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات بالکل قرین انصاف ہے کہ جو لوگ اس قدر کثیر میراث کے مالک بننے والے ہوتے ہیں ان پر اعلیٰ شرح سے ٹیکس لگایا جائے، خواہ بالآخر ان سے جو دولت حاصل کی جائے وہ بہ حیثیت مجموعی کتنی ہی کثیر دکھائی دے۔

تاہم ایک مرتبہ اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ برطانیہ عظمیٰ میں محصول آمدنی کا جو نظام قائم ہے وہ بہت سے ٹیکسوں کا مجموعہ ہے جن کا ایک جز محصولات موت بھی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم صرف کسی ایک ٹیکس اور اس کے اثرات کو دیکھ کر کوئی قطعی رائے قائم نہ کریں بلکہ بہ حیثیت مجموعی تمام نظام پر نظر ڈالیں۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ محصولات میں جو مدارج قائم کیے گئے ہیں ان کے ذریعے سے نظام ٹیکس کے دوسرے اجزا کے عدم مساوات کی تلافی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ بالواسطہ ٹیکسوں کے ذریعے سے رعایا کے چند طبقوں پر زیادہ بار پڑ رہا ہو۔ ایسی صورت میں محصول موت کے ذریعے سے مختلف طبقوں میں توازن قائم رکھا جا سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بڑی سے بڑی مہارت والا انسان بھی مختلف طبقوں کے درمیان کوئی ایسا توازن یا مساوات قائم نہیں کر سکتا جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور جس میں مطلق کوئی خامی نہ نظر آئے۔ لیکن مسئلہ ٹیکس مختلف ممالک کی حکومتوں پر اس قسم کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ لہذا اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ نظام ٹیکس کے مختلف حصے اس طور پر ترتیب دئیے جائیں کہ ان سے بہ حیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ مساوات حاصل ہو سکے۔

مخالف اور اس طرح معاشی نقصان کا باعث ہوگا۔ آمدنیوں پر ٹیکس کے اس قاعدہ کا اطلاق سیاسی نقطۂ نظر سے خلاف انصاف ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس کی مدد سے مختلف افراد کے ایثار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جا سکے۔ پیمانہ نہایت آسانی کے ساتھ اس طور پر بنایا جا سکتا ہے کہ آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ٹیکس کی نذر ہو جائے اور اس طرح آمدنیوں میں تخفیف واقع ہو جائے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ محنت و جانفشانی اور کفایت شعاری کی عادتیں مفقود ہو جائیں گی، پیدائش دولت میں کمی واقع ہوگی، ملک کا اصل باہر چلا جائے گا اور معاشی ترقی رک جائے گی۔ چند لوگوں پر ٹیکس کا اثر بہت گراں ہوگا اور دوسرے لوگ محض اس کے نتائج بالعد سے متاثر ہوں گے۔ دائمی طور پر کافی آمدنی حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے ٹیکس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طرف تو اس کی بدولت قانون مساوات کی خلاف ورزی ہوگی اور دوسری طرف وہ اپنے معاشی مقصد یعنی مستقل پیداآوری میں ناکام ہوگا اور اس طرح قوم کے نظامِ ٹیکس کی اولین ضرورت ہی پوری نہ ہو سکے گی۔ اس بات کے بار بار دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ٹیکس کی بدولت محنتی اور پس انداز کرنے والے اشخاص کی ہمتیں پست نہ ہونے پائیں تاکہ خود ٹیکس کی پیداآوری میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ٹیکس محنت ہی کے ثمرات سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

آدم اسمتھ کے قوانین کے ساتھ بعض چھوٹے چھوٹے قاعدے بطور ضمیمہ شامل کیے جا سکتے ہیں جو دراصل اصولِ مساوات و کفایت سے ماخوذ اور مندرجۂ بالا مباحثے کے نتائج ہیں۔

(۱) ٹیکس کا نظام بالکل سادہ اور واضح ہو اور آسانی کے ساتھ لوگوں کی سمجھ میں آ سکے۔ اور اس کے تعدیہ کا کم و بیش یقین کے ساتھ پتہ لگایا جا سکے۔ زندگی کی ابتدائی ضروریات اس سے مستثنیٰ ہوں۔ اور وہ صرف ایسی چیزوں تک محدود رہے جو بہت زیادہ ضروری نہ ہوں یا جو تعیشات میں شامل ہوں۔ ۵۵

(۲) صنعت و حرفت کے طریقوں میں ٹیکس کے انتظامات کی بدولت کم سے کم مداخلت ہو۔ ٹیکس خالص آمدنی پر لگایا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ اضافۂ اصل میں

رکاوٹ پیدا ہو اور نہ لوگ اپنا اصل ملک سے باہر بھیجنے پر مجبور ہو جائیں۔

(۳) ٹکس کے نظام میں بہ حیثیت مجموعی لچک یا تغیر پذیری کی گنجائش ہو۔ بالفاظ دیگر ہر سال کی آمدنی اس سال کی ضروریات کے مطابق کم وبیش کی جا سکے۔ اور اس کے لیے موجودہ ٹکسوں میں ردّ و بدل کرنا نئے ٹکس لگانے سے زیادہ بہتر ہے۔

(۴) ٹکس کا وہ نظام زیادہ مناسب ہے جو بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں قسم کے ٹکسوں پر مشتمل ہو۔ اس کی بدولت مختلف طبقوں پر ٹکس کا بار ڈالا جا سکتا ہے اور قانونِ مساوات کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مزید براں جب کبھی کوئی فوری ضرورت لاحق ہو تو تغیر و تبدل کے لیئے ہمارے سامنے بہت سے ذرائع موجود رہیں گے اور فوراً روپیہ فراہم کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوگی۔

(۵) جن چیزوں پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان میں بار بار ردّ و بدل کرنا چنداں مناسب نہیں، کیونکہ یہ تبدیلی سابقہ نظام کو کچھ نہ کچھ تہ و بالا کر دیتی ہے۔ قدیم ٹکسوں سے مطابقت پیدا ہونے والی ہوگی کہ نئے ٹکس آموجود ہوئے جن سے بالواسطہ بہت سے اغراض متاثر ہوتے ہیں۔ اس اصول کو اصول تیقن بہ شکلِ استقامت کا نام دیا گیا ہے۔

نوٹ:- خالص محصول متناسب میں کل آمدنی معیار ہے۔ لیکن مشروط محصول متناسب کی حالت اس سے جداگانہ ہے۔ ایسی صورت میں ضرورت ہے کہ مختلف قسم کے ردّ و بدل کو پیش نظر رکھا جائے۔ مثلاً تخفیفات، اقل مقدار جس پر ٹکس معاف ہو، رقوم پس انداز (بیمہ) جو اداءِ ٹکس سے مستثنیٰ ہوں، وسیلۂ آمدنی (اجرت یا سود) کا لحاظ یا اخراجات خاندان کے لیئے منہائی وغیرہ۔

چوتھی فصل

بلاواسطہ ٹکس لگانا۔ املاک اور آمدنی کے محصول

زمانہ گذشتہ میں بادشاہوں کی آمدنی زیادہ تر زمین سے حاصل کی جاتی تھی۔ سیکسن۔ انگریز بادشاہوں کے دور حکومت میں آمدنی کا بڑا ماخذ شاہی زمینات تھیں۔ گو تحفظ ملک کے لیئے وقتاً فوقتاً دوسرے ٹکس بھی عاید کیئے جاتے تھے مثلاً زرِ جہاز، زرِ ڈین اور زرِ آتشدان۔ زرِ ڈین اس حیثیت سے زیادہ دلچسپ ہے کہ وہ انگلستان میں سب سے پہلا ٹکس ہے جو زر کی شکل میں وصول کیا گیا۔ یہ ٹکس اولاً اس لیئے لگایا گیا تھا کہ ڈینی حملہ آوروں کو کچھ روپیہ دے کر انگلستان پر حملہ کرنے سے باز رکھا جائے۔ بعد ازاں وہ محصول زمین کی شکل میں مبدّل ہوگیا اور بارھویں صدی کے اختتام تک رواجاً جاری رہا۔ فتح نارمن کی بدولت شاہی زمینات میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اور بعد ازاں ضبطیوں اور حقوق بازگشت کی وجہ سے اس میں متواتر توسیع ہوتی رہی۔ رئیس جاگیردار اپنی زمینات کے معاوضے میں فوجی اور دوسری خدمتیں بجالاتے تھے۔ یہی خدمتیں ایک زمانے کے بعد زر کی شکل میں بدل دی گئیں اور خدمت بجالانے کے عوض یہ لوگ زر ادا کرنے لگے۔ ہر جاگیردار کی زمین بہت سے ذیلی آسامیوں میں منقسم ہوتی تھی جو اپنی زمینوں کے معاوضے میں جاگیرداروں کی خدمات بجالاتے تھے۔ یہ خدمات بھی بتدریج زر کی شکل میں بدل دی گئیں۔ بعض اوقات خاص خاص اغراض کے لیئے غیر معمولی ٹکس وصول کیئے جاتے تھے اور بادشاہ اپنے آسامیوں سے اور اُن شہروں سے جو شاہی علاقے میں واقع ہوتے تھے "رقمی امدادوں" اور "فوجی ضروریات" کا مطالبہ کرتے تھے۔ چودھویں صدی میں یہ "رقمی امدادیں" منسوخ کردی گئیں اور

۵۷ ان کی جگہ پارلیمنٹ کی رضامندی سے "اشیائے منقولہ" پر ٹکس مقرر کیئے گئے۔ رفتہ رفتہ یہ محاصل املاک کے ٹکس کے طور پر قائم ہو گئے۔ اور "پندرھویں اور دسویں" کے نام سے موسوم کیے جانے لگے۔ ان ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جائداد کی مالیت کا کس قدر حصہ بطور "ٹکس" وصول کیا جاتا تھا۔ اول الذکر رقوم اضلاع سے وصول کیئے جاتے تھے اور مویشیوں اور فصلوں کی قدر کا تخمینہ کر کے اُن پر عاید کیے جاتے تھے۔ آخر الذکر رقوم شہروں سے وصول ہوتے تھے اور سامانِ تجارت اور اشیائے منقولہ کی قدر کا تخمینہ کر کے ان پر عاید کیئے جاتے تھے۔ ۱۳۳۴ء میں پارلیمنٹ کی جانب سے خاص طور پر تحقیقات کی گئی تاکہ ان رقوم کو معین اور مشخص کرنے کے طریقوں میں کچھ اصلاح کی جائے۔ اس سلسلے میں کل نظام کی نظرِ ثانی کی گئی اور ایک مجموعی رقم مقرر کر کے شہروں اور اضلاع کے درمیان اُسے تقسیم کر دیا گیا۔ غرض یہی ٹکس جو بلحاظ مقامات کے عاید کیا جاتا تھا اور جس کی شرح بلحاظ املاک کے معین ہوتی تھی، کچھ معمولی تغیر و تبدل کے ساتھ سترھویں صدی تک جاری رہا۔

اسی اثنا میں حصول آمدنی کا ایک اور ذریعہ یعنی شخصی ٹکس ایجاد کیا گیا۔ یہ ایک قسم کا ذاتی ٹکس تھا جو ہر شخص سے اس کی حیثیت و رتبہ کے لحاظ سے وصول کیا جاتا تھا۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ وہ ادا کنندوں کی استطاعت کے تناسب سے (جس کا معیار ان کی ظاہری حیثیت و آمدنی ہوتی تھی) لگایا جاتا ہے۔ لیکن شخصی ٹکس دراصل محصولِ آمدنی و املاک ہی کی گویا ایک قدیم اور کسی قدر بے قاعدہ شکل تھی۔ بلحاظ تعدیہ کے یہ ٹکس بہت گراں اور رعایا میں بہت نامقبول تھا، حتیٰ کہ ۱۳۸۱ء کی بغاوتِ کاشتکاراں کے فوری اسباب میں اس ٹکس کی ناانصافی کا بھی ضرور کچھ حصہ تھا۔ ۱۴۳۵ء میں پارلیمنٹ نے اسی قسم کا ایک اور ٹکس منظور کیا، لیکن کچھ دنوں بعد ٹیوڈر بادشاہوں کے دور میں اس کی جگہ "عطیات" مقرر کیئے گئے جو لگان اور جائداد منقولہ پر لگائے جاتے تھے اور ان سے ۵۸ جو آمدنی حاصل ہوتی تھی وہ "پندرھواں اور دسواں" کی آمدنی کے ساتھ شامل کر دی جاتی تھی۔ غیر معمولی اخراجات کے لیئے اس قسم کے "عطیات" ۱۶۶۳ء تک جاری رہے۔ اس کے بعد اُن سے کافی آمدنی حاصل نہیں ہونے لگی۔ چنانچہ

آخری مرتبہ اُن سے صرف ۲۸۲۰۰۰ پونڈ وصول ہوے۔ بنا بر اں انھیں منسوخ کردیا گیا اور ان کی جگہ خاص تشخیصات کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چند چند سال کے وقفے سے جنگ کے خاص اخراجات کو پورا کرنے کے لیئے شخصی ٹکس یا نی کس رقم کا طریقہ دوبارہ جاری کیا گیا۔ چنانچہ عود شاہی کے موقعہ پر یعنی ۱۶۶۰ء اور ۱۶۶۷ء میں شخصی ٹکس عاید کیا گیا۔ ہر شخص کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خود ہی اپنی آمدنی اور اس کی مقدار کا اعتراف کرے تاکہ اسی کے مطابق اس سے ٹکس وصول کیا جائے۔ اس کے بعد ۱۶۸۹ء اور ۱۶۹۸ء کے درمیان فرانس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیئے مزید آمدنی کی ضرورت لاحق ہوئی تو پھر شخصی ٹکس ہی کے ذریعے سے اس کا کچھ حصہ حاصل کیا گیا۔ اس ٹکس کے اختیار کرنے پر جو بات خاص طور پر آمادہ کردیتی تھی وہ یہ تھی کہ اس کا معین اور وصول کرنا نہایت آسان تھا لیکن خرابی اس میں یہ تھی کہ لوگ بسا اوقات ٹال مٹول کرکے اس کی ادائی سے بچ جاتے تھے، یہاں تک کہ بتدریج اس کی آمدنی میں اس قدر تخفیف ہوگئی کہ ۱۶۹۸ء کے بعد پھر کبھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا۔

جمہوری حکومت کے دور میں پارلیمنٹ جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں سے "ماہانہ تشخیص" کے ذریعے سے آمدنی حاصل کرتی تھی۔ یہ ایک قسم کی امداد تھی جو خانہ جنگی کے اغراض کے لیئے مقامی طور پر وصول کی جاتی تھی اور قدیم بندرگاہی محصولات مثلاً ٹنیج، پونڈیج وغیرہ کی آمدنی سے اس کی تکمیل ہوتی تھی۔ بعد ازاں پارلیمنٹ نے اٹلی اور ہالینڈ کی تقلید کرکے ایک نیا ٹکس جاری کیا یعنی ملک کے اندر تیار کی ہوئی چیزوں مثلاً بیر، ایل، سائڈر، شرابوں اور ملبوسات وغیرہ پر محصول جنگی عاید کیا۔ اول اول تو لوگوں میں یہ محصول بہت غیر مقبول رہا، لیکن ۱۶۴۹ء میں پارلیمنٹ نے ایک فرمان کے ذریعے یہ اعلان کردیا کہ "رعایا سے جو ٹکس وصول کیئے جاسکتے ہیں اُن میں یہی سب سے زیادہ مساوی اور غیر جانبدار ہے۔"

۱۶۶۰ء میں عود شاہی کے موقعہ پر شاہی آمدنی کی مقدار بارہ لاکھ پونڈ مقرر کی گئی۔ یہ زیادہ تر ان ذرائع سے حاصل کی جاتی تھی :- (۱) کروڑ گیری یا قدیم بندرگاہی محصولات۔ (۲) بہ جدید جنگی کا محصول۔ یہ ٹکس نصف مقرر کیا گیا۔ (۳) ل جاگیر ی محصولات کے معاوضے میں جو ۱۶۴۵ء میں منسوخ کردیئے گئے تھے،

۵۹ نیز مطالبۂ اشیائے خوراک وغیرہ کے قدیم شاہی حقوق کے معاوضے میں وصول کیا جاتا تھا اور اس کا نام موروثی جنگی رکھا گیا تھا۔ (۳) ایک عارضی جنگی کا محصول جو موروثی جنگی کو علاوہ گنا کر دیتا تھا۔

۱۶۶۲ء میں ایک نئی قسم کا محصول مکان جو اصطلاحاً زر آتشدان کہلاتا تھا، جاری کیا گیا۔ یہ کسی قدر محصول آمدنی کے مشابہ تھا کیونکہ اس کی مقدار معین کرنے میں یہ دیکھا جاتا تھا کہ مکان میں کتنے آتشدان ہیں، اور یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ جس مکان میں جس قدر زیادہ آتشدان ہوں گے، اسی قدر وہ مالک مکان کی دولت مندی یا کثیر آمدنی کو ظاہر کریں گے۔ اس ٹکس کے ٹھیکہ دار چمنی والے کہلاتے تھے جو نہایت سختی کے ساتھ ٹکس وصول کرتے تھے۔ ان کے تجسسانہ طریقوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو اس ٹکس سے سخت نفرت ہو گئی اور بالآخر ولیم ثالث نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر اس کو منسوخ کر دیا۔ اس سال اس ٹکس سے دو لاکھ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی ۱۶۷۰ء سے بنک داروں پر ٹکس لگایا جانے لگا۔ انگلستان میں تجارتی ترقی اور طریق اعتبار کے نشو و نما کا اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے۔

۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ حصول آمدنی کا کوئی جدید انتظام کیا جائے۔ قدیم شاہی زمینات کی آمدنی تقریباً بند ہو گئی تھی اور جدید جنگی اور بندرگاہی محصولات آمدنی کے خاص ذرائع بن گئے تھے۔ اسی بنا پر مصارف شاہی کی مقدار معین کر دی گئی، جس سے نہ صرف شاہی خاندان کی ضروریات پوری ہوتی تھیں بلکہ ججوں، سفیروں وغیرہ کے اخراجات اور شاہی وظیفہ خواروں اور سالیانے پانے والوں کی امداد کی بھی اس سے سبیل کی جاتی تھی۔ پہلی مرتبہ اس کی مقدار ۶ لاکھ پونڈ مقرر کی گئی تھی لیکن بعد ازاں اس میں اضافہ کیا گیا اور ہر بادشاہ کے لیے اس کی تخت نشینی کے وقت از سر نو اس کی منظوری دی جانے لگی۔ ۱۷۸۷ء سے مصارف شاہی کو مصارف معینہ میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۳۰ء میں عدالت کے اخراجات اس سے علیحدہ کر دیئے گئے اور ان کا جداگانہ انتظام کیا جانے لگا۔ اس وقت مصارفِ شاہی کا مقصد صرف "بادشاہ کے رتبے اور وقار کو برقرار رکھنا" ہے اور اس کی مقدار سالانہ ۴ لاکھ ستر ہزار پونڈ ہے۔

۱۶۹۲ء میں ایک اور ٹیکس نمودار ہوا جو اب محصول زمین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ٹیکس کو نافذ کرنے کا اصلی منشا یہ تھا کہ خانہ جنگی کے دوران میں جو ماہانہ تشخیصات جاری کی گئی تھیں ان کا وہ جانشین بن جائے۔ اس کی صورت محصول املاک اور محصول آمدنی دونوں کی سی تھی۔ وہ گویا ایک طرح سے قدیم دسووں اور پندرھووں کی راست نسل سے تھا۔ یہ ٹیکس کل زمین و مکانات کی سالانہ مالیت، ہر قسم کے ذاتی املاک، حکام سرکاری کی تنخواہوں اور اشیائے منقولہ پر بحساب ۴ شلنگ فی پونڈ عاید کیا جاتا تھا۔ ہر سال از سر نو اس کی منظوری لی جاتی تھی اور پہلی مرتبہ اس سے ۱۹۲۲۷۱۲ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن سالانہ تشخیص کا طریقہ تجربے سے بہت دقت طلب ثابت ہوا اور اس کے نتائج ہمیشہ مختلف برآمد ہونے لگے۔ اسی وجہ سے پارلیمنٹ نے ۱۶۹۷ء میں تمام نظام پر نظر ثانی کی اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ ہر سال تقریباً پندرہ لاکھ پونڈ آمدنی حاصل کی جائے۔ اور اس غرض کے لیئے ہر ضلع اور شہر کا حصہ اس وقت کی مالیت کے مطابق مقرر کر دیا جائے۔ تشخیص کے اس طریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکس کے تعدیہ میں مساوات قائم نہ رہ سکی۔ اور جب آبادی میں اضافہ ہونے لگا اور بالخصوص انقلاب صنائع کے بعد جب نئے نئے صنعتی اور تجارتی اضلاع اور شہر نمودار ہونے لگے تو اس عدم مساوات کا اثر بہت زیادہ محسوس ہونے لگا۔

اس ٹیکس کا وہ حصہ جو ذاتی املاک کے مطابق مشخص کیا جاتا تھا، اپنے وجود کے بالکل ابتدائی زمانے میں ہی بہت کچھ گھٹ گیا اور رفتہ رفتہ تشخیص سے خارج ہو گیا ۱۸۳۳ء میں وہ سرکاری طور پر منسوخ کر دیا گیا، اور اس ٹیکس کا صرف وہ حصہ باقی رہ گیا جو زمین پر مشخص کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۸ء تک یہ محصول زمین ہر سال از سر نو منظور کیا جاتا تھا لیکن جنگ کے لیئے سرمایہ فراہم کرنے میں سخت مالی مشکلات پیش آنے لگیں تو اس سال انگلستان کے مشہور وزیر اعظم ولیم پٹ نے اس ٹیکس پر نظر ثانی کی اور اس کو ایک دوامی لگان کی شکل میں منتقل کر دیا، یا بہ الفاظ دیگر ہر ضلع سے بشکل لگان جو آمدنی وصول ہوتی تھی، اس میں سرکار کا حق اس ٹیکس کے ذریعے معین کر دیا گیا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کی زمین میں سرکار کا حق قائم ہو گیا

جس کا عملی ثبوت اس ٹکس کی ادائی میں مضمر سمجھا جانے لگا۔ نظرثانی کے موقعہ پر محصولِ زمین کی سربستہ مالیت کا تخمینہ بہ قدر ستر ملین پونڈ کیا گیا تھا۔ پٹ نے اسی وقت ایک سہولت یہ بہم پہنچادی تھی کہ جو لوگ سال بہ سال ٹکس ادا کرنا چاہیں انھیں یہ اختیار رہوگا کہ یکمشت سربستہ مالیت ادا کرکے ادائی ٹکس سے مستثنیٰ ہو جائیں۔ چند سال کے عرصے میں ۶۱ بہ قدر ۵ لاکھ پونڈ (نصف ملین) ٹکس ادا کردیا گیا۔ اور دوسری صدی کے دوران میں تقریباً نصف ٹکس ادا کردیا گیا۔ اور اس طرح جملہ ٹکس گھٹ کر ۹۸۶۰۰۰ پونڈ رہ گیا جو ابھی زمین سے وصول طلب ہے۔

۱۸۹۶ء میں محصولِ زمین پر دوبارہ نظرثانی کی گئی۔ اس مرتبہ جو لگان وصول ہوا اس کا اوسط جملہ مالیت پر فی پونڈ ایک شلنگ کے حساب سے تھا۔ مزید براں اس کا تعدیہ بھی بہت غیر مساوی تھا۔ بعض نہایت آباد مقامات میں وہ فی پونڈ ایک پنی سے بھی کم تھا اور چند زراعتی اضلاع میں وہ فی پونڈ ۴ شلنگ کے قریب قریب پہنچ گیا تھا۔ لنکاشائر میں اس کا اوسط ۳/۴ پنس تھا، ڈرہم میں ۳ ۱/۲ پنس، فورڈشائر میں ۲ شلنگ ۱ پنس اور ایسکس کے بعض حصوں میں فی پونڈ ۴ پنس تھا۔ اس کے علاوہ ۱۸۹۶ء کی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا کہ بہ حیثیت ایک ٹکس کے وہ اصول مساوات کے سراسر منافی ہے۔ بہت سی زمین جس پر ٹکس یکمشت ادا کیا جاچکا تھا، اب آئندہ کے لیے بالکل مستثنیٰ تھی۔ جس زمین پر ابھی تک ٹکس لگایا جاتا تھا، اس کا ایک بہت بڑا حصہ قدیم مالکوں کے پاس سے منتقل ہوچکا تھا۔ یہ تو یقینی ہے کہ جن لوگوں نے ان زمینات کو خریدا ہوگا وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ ان زمینات پر ادائی ٹکس کا بار موجود ہے۔ لہٰذا انھوں نے زمینات کی حسب سابق پوری پوری قیمت ادا نہ کی ہوگی بلکہ اس میں سے کچھ حصہ بارِ ٹکس کے تناسب سے منہا کرکے زمین کو اس کی تخفیف شدہ قیمت پر خریدا ہوگا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ان زمینات کے نئے مالک محصولِ زمین کے اثر سے بالکل متاثر نہیں ہوتے تھے۔ کوئی طریقہ ایسا موجود نہیں تھا جس کے ذریعے سے اس محصول کے وصول کرنے میں مساوات قائم کی جاسکتی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کو محصولِ زمین کہنا ہی صحیح نہیں تھا۔ قدیم زمانے سے زمین کی ملکیت میں قومی حقوق شامل رہتے چلے آئے ہیں بلکہ بسا اوقات عشر ادا کرنے والی زمین کی طرح وہ قوم کی مشترک ملک سمجھی جاتی رہی ہے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر زمین کے

لگان کا ایک حصہ حکومت اس ٹکس کے ذریعے سے وصول کرتی تھی ۱۸۹۶ء کے قانون فینانس کی رُو سے یہ طے کیا گیا کہ اس ٹکس کی شرح زمین کی مالیت پر فی پونڈ ایک شلنگ سے کسی طرح زیادہ نہ ہو۔ اور جو لوگ اس سے اعلیٰ شرح سے محصول ادا کر رہے ہوں آئندہ سے وہ بھی اس مقررہ شرح سے ٹکس ادا کریں۔ اس طرح تخفیفِ ٹکس کی بدولت زمین کی مالیت میں جو اضافہ ہوا وہ گویا در اصل ایک تحفہ تھا جو قوم کی طرف سے زمینداروں کو عطا کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا کہ جن جن صورتوں میں ٹکس کی آمدنی زمین کی مالیت پر فی پونڈ ایک پنی سے کم ہو وہاں یہ شرح ایک پنی ٹکس ادا کیا جائے۔ اور اس طرح جو مزید آمدنی حاصل ہو وہ اُس کے ہم قدر حصے کو آئندہ ادائی ٹکس سے رہا کرنے میں لگائی جائے۔ جن زمینداروں کی آمدنی ۱۶۰ پونڈ اور ۴۰۰ پونڈ سے کم ہوتی تھی انھیں بھی ۱۸۹۸ء میں ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ ان مستثنیات کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی میں دو لاکھ پونڈ کی تخفیف ہو گئی اور تمام ملک کی اوسط شرح فی پونڈ ۴ پنس رہ گئی۔ ۹۲

بہ حیثیت ایک ذریعۂ آمدنی کے محصولِ زمین کی اب چنداں اہمیت نہیں رہی۔ البتہ اس کی تاریخ ضرور دلچسپ ہے اور اس سے ٹکس کے بعض اصولوں کی اچھی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ بہ حالت موجودہ اس کی آمدنی ۷ لاکھ پونڈ ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ آمدنی زمین سے حاصل کی جاتی ہے، وہ بہت ناقابل لحاظ ہے۔ مزید برآں ٹکس وصول کرنے کے مصارف بھی زیادہ ہیں۔ لہذا اس ٹکس کا موقوف ہو جانا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس غرض سے متعدد تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ اور سب سے زیادہ قابلِ عمل تجاویز میں سے ایک یہ ہے کہ ہر سال تعدادِ موجودہ کا سہ گنا ٹکس وصول کیا جائے جس میں سے دو تہائی حصہ سنکنگ فنڈ کے قیام میں لگایا جائے۔ دس سال تک اس طرح عمل کرنے سے سنکنگ فنڈ میں اس قدر رقم جمع ہو جائے گی کہ حکومت بغیر کسی قسم کے نقصان کے اس ٹکس کو ہمیشہ کے لیے موقوف کر سکے گی۔ اس طرح ٹکس ادا کرنے والے گویا اس بات پر مجبور ہوں گے کہ دس سال کی مدت میں مزید بیس سال کا ٹکس ادا کر کے آئندہ ہمیشہ کے لیے اس ٹکس کی ادائی سے

آزاد ہو جائیں، جو کچھ اصل اس طور پر جمع ہو گا اُسے قومی قرضہ کو گھٹانے میں لگا یا جائے گا۔[1]
یہ ایک ایسی تجویز ہے جو کسی معاشی اصول کے منافی نہیں معلوم ہوتی اور نہ محصول زمین کی گذشتہ تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ نامناسب نظر آتی ہے۔ بہت سے لوگ جو اس تاریخ سے ناآشنا ہیں، یہ سفارش کرتے ہیں کہ "حاصل غیر مکتسب" کو تصرف میں لانے کی غرض سے اس ٹکس میں اور اضافہ کیا جائے۔ اگر اس ٹکس کو قطعاً موقوف کر دیا جائے تو ان لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی رفع ہو جائے گی جیسا[2] کہ اس تجویز کے محرک نے کہا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹکس کی مقدار معین کر دینے کے بجائے اگر پٹ اس کی کوئی شرح مقرر کر دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ گذشتہ صدی کے دوران میں ۶۳ زمین کی قدر میں جو زبردست اضافہ ہوا ہے، اس کی بدولت زمین قومی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بن جاتی اور ساتھ ہی "حاصل غیر مکتسب" کا مشکل مسئلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جاتا۔ اس کے علاوہ دوسرے متعدد معاملات مثلاً زمین کی ملکیت، زراعت و صنعت کی ترقی، زمین پر اصل صرف کرنے کا طریق، محصول آمدنی و املاک" غرض ان سب پر ٹکس کے اثرات نہایت اہم ہوتے۔

اور ذرائع آمدنی کی طرح زمین کے لگان سے بھی محصولِ آمدنی وصول کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۴ء کے حسابات فینانس کے مطابق، اراضی اور مکانات سے محصولِ املاک کی مد میں ۲۷۳۵۹۰۰۰ پونڈ وصول ہوئے تھے۔ اس میں سے تقریباً ایک چوتھائی حصہ زمین کے لگان سے حاصل کیا گیا تھا۔ مقامی شرحوں کی تشخیص کا مدار بھی اراضی اور عمارات ہی پر ہوتا ہے۔ ان کی مقدار پچاس ملین پونڈ تھی اور اس کا پانچویں سے زیادہ حصہ زمین سے حاصل کیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں موجودہ زمانے کا محصولِ آمدنی قدیم شخصی ٹکس سے نمودار ہوا ہے۔ یہ ایک بلاواسطہ محصول ہے جس کی بنیاد اداکنندہ کے تمام ذرائع کی مجموعی آمدنی پر ہوتی ہے۔ اور مستثنیات اور

---

[1] اکنامک جرنل۔ ستمبر ۱۹۰۵ء "محصولِ زمین کی موجودہ حالت" از اے ہوک۔
[2] اس مسئلے کی تفصیلی بحث کے لیے "مقامی ٹکس والی فصل" دیکھو۔

تخفیفات کے ایک خاص طریقے کے مطابق اس میں تدریج قائم کی جاتی ہے۔ موجودہ شکل میں اس ٹکس کو سب سے پہلے پٹ نے جنگ کے اغراض کے لیے ۱۷۹۹ء میں جاری کیا۔ اور اُس وقت چھ ملین پونڈ آمدنی اس ٹکس سے حاصل ہوئی۔ صلح امین کے بعد ۱۸۰۲ء میں یہ ٹکس بند کر دیا گیا۔ لیکن ۱۸۰۳ء میں محصولِ املاک و آمدنی کی شکل میں وہ دوبارہ عاید کیا گیا۔ اور پانچ مدوں یا جدولوں میں تقسیم کیا گیا۔ ۶۰ پونڈ سے کم کی آمدنیاں مستثنیٰ کر دی گئیں اور ۶۰ اور ۱۵۰ پونڈ کے درمیان والی آمدنیوں پر تخفیف عطا کی گئی۔ ۱۵۰ پونڈ سے نیچے کی آمدنیوں پر بھی جس شرح سے ٹکس لگایا جاتا تھا وہ ہر صورت میں یکساں نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف مقداروں کے ساتھ ساتھ وہ بھی مختلف ہوا کرتی تھی۔ البتہ کسی ۶۴ صورت میں وہ ۳ پنس سے کم اور ۱۱ پنس سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اس مقدار سے اوپر کی آمدنیوں کے لیے شرح ٹکس فی پونڈ ایک شلنگ تھی۔ بعد ازاں اس شرح میں اضافہ کیا گیا حتیٰ کہ ۱۸۰۶ء میں وہ فی پونڈ ۲ شلنگ یا ۱۰ فی صدی تک پہنچ گئی۔ جنگ کے اختتام پر ۱۸۱۶ء میں جب یہ ٹکس منسوخ کیا گیا تھا تو اس سے ساڑھے پندرہ ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔

۱۸۴۲ء میں سر رابرٹ پیل نے محصولِ آمدنی کو دوبارہ جاری کر دیا تاکہ ان کے مجوزہ مالی اصلاحات کی بدولت محصولاتِ درآمد میں عارضی طور پر تخفیف ہو کر سرکاری آمدنی کا جو نقصان ہوتا تھا اس کی اس طرح تلافی ہو جائے۔ ۱۵۰ پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر فی پونڈ ۷ پنس کے حساب سے ٹکس لگایا گیا اور اس کی مدت تین سال قرار دی گئی۔ لیکن بعد ازاں اس مدت میں توسیع کی گئی اور جب ۱۸۶۰ء میں محصولاتِ درآمد بوجہ ان کی تامینی نوعیت کے منسوخ کر دیے گئے تو محصولِ آمدنی مستقل بنیادوں پر قائم ہو گیا اور اس وقت سے نظامِ ٹکس کا وہ ایک مسلمہ جزو سمجھا جانے لگا۔ مستثنیٰ آمدنیوں کی مقدار میں کئی مرتبہ تبدیلی کی گئی۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۷۵ء تک یہ مقدار ۱۰۰ پونڈ تھی ۱۹۱۴ء میں وہ ۱۶۰ پونڈ تھی۔ اس ٹکس پر اصولِ تدریج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ آخری مرتبہ جنگ کے زمانے میں جو تبدیلی کی گئی اس کا حال معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ (۲۰۴)۔

اگرچہ جدید محصولِ آمدنی کی ابتدا خاص جنگ کے اغراض کے لیے کی گئی تھی تاہم

اب وہ برطانیہ کے نظام ٹکس کا ایک مسلمہ جزو بن گیا ہے۔ اور زمانہ موجودہ کے تمام جمہوری میلان کی وجہ سے اُسے روز بروز تقویت پہنچتی جاتی ہے۔ سرکاری آمدنی کے ایک بہت بڑے حصے کا اب اُسی پر مدار ہے۔ ۱۸۴۲ء کے بعد سے اب تک صرف ایک مرتبہ اس کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے اور یہ تجویز مسٹر گلیڈ سٹون نے ۱۸۷۴ء میں پیش کی تھی۔ لیکن اب تو وہ قوم کا ایک محفوظ ذخیرہ سمجھا جاتا ہے اور جب کبھی جنگ کی وجہ سے حکومت کو مزید اخراجات لاحق ہوتے ہیں تو ہمیشہ اسی ٹکس میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کی شرح بھی ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ ۱۸۵۳ء میں وہ فی پونڈ ۵ پنس تھی اور ۱۸۵۶ء میں جنگِ کریمیا کے دوران میں وہ ایک شلنگ ۴ پنس تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۸۷۴ء میں وہ فی پونڈ ۲ پنس تھی اور ۱۹۰۲ء میں جنوبی افریقہ کی جنگ کے زمانے میں وہ ایک شلنگ ۳ پنس تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۱۰ء میں جو امن کا زمانہ تھا شرحِ ٹکس فی پونڈ ایک شلنگ یا ۵ فی صدی تھی اور ٹکس پوری آمدنی پر عاید کیا جاتا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں ہر پنی سے پانچ لاکھ پونڈ حاصل ہوئے تھے لیکن ۱۸۵۰ء میں ہر پنی سے ۲۶ لاکھ ۴ ہزار پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں محصول آمدنی سے کل ۴۳۵۲۹۰۰۰ پونڈ حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ تین ہزار پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر ایک زائد ٹکس بھی عاید کیا گیا تھا جس کی شرح ۵ پنس سے لے کر ایک شلنگ ۴ پنس تک فی پونڈ تھی اس سے ۲۲۳۰۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔

محصولِ آمدنی ادا کرنے والے حسبِ ذیل پانچ طبقوں یا جدولوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ (الف) اراضی و مکانات (ب) مزارعین اور قابضانِ اراضی (ج) سرمایہ دار (د) سود، منافع، کاروبار یا پیشے سے آمدنی پیدا کرنے والے (ہ) سرکاری ذرائع سے تنخواہ پانے والے۔

محصول جمع کرنے کا طریقہ سادہ اور کفایت شعاری پر مبنی ہے۔ کاروباری منافع پر جس قدر ٹکس وصول کیا جاتا ہے وہ ہر شخص سے جداگانہ طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ تقسیمِ منافع سے قبل یکمشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا پیدا آور ٹکس ہے اور آمدنی میں اضافہ یا تخفیف کرنے کی غرض سے اس میں بہ آسانی تغیر و تبدل کر سکتے ہیں۔ وہ سراسر آدم اسمتھ کے پیش کردہ قوانین کے مطابق ہے۔

چونکہ ٹکس کے ایک بہت بڑے نظام کا وہ محض ایک جزء ہے لہذا وہ قانون مساوات کے خلاف نہیں ہے۔ مزید براں چھوٹی چھوٹی آمدنیاں ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دی جاتی ہیں اور ٹکس میں اس طور پر مدارج قائم کر دیئے جاتے ہیں کہ محدود آمدنی والوں پر بیجا بار نہیں پڑتا۔ اس میں شک نہیں کہ ادنیٰ درجے کے تنخواہ یابوں اور علمی پیشوں کے ذریعے سے آمدنی پیدا کرنے والوں پر اس ٹکس کا بار بہت سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بات کا فیصلہ کیا گیا ہے (سنہ ۱۹۱۱ء) کہ استثنیٰ کی حد تک اور بھی ادنیٰ درجے پر قائم کی جائے، اس طرح کہ ۱۶۰ پونڈ سے نیچے کی تمام مستقل آمدنیاں ادائی ٹکس سے مستثنیٰ ہوسکیں۔ بہت زیادہ پیچیدہ پیمانے پر محصولِ آمدنی کا انتظام کرنا عملاً بہت وقت طلب ہے۔ اور اگر ہفتہ واری اجرت پانے والے طبقوں سے بھی کفایت شعاری اور تعین کے ساتھ ٹکس وصول کرنے کا انتظام کریں تو اور بھی زیادہ دقتیں پیدا ہوں گی۔

اگر انفرادی حیثیت سے دیکھا جائے تو محصولِ آمدنی ہرگز قانونِ مساوات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ رعایا کی ادائی ٹکس کی استطاعت پر بہت ساری باتوں کا اثر پڑتا ہے مثلاً عمر، صحت، خاندان، یہ بات کہ آمدنی دوامی ہے یا عارضی، آئندہ کے لیے پس انداز کرنے کی ضرورت، غرض ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر ہی ہم کسی شخص کی ٹھیک ٹھیک استطاعت کا پتہ لگا سکتے ہیں لیکن یہ تمام باتیں کچھ اس قسم کی ہیں کہ ان کی ٹھیک پیمائش یا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ادائی ٹکس کی حقیقی استطاعت کا معیار خرچ کرنے کی قابلیت پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسا معیار ہے جس کا کوئی اطمینان بخش مشترک پیمانہ نہیں ہے۔ محصولِ آمدنی کا تعدیہ خود ادا کنندہ پر ہوتا ہے عام ازیں کہ اس کی آمدنی کا مآخذ لگان ہو یا منافع ہو یا اجرت۔ کسی صورت میں وہ دوسرے پر نہیں منتقل کیا جاسکتا۔ جو شخص جس مقدار میں یہ ٹکس ادا کرتا ہے، اسی قدر اس کی قوتِ خرید یا خرچ کرنے کی قابلیت میں تخفیف واقع ہوتی ہے۔ قوم کے دوسرے افراد پر اس کا براہِ راست کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اگر اس ٹکس کی بدولت ادا کنندہ پہلی سی محنت کرنا ترک کر دے اور اس کی آمدنی گھٹنے لگے تو دوسروں پر بھی اس ٹکس کا اثر پڑنے کا قرینہ ہے۔ لیکن یہ اثر اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے جبکہ شرحِ محصول بہت زیادہ گراں ہو۔

برخلاف اس کے اگر شرح ادنی ہو اور ٹکس محض ایک بڑے نظام کا جز ہو تو اضافۂ آمدنی یا اس کی وجہ سے کوئی قابلِ لحاظ رکاوٹ نہیں پیدا ہوسکتی، بالخصوص برطانیہ عظمیٰ جیسے ملک میں جہاں اس قدر کثیر اور طاقتور قوتیں رعایا کو دولت کمانے پر آمادہ کر رہی ہوں۔

وقتِ ضرورت مداخل بڑھانے کے لیے محصولِ آمدنی کی شرح میں نہایت آسانی کے ساتھ ردّ و بدل کر سکتے اور یہ ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سے کس قدر آمدنی حاصل ہوگی۔ محصولِ آمدنی عاید کرنے کے لیے جو مقدار تشخیص کی جاتی ہے اس میں متواتر اضافہ ہونا ملک میں ترقیِ دولت کا نہایت ہی اچھا معیار ہے۔ گذشتہ کئی سال سے سلطنتِ متحدہ کے اندر یہ مقدار برابر بڑھتی جارہی ہے حالانکہ اس اثنا میں شرحِ ٹکس بہت بڑھ گئی۔ فی پنی پیداوار میں جو اضافہ ہوگیا ہے، اس سے اس واقعہ کا اظہار ہوتا ہے۔

برطانیہ میں محصولِ آمدنی کا جو نظام قائم ہے، بہت کم ممالک نے اس کی نقل کی ہے، گو اکثروں نے املاک یا آمدنیوں پر ایک نہ ایک قسم کا تدریجی ٹکس عاید کیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے خانہ جنگی کے زمانے میں محصولِ آمدنی کو عارضی طور پر اختیار کیا تھا اور تخفیفِ قرضہ کی غرض سے ۱۸۷۲ء تک اس کو جاری رکھا۔ ۱۸۹۳ء میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ اس کو بطور ایک مدامی و فاقی ٹکس کے اختیار کیا جائے۔ چنانچہ ۸۰۰ پونڈ سالانہ سے اوپر کی آمدنیوں پر ۲ فی صدی شرح تجویز کی گئی۔ لیکن عدالتِ عالیہ نے اس کو خلافِ دستور قرار دے کر مسترد کر دیا۔ فرانس میں متعدد کوششیں کی گئیں کہ ایک عام اور متزاید محصولِ آمدنی جاری کیا جائے، لیکن اب تک ایسی کوئی تجویز قبول نہیں کی گئی۔ البتہ فرانس میں دوسرے قسم کے کئی ایک بلاواسطہ محصول موجود ہیں جو فی صد ایک شرحِ مقررہ سے عاید کیے جاتے ہیں اور ہمارے محصولِ آمدنی کے مشابہ سمجھے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک ٹکس زمین سے حاصل کی ہوئی آمدنیوں پر لگایا جاتا ہے؛ ایک اور ٹکس جو پیٹنٹ کہلاتا ہے، تجار اور علمی پیشوں والوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس ٹکس کے وصول کرنے میں ہر شخص کے منافع کا جداگانہ حساب نہیں کیا جاتا بلکہ ہر پیشے کے عام منافع کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ ایک ٹکس عمارات، دروازوں اور دریچوں پر ان کی وسعت اور تعداد کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے، کیونکہ وہ ادا کنندہ کی آمدنی کا معیار سمجھے جاتے ہیں۔

۹۷

ایک اور ٹیکس شخصی جائداد پر عاید کیا جاتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ اُن تمام آمدنیوں پر جو تمسکات سے حاصل کی جاتی ہیں، فی صدی محصول وصول کیا جاتا ہے لیکن سرکاری تمسکات اس میں شامل نہیں ہیں۔

بلجیم، روس، پرتگال اور ہنگری میں کوئی حقیقی محصول آمدنی نہیں ہے یورپ کی وفاق یافتہ مملکتیں (جرمنی اور سوئٹزرلینڈ) اپنے وفاقی اغراض کے لیے بالواسطہ محصولوں (کروڑگیری وغیرہ) سے آمدنی حاصل کرتی ہیں لیکن ان کے مختلف حصے اپنے اپنے مقامی اغراض کے لیے محصولات آمدنی کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یورپ کی دوسری مملکتوں نے بھی اپنے اپنے مالی نظام میں محصول آمدنی کو ایک نہ ایک شکل میں اختیار کیا ہے۔ لیکن برطانوی نظام کے مقابلے میں ہر جگہ کی تجویز زیادہ پیچیدہ ہے اور آبادی کا نسبتہً بہت بڑا حصہ ٹیکس سے متاثر ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو آمدنی مستثنیٰ کی جاتی ہے وہ بالعموم ۵۰ پونڈ سے کم ہوتی ہے مثلاً پروشیا میں وہ ۴۵ پونڈ ہے۔ اور اسپین اور اٹلی میں تو ہر آمدنی خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل ہو، ادائی ٹیکس پر مجبور ہے۔ تدریج قائم کرنے کے لیے مختلف پیچیدہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں ذریعۂ آمدنی کو پیش نظر رکھ کر یا تو شرح ٹیکس میں فرق کر دیتے ہیں یا شرح ٹیکس تو معین رہتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس کی مختلف شکلوں اور کاروبار کے مختلف طریقوں کے لحاظ سے تضمینی ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تدریج قائم کرنے کی غرض سے آمدنیوں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ہر شعبے کی ایک جداگانہ شرح ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے "مکتسب" (اجرت) اور "غیر مکتسب" (منافع) آمدنیوں میں بھی امتیاز کیا جاتا ہے۔ برطانوی نظام کے مقابلے میں تدریج کا پیمانہ بالعموم زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء سے برطانیہ عظمیٰ میں بھی تدریج کے اصول کو بہت زیادہ وسیع کیا گیا ہے اور محصول آمدنی اور محصول موت (جائداد) دونوں پر نہایت مکمل پیمانوں کے ذریعے سے اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ممالک یورپ میں محصول آمدنی کے جو نظام قائم ہیں، ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ انفرادی حیثیت سے اس ٹیکس کا عملدرآمد اصول مساوات کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اسی خیال سے تعدیہ محصول کے مختلف حالات کا لحاظ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اُن کی تجاویز بہت زیادہ تفصیلی ہوتی ہیں۔ اور

برطانوی نظام کے مقابلے میں مصارفِ تحصیل زیادہ اور حاصل کم ہوتا ہے۔

آسٹریلیا کی بہت سی نوآبادیات نے محصول آمدنی کو اختیار کیا ہے لیکن تدریج کے جو طریقے انھوں نے اختیار کیے ہیں، وہ ایک قسم کے نہیں ہیں۔ شرحیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور مستثنیٰ آمدنیوں کی مقدار بھی جگہ جگہ جداگانہ ہے۔ البتہ جن اسباب کی بنا پر تفریق کی جاتی ہے، وہ سب نوآبادیات میں مشترک ہیں۔ بالخصوص جائداد اور ذاتی محنت کی آمدنیوں میں جو امتیاز کیا جاتا ہے وہ بہت اہم ہے۔ نیوسوتھ ویلز میں جہاں محصولِ زمین اور محصولِ موت بھی عاید کیے جاتے ہیں محصولِ آمدنی کی شرح ایک ہی ہے یعنی فی پونڈ ۶ پنس لیکن ۲۰۰ پونڈ تک آمدنیاں جو محنت کرکے حاصل کی جاتی ہیں، ادائی ٹکس سے مستثنیٰ ہیں۔

کناڈا میں مملکتی اغراض کے لیے کوئی محصولِ آمدنی نہیں ہے۔

جائداد کی وراثت پر محصول لگانے کا طریق بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ اور اس کی بنیاد غالباً اس مسئلے پر ہے کہ جس دولت کا کوئی مالک نہ ہو اور بے وصیت اشخاص نے جو املاک چھوڑی ہوں، حکومتِ وقت ان کی حقدار ہے۔ قدیم رومیوں میں بھی اس قسم کے محصولات مروج تھے۔ جاگیریت کے دور میں میراث پر روایات کے مطابق کچھ محصول ادا کیے جاتے تھے اور جائداد کی مالیت کے حساب سے ان کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے تھے۔

19

موت کے محصول برطانیہ عظمیٰ میں قانون اسٹامپ کے ساتھ ۱۶۹۴ء میں ہالینڈ سے نقل کرکے جاری کیے گئے۔ یہ بتدریج ترقی کرتے کرتے ان ٹکسوں کا ایک جداگانہ پیچیدہ شعبہ قائم ہوگیا جس میں متعدد بے قاعدگیاں اور خلافِ مساوات باتیں نمودار ہوگئیں۔ ۱۸۹۴ء میں قانونِ فینانس کے ذریعے سے یہ تمام خامیاں رفع کردی گئیں اور محصولِ جائداد کا ایک سیدھا سادا نظام قائم کیا گیا۔ جس زمانے میں یہ قانون منظور ہو رہا تھا محصولاتِ موت پانچ مختلف عنوانوں کے تحت وصول کیے جاتے تھے۔

(۱) محصول ثبوتِ وصیت۔ یہ ٹکس پہلی مرتبہ ۱۶۹۴ء میں [illegible] ذاتی جائداد پر ۲۰ پونڈ اور اس سے زیادہ کے تمام وصیت ناموں پر ۵ شلنگ کے

حساب سے عاید کیا گیا۔ بعد ازاں اضافہ ہو کر یہ شرح ۱۰ شلنگ قرار پائی۔ وقتاً فوقتاً اس تجویز میں ردّ و بدل ہوتا رہا حتیٰ کہ اس کی شکل ایک تدریجی ٹکس کی سی ہوگئی جو ۱۰۰ پونڈ سے اوپر کی تمام رقموں پر لگایا جاتا تھا اور جس کی شرح ایک ہزار پونڈ کے بعد ۳ فی صدی تک پہنچ جاتی تھی۔

(۲) محصول وراثت۔ اس کو پٹ نے ۱۷۹۶ء میں جاری کیا تھا۔ یہ صرف ایسی جائداد پر لگایا جاتا تھا جو ادا کنندہ کو وراثتاً ملتی تھی نہ کہ ایسی جائداد پر جو معاہدے کی رو سے حاصل ہوئی ہو۔ رشتہ داری کے لحاظ سے اس میں بھی مدارج قائم کیے جاتے تھے۔

(۳) محصول جانشینی۔ اس کو گلیڈسٹون نے ۱۸۵۳ء میں جاری کیا تھا۔ یہ ٹکس جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں پر عاید کیا جاتا تھا۔ اس کی مقدار معین کرنے میں وارث کے حصے کی مالیت کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مورث کے ساتھ جو رشتہ داری ہو اس کے مطابق اس میں کمی بیشی ہوتی تھی۔

(۴) محصول حسابی۔ یہ ایک خاص محصول تھا جس کی غایت یہ تھی کہ جو جائداد بطورِ ہدیہ یا کسی اور طرح منتقل کی جائے اور اس طرح محصولِ ثبوتِ وصیت کی ادائی سے بچ جائے، وہ بھی ادائی ٹکس سے مستثنیٰ نہ ہو سکے۔ ۱۸۸۱ء میں اس کو گلیڈسٹون نے اختیار کیا تھا۔

(۵) محصول جائداد۔ یہ ایک مزید ٹکس تھا جو بہ شرح ایک فی صدی جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں پر بشرطیکہ ان کی مقدار دس ہزار پونڈ سے زائد ہو عائد کیا جاتا تھا۔ یہ ٹکس ۱۸۸۸ء میں جاری کیا گیا تھا۔

اس تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمع شدہ دولت پر کسی اصولِ متزائد کے مطابق ٹکس لگانے کی طرف کیونکر میلان بڑھتا گیا۔ ۱۸۹۴ء کے قانونِ فینانس کی بدولت اس اصول میں اور بھی زیادہ توسیع ہوگئی۔ ان محصولات کے پورے نظام پر نظرِ ثانی کی گئی اور ان سب کے عوض صرف ایک محصول جائداد مقرر کیا گیا جو ہر قسم کی جائداد پر لگایا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، فیصل شدہ ہو یا غیر فیصل شدہ۔ اس کے بارہ مدارج بنائے گئے۔ پہلا درجہ ایک فی صدی سے شروع ہوتا تھا اور یہ شرح سو پونڈ اور پانسو پونڈ کی درمیانی رقموں کے لیے مقرر تھی۔ بڑھتے بڑھتے یہ شرح ۸ فی صدی تک

پہنچ جاتی تھی جو ایک ملین پونڈ کے لیے مقرر تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ نظر ثانی کی گئی جس کی بدولت ان محصولوں میں بہت اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۱۴ء میں جو پیمانہ قائم تھا اس کے مطابق پانچ ہزار پونڈ پر ۴ فی صدی ٹکس لگایا جاتا تھا، دس ہزار پونڈ پر ۵ فی صدی، بیس ہزار پونڈ پر ۶ فی صدی اور اس طرح بڑھتے بڑھتے ایک ملین پونڈ پر ۲۰ فی صدی تک پہنچ جاتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں اس ٹکس سے ۰۰۰ ۵۹ ۳ ۲۷ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

محصولِ جائداد معین کرنے میں اداکنندہ کی مجموعی جائداد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور اس میں بسا اوقات متعدد مدیں اور مختلف قسم کی جائدادیں شامل ہوتی ہیں۔ اس طرح وقتِ واحد میں تمام ذرائع کی مجموعی مالیت کا پتہ لگانا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ محصول ادا ہو سکے۔ لیکن اس طرز عمل میں بہت سی مشکلات رو نما ہوتی ہیں اور مساوات قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ محصولِ جائداد کا ایک حصہ مقامی حکومتوں کو ادا کیا جاتا ہے جو زیادہ تر اضلاع اور شہروں کی انتظامی مجلسوں کے درمیان مقامی اخراجات کے لیے تقسیم ہو جاتا ہے[1]۔

وراثت اور جانشینی پر ایک مزید محصول لگایا جاتا ہے جو رشتہ داری کے مطابق کم و بیش ہوتا ہے۔ اولاد یا والدین ایک فی صدی ادا کرتے ہیں۔ بھائی بہنیں اور ان کی اولاد ۵ فی صدی، دوسرے رشتہ دار ۵ یا ۶ فی صدی اور غیر رشتہ دار ۱۰ فی صدی۔ اگر کسی نے محصولِ جائداد ادا کیا ہو تو اس کو مذکورۂ بالا ایک فی صدی محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

محصولِ جائداد کا بار ان املاک پر پڑتا ہے جو کسی شخص کے مرنے پر اس کے ورثا کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک بلاواسطہ ٹکس ہے جو خاص کر املاک حاصل کرنے والے پر عائد ہوتا ہے اور دوسروں پر منتقل نہیں کیا جا سکتا، البتہ بالواسطہ طور پر تقسیم بلکہ شاید پیدائشِ دولت پر بھی اس کا ضرور کچھ اثر پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ محصولِ جائداد کی بدولت اصل پر ٹکس لگا کر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔

---

[1] یہ ابتدا انگلستان میں محصولِ ثبوت وصیت کی آدھی آمدنی کا ۸۰ فیصد تھا۔ اب کسی جائداد سے محصولِ جائداد وصول کیا جاتا ہے اس میں سے ایک مقررہ رقم ادا کر دی جاتی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۰)۔

اگر یہ محصول منسوخ کر دیا جاتا تو یہی آمدنی دوسرے ذرائع (مثلاً آمدنی یا اشیا کے محصولوں) سے فراہم کرنا پڑتی۔ دوسرے ممکن ہے کہ اس کی بدولت رعایا کے ایک نہایت بیدار اور طبقے کے سامنے محنت و جانفشانی کے لیے کوئی ترغیب نہ رہے اور وہ پہلے کی طرح محنت اور اجتماع دولت کی کوشش کرنا ترک کر دے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ شرح سود میں تخفیف واقع ہونے سے لوگوں میں کفایت شعاری کی عادت کم ہو جاتی ہے اور اجتماع اصل کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ جائداد کسی کاروبار میں لگی ہوئی ہو، ایسی صورت میں صاحب جائداد کے مرنے پر ادائی ٹکس کے لیے اگر کاروبار سے یہ جائداد واپس لے لی جائے تو ممکن ہے کہ اس پر برا اثر پڑے، اور اس طرح پیدائش دولت میں رکاوٹ پیدا ہو۔ مزید برآں جن خاندانوں کی جائداد تھوڑی ہو، ان پر اس محصول کا اثر نہایت گراں اور تکلیف دہ ہوتا ہے اور وہ بھی خاص کر ایسے وقت پر جبکہ ان کے اخراجات لازمی طور پر بڑھ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ چھوٹی جائدادیں اس ٹکس کی ادائی سے مستثنیٰ کر دی جائیں یا اگر کوئی شخص تھوڑا سرمایہ چھوڑ کر مرے تو اس پر محصول گھٹا دیا جائے۔

محصول جائداد کی کچھ نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہ آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں شمار کی جا سکتی۔ تاہم بہ حیثیت مجموعی اس سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے، چنانچہ اب اس ٹکس کی آمدنی سالانہ موازنے کا ایک مستقل جزو سمجھی جاتی ہے۔ عوام میں اس ٹکس کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ وہ صرف صاحب املاک طبقوں پر عائد ہوتا ہے۔ مزید برآں اس میں ان تجاویز کی بھی کچھ جھلک موجود ہے جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جمع شدہ دولت کو ضبط کر کے اس کو از سر نو تقسیم کیا جاوے۔ اگر اس ٹکس کی شرح نامناسب طور پر بلند کر دی جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ کہیں املاک ضبط کرنے کا ایک ذریعہ نہ بن جائے۔ دوسرے یہ کہ ایک بے اطمینانی کی حالت پیدا ہو جانے سے اجتماع دولت کے لیے لوگوں کو کوئی ترغیب نہ رہے گی۔ وہ دوران زندگی ہی میں بہ طور ہدیوں کے جائداد منتقل کرنے لگیں گے اور رشتہ جوئی کے متعدد دوسرے طریقے اختیار کرنے کی کوشش کریں گے۔

محصولِ آمدنی کی طرح محصولاتِ موت بھی ٹیکس کے نظامِ مرکب کا ایک جزو ہیں۔ وہ ایک طرح کے بلاواسطہ ٹیکس ہیں جو صرف مجتمعہ دولت سے مستفید ہونے والے طبقوں پر عائد کیے جاتے ہیں۔ رعایا کے مختلف طبقوں کے درمیان مساوات ایثار قائم کرنے میں ان سے بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ کیونکہ بالواسطہ محصولوں کا بار کم آمدنی والے مزدورپیشہ طبقوں پر بہت زیادہ پڑتا ہے اور محصولاتِ موت سے اس کی ایک حد تک تلافی ہو جاتی ہے۔

پروفیسر باس ٹیبل کی رائے ہے کہ محصولِ موت دراصل ایک مزید محصولِ آمدنی ہے جو یکلخت سربستہ مالیت کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے۔ اس رائے کی تائید یوں ہوتی ہے کہ آج کل اُس تخفیفِ مالیت کے خلاف بیمہ کرانے کی عادت روز افزوں ہے جو بصورتِ دیگر جائداد پانے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

موت کے محصول ٹیکس متزایدکی نہایت موزوں مثالیں ہیں لیکن ان میں درجے قائم کرنے کا طریقہ لازمی طور پر بے قاعدہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات دراصل سے بھی بہت مشکل کہ اصولِ متزاید کا اطلاق بلحاظ مساوات کے نمایاں ہو خواہ نفع یہ ٹیکس کے نقطۂ نظر سے یا بہ حیثیت نظام مرکب کا ایک جزو ہونے کے مندرجہ ذیل اعداد (۱۹۱۳-۱۴-۱۹۱۳) سے مختلف محصولاتِ موت کی اضافی آمدنی واضح ہوتی ہے:

(۱) املاک پر محصولِ جائداد	۲۱۶۴۸۵۹۵ پونڈ
(۲) محصولِ وراثت وجانشینی	۵۱۲۰۹۰۲۸۶ پونڈ
(۳) محصولِ ثبوت و محصولِ حسابی	۲۰۷۴۹۲ پونڈ
(۴) عارضی محصولِ جائداد	۲۹۵۵۳ پونڈ
(۵) محصولِ شخصیہ	۵۹۰۵۴ پونڈ
جملہ	۲۷۱۶۵۱۲۰ پونڈ

مذکورۂ بالا آمدنی میں سے ۴۴۳۰۱۴۴۳ پونڈ حساباتِ محصولاتِ مقامی میں ادا کر دیے گئے تاکہ مقامی حکومتوں کو اپنے اخراجات چلانے میں مدد مل سکے۔

محصول مکان مسکونہ ایک شاہی ٹیکس ہے جو مکانات میں رہنے والوں سے

وصول کیا جاتا ہے اور جس سے سالانہ تقریباً دو ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔
یہ گویا قدیم محصولِ آتشدان و روشندان کا جدید نمائندہ ہے۔ محصولِ آتشدان گو دورِ جاگیریت میں بھی موجود تھا لیکن قانونی نقطۂ نظر سے وہ اُس وقت ایک قانونی ٹکس شمار ہونے لگا جبکہ ۱۶۶۲ء میں چارلس ثانی کے لیے پارلیمنٹ نے اُسے بعض دوسرے ٹکس اور جاگیری حقوق کے معاوضے میں منظور کیا۔ ۱۶۸۸ء میں وہ منسوخ کر دیا گیا لیکن ۱۶۹۶ء میں اس کی جگہ ایک اور ٹکس جاری کیا گیا جو دریچوں پر لگایا جاتا تھا، اور جو ۱۸۵۱ء تک برابر قائم رہا۔ ان دونوں ٹکسوں کا انحصار اس مفروضے پر تھا کہ مکان کی وسعت صاحبِ مکان کی استطاعت کا موزوں معیار ہے۔ اور مکان کی وسعت کا اندازہ اس کے آتشدانوں اور دریچوں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ یہ ٹکس اس لیے قابلِ اعتراض سمجھے جاتے تھے کہ ان کی بدولت انسانی زندگی کی اس قدر مفید چیزوں میں کمی واقع ہوتی تھی۔ روشنی اور گرمی جیسی مایحتاج زندگی کی ضروریات پر ان ٹکسوں کا بار عائد ہوتا تھا، اور ان کی حدبندیاں رعایا کی صحت کے لیے مُضر تھیں۔

محصول مکانِ مسکونہ پہلی مرتبہ ۱۷۷۸ء میں اختیار کیا گیا۔ ۱۸۳۴ء میں وہ منسوخ کر دیا گیا لیکن ۱۸۵۱ء میں محصولِ روشندان کی تنسیخ کے بعد وہ پھر جاری کر دیا گیا۔ آج کل یہ محصول تمام مکانات اور کاروباری عمارات و زمینات پر لگایا جاتا ہے بشرطیکہ ان کا کرایہ ۲۰ پونڈ یا اس سے زائد ہو۔ کاروباری عمارات و زمینات، رجسٹری شدہ مکاناتِ مسکونہ اور زراعتی مکانات پر یہ ٹکس ادنیٰ شرح سے لگایا جاتا ہے۔ اصولِ متزاید کے مطابق اس ٹکس میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔

	کرایہ ۲۰ پونڈ سے کم اور ۴۰ پونڈ سے زائد نہیں	۴۰ پونڈ سے زائد	۶۰ پونڈ سے زائد
مکانات سکونتی	۳ پنس	۶ پنس	۹ پنس
شراب خانے، زراعتی مکانات اور کاروباری عمارات و زمینات	۲ پنس	۴ پنس	۶ پنس

۷۴ مل اور دوسرے معاشئین کی یہ رائے ہے کہ مکان کا کرایہ صاحب مکان کی آمدنی کی ایک بدیہی صورت ہے۔ مزید برآں اس آمدنی کی مقدار جلد جلد نہیں بدلتی بلکہ زمانۂ دراز تک ایک ہی سطح پر قائم رہتی ہے۔ لہٰذا ٹکس لگانے کے لیے یہ ایک اچھا معیار ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مقامی ٹکس کے لیے کرایۂ مکان غالباً بہترین معیار ہے، کیونکہ مقامی حکومتیں جس قدر سرمایہ اپنے اپنے علاقوں کی اصلاح و ترقی کے لیے صرف کرتی ہیں، اس سے مقامی باشندے ایک حد تک اپنے اپنے مکانات کی نوعیت کے مطابق کم و بیش مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں تک قومی ٹکسوں کا تعلق ہے یہ ضروری نہیں کہ کرایۂ مکان اداکنندہ کی آمدنی یا استطاعت کا کوئی صحیح معیار ہو۔ مکانات کے انتخاب میں بہت سی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مثلاً صحت کا خیال، خاندان کی وسعت، ذریعۂ معاش کی نوعیت اور اداکنندہ کی حیثیت۔ بعض پیشے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جو لوگ ان میں مشغول ہو کر روزی کماتے ہیں، انھیں ہمیشہ عوام الناس کی نظروں کے سامنے رہنا پڑتا ہے جیسے کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں کی حالت ہے۔ ان لوگوں کی آمدنی کا جو حصہ کرایۂ مکان پر صرف ہوتا ہے، وہ بہ مقابل دوسرے طبقوں کے نسبتہً بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان آخر الذکر طبقوں کے ذرائع معاش پر اس قسم کی اتفاقی باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

محصول مکان کی ایک اور خامی یہ ہے کہ اس میں مطلق یہ امتیاز نہیں کیا جاتا کہ اداکنندہ کی آمدنی اور کرایۂ مکان ان دونوں کا باہمی تناسب جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ دیہات سے زیادہ قصبات اور قصبات سے زیادہ بڑے شہروں میں کرایۂ مکان کا خرچ آمدنی کے تناسب سے بڑھتا جاتا ہے۔ بہت سے جز معاش لوگ اپنے پیشوں کی خاطر اس بات پر مجبور رہتے ہیں کہ شہروں اور قصبوں میں آکر بس جائیں اور چار و ناچار مکانات کے اعلیٰ کرایہ کا بار برداشت کریں۔ بر خلاف اس کے بہت سے دولتمند اشخاص دیہات کی پاک و صاف آب و ہوا سے مستفید ہونے کے لیے بڑے بڑے وسیع مکانات ادنیٰ کرایہ پر حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں محض کرایۂ مکان کو پیش نظر رکھ کر اول الذکر طبقے سے زیادہ اور آخر الذکر طبقے سے کم مقدار میں محصولِ مکان وصول کرنا ہرگز قرین انصاف نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ

ایک دولتمند آجر شہر سے کئی میل کے فاصلے پر ایک اعلیٰ درجے کی وسیع کوٹھی نہایت ہی قلیل کرایہ پر حاصل کرلے اور اسی کا ایک محرر یا مزدور جو کارخانے کے قرب وجوار میں شہر کے اندر رہنے پر مجبور رہے، اس سے زیادہ کرایہ دے کر ایک ادنیٰ قسم کے مکان میں زندگی بسر کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دولتمند آجر سے کم اور غریب محرر یا مزدور سے زیادہ محصول طلب کرنا کس حد تک اصولِ مساوات کے مطابق ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰ پونڈ اور اس سے کم کرایہ والے مکانات کو ادائی ٹکس سے جو مستثنیٰ کردیا جاتا ہے، عام ازیں کہ وہ مکانات دیہات میں واقع ہوں یا شہر میں، اس سے مختلف آمدنی والے طبقے غیر مساوی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ مزید براں دیہات میں بسا اوقات بڑے بڑے محل تعمیر ہوتے ہیں اور ان کے مالک نہایت دولتمند اور بڑی بڑی آمدنی والے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جائداد کی مالیت یا مالکِ جائداد کی آمدنی کے تناسب سے محصولِ مکان نہیں مشخص کیا جاسکتا۔ علاوہ اس کے محصول کا اثر انسانی زندگی کی ایک درجۂ اول کی احتیاج پر پڑتا ہے اور خاص کر شہر میں بسنے والے جز و معاش تعلیم یافتہ طبقوں پر وہ بہت زیادہ گراں ہوتا ہے۔ یہ لوگ یا تو کسبِ معاش کی خاطر اپنے آپ کو اس بات پر مجبور پاتے ہیں کہ اپنی قلیل آمدنی کا نسبتہً زیادہ حصہ مکان کی احتیاج رفع کرنے میں صرف کردیں یا بوجہ تعلیم یافتہ ہونے کے وہ اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لیے صحت بخش مکانات کی اہمیت کو محسوس کرتے اور زیادہ مصارف برداشت کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ قوم کے لیے یہ بات بہ حیثیت مجموعی نہایت مفید ہے کہ لوگ حصول آمدنی کی وجہ سے اپنا سرمایہ اچھے اچھے مکانات بنوانے میں صرف کریں، لیکن اس محصول کی بدولت لوگوں کو اس طرف ترغیب نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح یہ بات بھی بہ حیثیت مجموعی بہت مناسب ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اچھے اور صاف ستھرے مکانات میں زندگی بسر کریں، لیکن اس ٹکس کا عملاً یہ اثر ہے کہ جس قدر کوئی شخص اعلیٰ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اسی قدر اس کو

محصولِ مکان کی شکل میں زیادہ جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

حساباتِ فینانس ۱۹۱۴ء

محصولِ زمین . . . . ۷۰۰۰،۶۹ پونڈ

محصولِ آمدنی تخمینی ماحصل۔

جدول (ا)۔۔اراضی، مکانات وغیرہ ۔۔۔۔۰۰۰،۴۳۰،۱۰ پونڈ

〃 (ب)۔۔استعمال اراضی مکانات وغیرہ ۔۔۔۔۰۰۰،۴۱۲ پونڈ

〃 (ج)۔۔سالیانے، مقسوم وغیرہ ۔۔۔۔۰۰۰،۷۸۶،۲ پونڈ

〃 (د)۔۔علمی پیشے، تجارت وغیرہ ۔۔۔۔۰۰۰،۹۴۰،۷۲ پونڈ

〃 (ہ)۔۔خدماتِ سرکاری وغیرہ ۔۔۔۔۰۰۰،۲۲۳،۳ پونڈ

زائد ٹکس . . . . ۰۰۰،۳۳۹،۳ پونڈ

۰۰۰،۴۱،۲۴۷ پونڈ

سنہ ۱۹۰۷ء سے "مکتسب" اور "غیر مکتسب" آمدنی میں تفریق کی جاتی ہے۔ اول الذکر قسم کی آمدنی پر بشرطیکہ وہ تین ہزار پونڈ سے زائد نہ ہو، شرح محصول ادنیٰ ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ مقدار کی آمدنیوں پر، عام ازیں کہ وہ مکتسب ہوں یا غیر مکتسب، اعلیٰ شرح سے ٹکس لگایا جاتا ہے۔

پانچویں فصل

بالواسطہ ٹیکس لگانا — اشیا اور اعمال کے محصول

اکثر ممالک میں اشیا (قابلِ صرف دولت) پر محصول لگا کر کثیر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔ خام پیداوار کی حالت سے قابلِ استعمال حالت تک پہنچنے میں جو مختلف مدارج طے کرنے پڑتے ہیں ان میں سے کسی نہ کسی درجے پر یہ محصول عائد کر دیے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں بالواسطہ محصول لگانے کے مختلف طریقے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ راست طور پر چیز پر بوقت استعمال ٹیکس لگا دیا جاتا ہے جیسے کہ [illegible] رہ بندوں کے محصول۔ (۲) دوسرے یہ کہ چیزوں کی پیدائش کے وقت ٹیکس لگایا جاتا ہے جیسے کہ شراب پر محصول چنگی۔ (۳) تیسرے یہ کہ سرحدی مقامات پر چیزوں کی درآمد و برآمد پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں جیسے کہ کروڑگیری کے محصول۔ (۴) چوتھے یہ کہ چیز کی تیاری اور تجارت سرکاری اجارے کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ فرانس اور جاپان میں تمباکو اور ہندوستان میں افیون۔ قدیم زمانے کے محاصل راہداری اور محاصل بازارات بھی (جو چیزوں کی خرید و فروخت یا ان کے نقل و حمل کے وقت وصول کیے جاتے ہیں) انھی کے ساتھ شامل کیے جا سکتے ہیں۔ صرفِ دولت کے ٹیکس اپنے ابتدائی زمانے میں زیادہ تر بلاواسطہ ہوتے تھے اور جو لوگ "دولت منقولہ" پر قابض ہوتے تھے ان سے وہ بلاواسطہ وصول کر لیے جاتے تھے کیونکہ وہی ان کی استطاعت کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ بعض اوقات استعمال و اظہارِ دولت کے موقعوں پر بھی یہ ٹیکس لگائے

جاتے تھے[1] اور بعض اوقات ان سے فضول خرچی کو روکنے کا کام لیا جاتا تھا۔
موجودہ زمانے کی ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے طریقے بہت پیچیدہ ہوگئے ہیں۔ اور صرف دولت پر براہ راست ٹکس لگانا بہت دشوار ہے۔ لہٰذا یہ مقصد اس طور پر حاصل کیا جاتا ہے کہ استعمال کی چیزوں پر محصول لگائے جاتے ہیں، جو بالعموم صرف کرنے والوں پر منتقل ہوجاتے ہیں۔
چند بلاواسطہ ٹکس جو صرف دولت پر لگائے جاتے تھے، مثلاً گاڑیوں، کتوں، بندوقوں، مرد ملازمین اور زرہ بکتر پر امتیازی نشانات استعمال کرنے کے محصول، آج کل یہ سب لیسنس کی شکل میں ادا کیے جاتے ہیں ممکن ہے کہ ان میں بعض کا اثر بالواسطہ اُن صنعتوں پر پڑے جو ٹکس ادا کرنے والی چیزوں کی تیاری سے متعلق ہوں، مثلاً گاڑیوں کا ٹکس۔ اگر اس قسم کے ٹکس زیادہ مقدار میں لگائے جائیں تو ان کی متعلقہ صنعتوں میں کام کرنے والے کم ہوجائیں گے۔ استعمال دولت پر براہ راست جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر محصولات تعیش کی یادگار ہیں اور ان سے خزانۂ سرکاری کو نسبتہً بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ دراصل یہ ٹکس دور قدیم کے لیے زیادہ موزوں تھے جبکہ ہر چیز نہایت سادہ تھی، صنعتیں بہت تھوڑی تھیں اور جدید ذرائع آمدنی میسر نہیں تھے۔
راہداری اور بازارات کے محصولوں کا آغاز نہایت قدیم زمانے میں ہوا ہے۔ ان کے معاوضے میں ادا کنندہ کو یہ حق عطا کیا جاتا تھا کہ خاص خاص مقامات میں تجارت کرے، سرکاری سڑکیں استعمال کرے اور ایسے مقامات سے مستفید ہو جو اس کا سامان فروخت کرنے کے لیے باعث سہولت ہوں۔ بالآخر یہ ٹکس چیزوں کی قیمتوں میں شامل ہوجاتے تھے۔ اسی طرح لیسنس کے ذریعے سے خاص خاص صنعتیں جاری کرنے یا خاص خاص چیزیں (شراب، تمباکو وغیرہ) فروخت کرنے کا حق عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لیسنس بھی اپنے اثرات اور عام تعدیے میں ان ٹکسوں کے

[1] سنہ ۱۷۹۷ء میں پٹ نے گھڑیوں پر ٹکس لگانا شروع کیا جس کی وجہ سے یہ صنعت تقریباً برباد ہوگئی۔ اور اس بنا پر دوسرے سال وہ منسوخ کردیا گیا۔

مشابہ ہیں جو خود چیزوں پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ بھی اشیائے متعلقہ کے بنانے والوں اور اُن کی تجارت کرنے والوں کی تعداد کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں، طریقۂ لیسنس کی بدولت ان کا ایک رجسٹر سا تیار ہو جاتا ہے اور ان پر سرکاری نگرانی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک پھیری لگانے والوں اور شراب خانہ داری رہن رکھنے والوں کا تعلق ہے اس قسم کی نگرانی بے حد ضروری ہے۔

۸۷ یہ ایک نہایت صحیح رائے ہے کہ موجودہ زمانے میں محاصل لیسنس کا موزوں ترین استعمال یہ ہے کہ اُن سے مقامی ٹکسوں میں مدد لی جائے۔ اس غرض کے لیے مرکزی حکومت پہلے سے ایک کثیر رقم ادا کرتی ہے کتنی اور کس کس قسم کی چیزوں پر کس کس شرح سے محصول وصول کیا جائے، ان باتوں کی نگرانی کا انتظام کرکے مرکزی حکومت کو چاہیئے کہ اس قسم کے ٹکس تمام و کمال مقامی اغراض کے لیے وقف کر دے۔

خاندان ٹیوڈر اور اسٹوارٹ کے بادشاہ اجاروں اور اسناد کی شکل میں خاص خاص لوگوں کو حقوق عطا کر دیتے تھے۔ یہ ایک طرح کے محاصل چنگی تھے جو زیادہ تر خود رائی پر مبنی اور غیر مستقل قسم کے ہوتے تھے جن سے خود بادشاہ کو تو نہایت قلیل آمدنی حاصل ہوتی تھی لیکن اجارہ داران سے خوب منافع کماتے تھے اور خریداروں پر ان کا پورا بار پڑتا تھا۔ لیکن زمانۂ موجودہ میں برطانیہ کی آمدنی کا کوئی حصہ سرکاری اجاروں سے نہیں حاصل ہوتا بجز اس کے کہ ہم ڈاک خانے کو ایک سرکاری اجارہ خیال کر لیں۔ لیکن یورپ کے بعض اور ممالک میں تمباکو، دیا سلائی اور بعض دوسری سرکاری صنعتوں سے مستقل طور پر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔

اشیا پر محصول لگانے کے جو طریقے اس زمانے میں رائج ہیں، وہ یہی چنگی اور کروڑگیری کے ٹکس ہیں۔ معاشی نقطۂ نظر سے ان دونوں کا عام نتیجہ ایک ہی ہے یعنی ان کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

محصولات کروڑگیری کے ذریعے سے ٹکس وصول کرنے کا طریقہ بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ تجار جب کسی ملک میں داخل ہوتے تھے تو داخلے کی

اجازت حاصل کرنے کے لیے کسی نہ کسی نہ حد ی مقام پر انھیں محصول راہداری ادا کرنا پڑتا تھا، جس کے معاوضے میں تاجر کو یہ حق حاصل ہو جاتا تھا کہ اُس علاقے میں تجارت کرے، وہاں کی سڑکیں استعمال کرے اور حفاظت کے ساتھ اس کے مختلف حصوں میں گشت لگائے۔ فرض یہ کیا جاتا تھا کہ اس ٹکس کا بار تاجر ہی پر پڑتا ہے حالانکہ در اصل وہ اپنے مال کے خریداروں سے بذریعۂ قیمت اس ٹکس کی کسر نکال لیتا تھا۔ انگلستان میں بھی بہت قدیم زمانے سے راہداریوں یا بندرگاہی محصولات کا وجود پایا جاتا ہے۔ درآمد و برآمد دونوں قسم کے مال پر یہ محصول لگائے جاتے تھے اور سرکاری آمدنی کا بہت مستقل ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ ابتدا میں یہ محصول بہ شکل جنس ادا کیے جاتے تھے، مثلاً اگر شراب کے دس پیپے داخل ہو رہے ہوں تو اُن میں سے ایک بہ طور محصول کے دے دیا جاتا تھا۔ بعدازاں وہ باقاعدہ طور پر زر کی شکل میں ادا ہونے لگے۔

پارسیج ایک قسم کا محصول تھا جو شراب کی درآمد پر لگایا جاتا تھا اور شاہِ انگلستان رچرڈ اول کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ جان بھی اون، نمک اور مچھلی کی درآمد اور اون اور چمڑے کی برآمد پر مقررہ شرحوں سے محصول وصول کرتا تھا۔

تجارتی مال پر جو محاصل راہداری لیے جاتے تھے، وہ "قدیم کروڑگیری" کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔ اڈورڈ اول اور اڈورڈ ثالث کے زمانے میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے مذکورۂ بالا راہداریوں کے ساتھ چند اور ٹکس شامل کرنے پڑے۔ چنانچہ ۱۳۵۳ء کے قانونِ "اسٹیپل" کے مطابق اس قسم کی مندرجۂ ذیل مدوں سے مدامی طور پر شاہی آمدنی حاصل کی جا سکتی تھی۔

(۱) "قدیم کروڑگیری" کے محصول جو اون اور چمڑے پر لگائے جاتے تھے۔ (۲) جدید کروڑگیری کے محصول جو غیر ملکی تاجروں سے وصول کیے جاتے تھے۔ (۳) پارسیج جو شراب کی درآمد پر ملکی تجار سے لیا جاتا تھا یا "ٹنیج" جو باہر سے شراب بھیجنے والوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ (۴) "پونڈیج" جو [illegible] درآمد و برآمد پر لگایا جاتا تھا۔ ۱۳۲۹ء میں

۶۲۶۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔ ۱۶۴۱ء میں ان محاصل کا تخمینہ ۳۰ ہزار پونڈ تک کیا گیا۔ جیمس اول کی تخت نشینی کے وقت ان کی مقدار ایک لاکھ ستائیس ہزار پونڈ تھی۔ ۱۶۶۵ء تک دو پانچ لاکھ پونڈ تک بڑھ گئی اور ۱۶۸۹ء میں تو وہ ایک ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔ ۱۶۷۱ء میں پہلی مرتبہ ایک مجلس کمشنران کا تقرر عمل میں آیا تاکہ محاصل کروڑگیری کا انتظام کرے۔

جب طریق تجارت کا دور دورہ ہوا تو اس کے زیر اثر محصولات درآمد بڑھا دیے گئے اور ملکی مصنوعات کی برآمد کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ مقصد دراصل یہ تھا کہ "توازن تجارت" ملک کے موافق ہو یعنی ملکی مصنوعات بیرونی مقامات میں خوب جا کر بکیں اور وہاں سے اس کے معاوضے میں چاندی، سونا لدکر ملک کے اندر پہنچتا جائے۔ اس طریقے نے رفتہ رفتہ ایک خاص مسلک کی شکل اختیار کرلی؛ یعنی ملکی پیداوار کو محفوظ رکھنے اور اس کی پرورش کرنے کے لیے محصولات درآمد سے کام لیا جائے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف ممالک کے درمیان انتقام کے جذبات بھڑک اٹھے اور آپس میں مالی جنگ وجدال برپا ہوگئی۔ اس کی وجہ سے تامین کے طریقے کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور یہ خیال زور پکڑتا گیا کہ حب الوطنی کا تقاضہ یہ ہے کہ طریق تامین کی حمایت کی جائے۔ محصولات کروڑگیری اب محض ایک ذریعۂ آمدنی نہیں رہے بلکہ ممالک غیر کی تجارت پر حملہ کرنے کا آلہ خیال کیے جانے لگے۔ غرض ۱۸۴۶ء تک انگلستان میں یہ اصول بہت زیادہ غالب رہا لیکن اس سال قوانین غلہ کی تنسیخ عمل میں آئی جو نتیجہ تھی اس ہل چل کا جو ایک زمانے سے تجارت آزاد کی حمایت میں جاری تھی۔ اسی اثنا میں محاصل کروڑگیری کا انتظام کرنے اور چوری کو روکنے کے لیے جس وسیع پیمانے پر انتظامات کیے گئے تھے، ان کی وجہ سے ان محاصل کی خالص آمدنی بہت کچھ گھٹ گئی تھی۔ محصول کروڑگیری کا اصلی نصب العین اب لوگوں کی نظروں سے غائب ہوچکا تھا اور اس کی جگہ یہ غلط خیال دماغوں میں جاگزیں ہوگیا تھا کہ حب الوطنی کے لیے "بیرونی تجارت کو ضرب لگانا" "ملکی صنعت کی اعانت کرنا" اور بیرونی حریفوں سے انتقام لینا نہایت ضروری ہے۔ ۱۷۸۴ء میں پٹ نے کروڑگیری اور چنگی کے پیچیدہ نظام کی

اصلاح شروع کی۔ وہ چاہتا تھا کہ ان ٹکسوں کو وصول کرنے کے طریقے نہایت سادہ ہوں اور خود ٹکسوں کی مقدار میں تخفیف ہو۔ لیکن اسی اثنا میں جو فرانس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی تو یہ محصول دوبارہ عائد کیے گئے اور ان میں خوب اضافہ کیا گیا۔ تمام قابلِ استعمال چیزوں — خام پیداوار، اجناس، مصنوعات پر اعلیٰ شرح سے سود عائد کیے گئے۔ حتیٰ کہ اختتام جنگ کے وقت تقریباً بارہ سو مختلف چیزوں پر ٹکس لگائے جاتے تھے جن میں سے اکثر تعداد ایسی چیزوں کی تھی جن سے کوئی آمدنی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں محصولاتِ درآمد سے ۸۳۴۴۱۸ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۱۵ء میں جب صلح ہوئی تو محصولِ آمدنی منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن صرف اشیاء پر جو محصول لگائے جاتے تھے وہ برقرار رکھے گئے۔ اور بیرونی غلّے پر محصول لگا کر اصولِ تاین کو از سرِ نو تسلیم کیا گیا۔ یہ محصول کچھ اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ جب تک ملکی پیداوار کی قیمتیں فی کوارٹر ۸۰ شلنگ تک نہ پہنچ جائیں، اس وقت تک بیرونی غلہ برطانیہ عظمیٰ میں داخل نہ ہو سکے۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں لندن کے تاجروں کی طرف سے آزاد تجارت کی حمایت میں ایک محضر پیش کیا گیا اور یہی پہلا زینہ تھا جہاں سے اصلاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ سنہ ۱۸۲۳ء اور سنہ ۱۸۲۷ء کے درمیان بورڈ آف ٹریڈ کے صدر نشین ہسکسن نے بہت سے محصول کم کر دیے۔ قانونِ کورن گیری میں سادگی پیدا کی اور غلّے کے محصول میں ردّ و بدل کر کے قیمت کی حد کو ۷۳ شلنگ تک گھٹا دیا۔ لیکن اسی اثنا میں ایک مالی بحران نمودار ہوا جو افراطِ تخمین کا نتیجہ تھا۔ اس کی بدولت اس تحریک میں رکاوٹ پیدا ہو گئی اور مالی اصلاح کا کام چند سال کے لیے ملتوی ہو گیا۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں سر رابرٹ پیل نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا۔ اس وقت ان محصولات کی فہرست میں ۱۱۵۰ چیزیں شامل تھیں جن کی اکثر تعداد غیر پیداآور تھی حتیٰ کہ بعض محصولوں سے بوجہ ان کی امتناعی نوعیت کے مطلق کوئی آمدنی نہیں ملتی تھی۔ پیل نے نہایت اصرار کے ساتھ اس نصب العین پر [illegible] طریقوں میں سادگی پیدا کی جائے اور ٹکس وصول کرنے کے مصارف میں خفیف ہو۔ اس نے امتناعی محصول قطعاً موقوف کر دیے۔ پیداوارِ خام اور ناتکمل مصنوعات کے

محصولوں میں زبردست تخفیف کردی اور مصنوعات کے محصول بھی نسبتہً گھٹا دیے۔ ان اصلاحات کے دوران میں آمدنی میں جو کمی واقع ہوتی تھی، اس کی تکمیل کے لیے اس نے محصول آمدنی جاری کر دیا۔

اگرچہ پیل نے زراعت کو ایک اہم قومی صنعت خیال کر کے غلّے کے محصول کو برقرار رکھا تاہم اس نے جو مسلک اختیار کیا تھا، اس کا رجحان بدیہی اور مستقل طور پر آزاد تجارت کی طرف تھا چنانچہ جب ۱۸۴۵ء میں آئرستان میں قحط واقع ہوا تو اس نے مکمل طور پر تجارتِ آزاد کے اصول پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ ۱۸۴۶ء میں غلّے کے قانون منسوخ کر دیے گئے، بجز ایک محصول رجسٹریشن کے جو غلّے پر لگایا جاتا تھا اور جو ۱۸۶۹ء تک برقرار رہا۔ قوانین جہازرانی کی تنسیخ بھی منظور کی گئی اور ۱۸۴۹ء میں اس پر عملدرآمد شروع کر دیا گیا۔

بعد ازاں مسٹر گلیڈسٹون نے اصلاحِ ٹکس کا کام جاری رکھا اور اپنے دورِ حکومت میں آزاد تجارت کے اصول کو مکمل طور پر قائم کر دیا۔ اس نے بہت سے تکلیف دہ محصولاتِ چنگی بھی موقوف کر دیے جن میں وہ محصول بھی شامل تھے جو تعمیر کے مال و سامان (۱۸۵۰ء) اور صابون (۱۸۵۳ء) پر لگائے جاتے تھے۔ اشتہارات پر جو خاص محصول لگائے جاتے تھے، وہ ۱۸۵۰ء میں اخبارات کے محصول ۱۸۵۵ء میں اور کاغذ کا محصول ۱۸۶۱ء میں موقوف کیے گئے۔ مکھن اور پنیر کو ۱۸۶۰ء میں نجات حاصل ہوئی، چائے کا محصول ۱۸۶۵ء میں ایک شلنگ سے گھٹ کر ۶ پنس ہو گیا۔ اور ۱۸۶۲ء میں Hops بھی اجرائی محصول سے آزاد کر دیے گئے۔ ۱۸۷۴ء میں شکر کا محصول منسوخ کر دیا گیا اور ۱۸۸۰ء میں Malt کا محصول بیر کے محصول کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔

غرض بحیثیت مجموعی انیسویں صدی کے مالی قوانین کا خاص نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ کے لیے برطانیہ میں محصولاتِ درآمد و برآمد کی غایت محض حصولِ آمدنی قرار پائی۔ ۸۲ چنانچہ اب کروڑگیری کے جس قدر محصول موجود ہیں، وہ سب غیر تامینی ہیں اور مختلف قسم کی صرف تقریباً ایک درجن چیزوں پر لگائے جاتے ہیں جو زیادہ تر تعیشات میں شامل ہوتی ہیں۔ ٹکس وصول کرنے میں اصولِ کفایت کا لحاظ

رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پیدا آور ثابت ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء میں کروڑگیری سے جو آمدنی حاصل ہوئی ہے، اگر ہم اس کے اعداد پر نظر ڈالیں تو ان نتائج کا بہ آسانی پتہ چل سکتا ہے۔ سب سے زیادہ آمدنی (۱۸۲۸۹۶۰۳ پونڈ) تمباکو سے حاصل ہوئی ہے۔ شراب، روح شراب اور بیئر سے ۵۵۹۰۱۴۷ پونڈ، چائے سے ۶۵۰۷۷۹۲ پونڈ، شکر سے ۳۲۷۸۵۴۴ پونڈ، کافی، کوکو، کشمش، منقیٰ، انجیر وغیرہ سے ۱۰۷۵۵۹۸ پونڈ، چند اور مدوں سے ۴۳۰۰۰ پونڈ۔ اس طرح جملہ ۳۵۶۶۸۸۹۰ پونڈ آمدنی کروڑگیری سے حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ محصول معمولی استعمال کی چیزوں پر، جو اکثر و بیشتر ضروریاتِ زندگی سے بالاتر ہوتی ہیں، لگائے جاتے ہیں، لہٰذا اُن سے ایک مستقل آمدنی کی توقع کی جا سکتی ہے کیونکہ اگر کسی ایک مد سے آمدنی کم ہو جاتی ہے تو بالعموم دوسری مدوں سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے، تاہم مجموعی آمدنی میں معمولی قسم کی کمی بیشی ضرور ہوتی ہے اور اس کے بھی وہی اسباب ہوتے ہیں جو قوم کی قوتِ خرید اور عام مرفہ الحالی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔

اس فہرست کی چند مدیں خاص طور پر قابل تشریح ہیں۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں ضروریاتِ جنگ کے زیر اثر چائے کا محصول ۴ پنس سے بڑھا کر ۶ پنس کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۴ء سے وہ فی پونڈ ۸ پنس تک بڑھا دیا گیا۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں وہ فی پونڈ ۵ پنس تھا۔ شکر کا محصول جو ۱۸۷۴ء میں منسوخ کر دیا گیا تھا، سنہ ۱۹۰۱ء میں تدریجی اصول کے مطابق دوبارہ عائد کیا گیا اور اس کی شرح فی ہنڈرڈ ویٹ ۴۲ اور ۲۰ پنس کے درمیان کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ بہ حالتِ موجودہ (یعنی سنہ ۱۹۱۴ء میں) یہ حدود ۱۰/۱ اور ۲۲ پنس فی ہنڈرڈ ویٹ ہیں۔ اور یہ کمی بیشی درجۂ تقلیب کے مطابق ہوتی ہے۔ شکر خوراک کی ضروری چیزوں میں سے ہے اور جام، چٹنیاں، بیئر اور رجوتوں کی پالش کی تیاری میں بھی وہ بہ طور خام پیداوار کے کام آتی ہے۔ جہاں تک برطانیہ عظمیٰ کا تعلق ہے اس کا سالانہ اوسط خرچ فی کس ۹۰ پونڈ (۴۵ سیر) ہے۔ پس ظاہر ہے کہ شکر کا محصول ادا کرنے والوں کو حقیقی ایثار کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں محصول نمک کی حمایت میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، وہی انگلستان میں محصولِ شکر کے لیے لائے جا سکتے ہیں۔ آدم اسمتھ بھی محصولِ شکر کو مناسب خیال کرتا ہے، کیونکہ

۸۳

جو طبقے محصول آمدنی سے مستثنٰی ہیں، ان پر نہایت کامیابی کے ساتھ اس ٹکس کے ذریعے سے اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ ایک اور خوبی یہ ہے کہ وزن دار ہونے کی وجہ سے اس میں کسی کو چوری کی ترغیب نہیں ہو سکتی اور چونکہ وہ ایک عام استعمال کی چیز ہے، لہذا ادنٰی شرح لگانے پر بھی کثیر آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۷۴ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان چائے، کافی، کوکو، نیز شکر کے محصول موقوف کرنے کے لیے بہت شور مچایا گیا۔ کہا جاتا تھا کہ گویا یہ "ناشتے کی میز کو آزاد کرنے کی" تحریک ہے۔ اگر یہ سب بالواسطہ محصول منسوخ کر دیے جائیں تو ضروری ہوگا کہ محصولِ آمدنی میں توسیع کی جائے یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے جس کی بدولت آبادی کا کوئی طبقہ ادائی ٹکس سے بالکل مستثنٰی نہ رہ سکے، کیونکہ ٹکس کا یہ بنیادی قانون ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہے کہ حکومت کے اخراجات کو پورا کرنے میں رعایا کا ہر فرد ضرور کچھ نہ کچھ بار برداشت کرے۔[۱]

اگر ہم اس غرض سے مسکرات پر محصول لگاتے ہیں تو جو لوگ ان چیزوں کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں، وہ ادائی ٹکس سے بچ جاتے ہیں۔ تمباکو کے محصول سے تمباکو نہ پینے والے متاثر نہیں ہوتے۔ مزید برآں ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم تمام بالواسطہ ٹکسوں سے قطعاً دست بردار ہو جائیں، کیونکہ ابھی عوام کے اخلاق کا معیار اس قدر بلند نہیں ہوا ہے کہ ہر شخص مساوات کو ملحوظ رکھ کر براہ راست ٹکس ادا کرے۔

(۲) ۱۹۰۲ء میں غلے کی درآمد پر دوبارہ محصول عائد کیا گیا۔ گو یہ محصول

۸۴

[۱] اس استدلال میں یہ بات فرض کر لی جاتی ہے کہ تمام شکر پر مساوی طور پر محصول لگایا جاتا ہے۔ انعامات کا سوال، ور برسلز کے معاہدۂ شکر کے اثرات اس وقت زیرِ غور نہیں ہیں۔

[۲] پروفیسر جیونس اصرار کے ساتھ کہتا ہے کہ "جس قدر غور و خوض اور خستگی کے ساتھ میں مسئلہ ٹکس پر سمت پہلو سے نظر ڈالتا ہوں، اسی قدر میں اس اصول کا حامی بنتا جاتا ہوں کہ بجز ان لوگوں کے جو فی الحقیقت مفلس ہیں، ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ اپنی اپنی آمدنی کے تناسب سے سرکاری اخراجات میں شریک ہو۔" اصول معاشیات ایک جز، مطبوعہ ۱۹۰۵ء۔

ایک سال بعد منسوخ کر دیا گیا تاہم اس کو اختیار کرنا بدیہی طور پر تامین کی طرف قدم بڑھانا تھا اور محصولِ شکر کی طرح اس کی حمایت میں کوئی دلائل نہیں تھے۔ البتہ ایک دلیل جو اس کی تائید میں پیش کی گئی، یہ تھی کہ اس کی بدولت ٹیکس کی بنیاد وسیع ہوتی ہے۔" لیکن جس ٹیکس کا اثر روٹی پر پڑے ظاہر ہے کہ اس کا بار سب سے زیادہ غریب طبقوں پر پڑے گا کیونکہ روٹی ہی ایک ایسی چیز ہے جو سب سے زیادہ ارزاں، سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ تقویت بخش غذا ہے۔ مزید براں یہ بات بجائے خود معیوب ہے کہ جو چیزیں ملک کے اندر پیدا ہو سکتی ہوں باہر سے ان کی درآمد پر محصول لگایا جائے۔ کیونکہ ٹیکس تو صرف اس حصے پر ملے گا جو باہر سے آتا ہے۔ لہذا آمدنی کی مقدار بہت تھوڑی ہوگی۔ بہ مقابل اس کے تمام غلے کی قیمتیں، قطع نظر اس سے کہ وہ ملک کا ہو یا بیرونِ ملک کا، بڑھ جائیں گی۔ خریدار تو کل غلے پر اعلیٰ قیمت ادا کریں گے لیکن ٹیکس محض اس حصے سے وصول ہوگا جو باہر سے آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن ٹیکسوں سے یہ نتیجہ برآمد ہو وہ قوم کے لیے بہ حیثیت مجموعی گراں ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کے ٹیکس ہمیشہ تامینی ہو جاتے ہیں۔ وہ خاص خاص صنعتوں کو بیرونی مسابقت سے محفوظ رکھتے اور صرف انھی لوگوں کے حق میں مفید ہوتے ہیں جو براہ راست ان صنعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے ان کا بار تمام قوم پر پڑتا ہے۔ مزید براں ان کی بدولت پیدائش کے جدید اور بہترین طریقے نہیں اختیار کیے جا سکتے کیونکہ ہمت بخش مسابقت کے لیے وہاں کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ بلکہ جو لوگ ملک کے اندر اس خاص چیز کو تیار کرتے ہیں انھیں گویا ایک طرح کا اجارہ دے دیا جاتا ہے۔ غرض درحقیقت وہ ایک ترکیب ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خاص خاص چیزوں کی قیمتیں ایک سطح مقررہ سے نیچے نہ آنے پائیں۔ اور جہاں تک آمدنی کا تعلق ہے وہ قطعی طور پر غیر موثر اور اصول کفایت کے سراسر منافی ہیں۔

یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ طریق تامین کے دلائل کی تفصیل کے ساتھ تنقید کی جائے۔ لیکن اس قدر اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ درآمدی چیزیں دراصل برآمدی چیزوں سے خریدی جاتی ہیں اور اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ

اشیا یا خدمات کی شکل میں ان کا مساوی معاوضہ نہ دیا جائے۔ ہر ملک کا اعلیٰ ترین مفاد اس بات میں مضمر ہے کہ اس کا اصل اور اس کی محنت بہتر سے بہتر طریقے پر استعمال ہوں یعنی اُن سے ایسی صنعتوں میں کام لیا جائے جو قدرتی حالات اور باشندوں کی مہارت کے لحاظ سے ملک کے لیے موزوں ترین ہوں۔ ان صنعتوں کی پیداوار کے معاوضے میں بیرونی ممالک سے وہ چیزیں خریدی جا سکتی ہیں جو خود ملک کے اندر اس قدر بہتر اور ارزاں نہیں تیار کی جا سکتیں۔ یہ ایک نہایت سادہ اور بدیہی اصول ہے کہ پیدائش کے طریقے جس قدر بہتر ہوں گے اُسی قدر اُن سے زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ آزاد تجارت اسی بدیہی اصول کا دراصل ایک عملی پہلو ہے۔ اور جس قدر کوئی قوم پیدائش کے بہترین طریقے اختیار کرکے زیادہ دولتمند بنتی جائے گی اسی قدر اس کے افراد میں حکومت کو ٹیکس ادا کرنے کی استطاعت بڑھتی جائے گی۔ مزید براں جو ٹیکس فی الواقع تامینی ہوگا وہ ساتھ ہی ساتھ آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتا کیونکہ یہ دونوں مقاصد ایک دوسرے کے سراسر منافی ہیں۔ جس حد تک وہ تامین عطا کرے گا اس حد تک وہ ذریعۂ آمدنی نہیں ہو سکتا اور جس حد تک وہ باعثِ آمدنی ہوگا اس حد تک وہ ملک کی صنعت کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

محصولات درآمد کا بار بالعموم انھی ممالک پر پڑتا ہے جو انھیں عائد کرتے ہیں۔ البتہ صرف ایک صورت ایسی ممکن ہے جس میں باہر سے مال روانہ کرنے والا کل کا کل محصول ادا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جبکہ اُس چیز کی فروخت کے لیے ملک درآمد کے سوا کوئی اور بازار ہی نہ ہو اور ملک برآمد کے لیے اُس چیز کا پیدا کرنا ناگزیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت شاذ و نادر ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ عام طور پر کسی ملک کی صنعتیں اس قدر محدود نہیں ہوتیں اور اس کے علاوہ فروشندوں کے سامنے چیزیں فروخت کرنے کے لیے تمام دنیا موجود ہے۔ اگر کسی خاص ملک میں اپنی پیداوار فروخت کرنا سود مند نہ ہو تو وہ اپنی جد و جہد اور اپنی اشیا کے لیے دوسری راہیں نکال لیں گے۔ اس طرح ان کی تجارت دوسرے ممالک کی جانب منتقل ہو جائے گی۔ مزید براں جب ایک ملک دوسرے ملک کے خلاف محصول لگاتا ہے تو بسا اوقات آخر الذکر ملک بھی انتقام لینے [illegible]

ہوتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے محصول وصول کرنے کی غرض سے کثیر مصارف برداشت کر کے لمبے چوڑے انتظام قائم کرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی خرابی، مضرت اور نقصان کے درپے ہو جاتے ہیں دونوں کی تجارت اور صنعت تباہ اور بدگمانی اور باہمی عداوت نمایاں ہو جاتی ہے۔[1]

86

محصولاتِ درآمد اور محصولات جنگی، دونوں صرفِ دولت ہی کے ٹکس ہیں۔ موجودہ زمانے میں سرکاری آمدنی کا کچھ حصہ حاصل کرنے کے وہ بہت ہی سہل ذرائع ہیں اور دراصل حصولِ آمدنی کے سوا کسی اور غرض سے انھیں استعمال کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ان محصولات کو مرتب کرنے میں احتیاط سے کام لینا ضروری ہے تاکہ ان میں توازن قائم رہے، ان کی آمدنی کافی ہو اور ان کو وصول کرنے میں بیجا مصارف لاحق نہ ہوں۔ علاوہ اس کے زندگی کی ابتدائی ضرورت پر وہ ہرگز نہ لگائے جائیں۔

اکثر ممالک میں محصولات درآمد و برآمد کی نمایت محض حصولِ آمدنی نہیں ہوتی بلکہ دراصل دیسی صنعتوں کی حفاظت پیشِ نظر ہوتی ہے۔ تاہم مختلف ملکتوں کے درمیان اس قسم کے موانعات اٹھا دیے جا رہے ہیں، اور اکثر ممالک میں روزافزوں وسیع رقبے مشترک ٹکسوں کے تحت لائے جا رہے ہیں۔ اس سے کچھ امید بندھتی ہے کہ

---

[1] چند سال پیشتر یوروپ میں تین مالی لڑائیاں واقع ہوئیں جن پر نظر ڈالنے سے انتقام کے نتائج کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے:-

(۱) فرانس اور اٹلی کے درمیان ۱۸۹۸ء سے ۱۸۹۰ء تک پہلے آٹھ سال کے عرصے میں فرانس کی تجارت اٹلی کے ساتھ ۹۹ ملین فرانک سے گھٹ کر ۴۰ ملین فرانک رہ گئی۔

(۲) جرمنی اور روس کے درمیان ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک اس دوران میں جرمنی کی تجارت روس کے ساتھ ۲۲ ملین مارک سے گھٹ کر ۸۷۴ ملین مارک رہ گئی۔

(۳) فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک فرانس کی تجارت سوئٹزرلینڈ کے ساتھ ۲۳۷ سے ۱۸۰ ملین فرانک تک گھٹ گئی۔

ان تمام صورتوں میں جونہی انتقام ترک کیا گیا، تجارت میں فوراً از سر نو جان پڑنے لگی۔

شاید اب لوگ تامینی محصولوں کے نقصانات کو محسوس کرنے لگے ہیں اور ممکن ہے کہ بالآخر یہ
مضرت رساں طریقے بالکل متروک ہو جائیں۔ ریاستہائے متحدہ میں کوئی ریاست اس بات کی
مجاز نہیں ہے کہ کسی دوسری ریاست کے خلاف تامینی محصول جاری کرے۔ ہر جدید رقبہ
جو اتحاد میں شامل ہوتا ہے مشترک محصول کے تحت لایا جاتا ہے۔ جرمنی نے بھی اپنی
زول ورین یعنی انجمن اتحاد درآمد و برآمد کو اس قدر وسیع کیا ہے کہ وہ حدود شہنشاہی کے
مساوی ہو جائے۔ آسٹریلیا کی جمہوری حکومت میں بھی مختلف نوآبادیات کے جداگانہ
محصولوں کو حذف کر کے ان کی جگہ ایک عام محصول مقرر کیا گیا ہے۔ دوسری مملکتوں مثلاً
فرانس، اٹلی نے بھی اپنے حدود کے اندر اس قسم کے موانعات کو اٹھا دیا ہے۔ ابھی کہ
تمام برطانوی شہنشاہی کے لیے ایک انجمن اتحاد درآمد و برآمد قائم کرنے کی تحریک
شروع ہوگئی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ برطانیہ عظمیٰ اور اس کی نوآبادیات کے
درمیان تجارت میں جس قدر موانعات ہیں، انھیں دور کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ
یہ ایک نہایت قابل تعریف مقصد ہے لیکن بعض طریقے جو اس مقصد کو پورا کرنے
کے لیے تجویز کیے گئے ہیں، اُن سے اندیشہ ہے کہ دوسرے ممالک کے ساتھ برطانیہ عظمیٰ کی
تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہوں اور اس طرح بجائے فائدے کے ملک کو نقصان اٹھانا پڑے۔
ان تمام تحریکات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ایک زمانہ (خواہ اب سے
کتنے ہی سال بعد ہو) ضرور ایسا آنے والا ہے جبکہ تجارتی اغراض کے لیے تمام دنیا ایک
معاشی خطہ بن جائے گی، جبکہ قومیں اشیا کی درآمد پر محض معاشی اغراض کے لیے ٹکس
لگائیں گی اور مروجہ مالی طریقوں سے جو نقصانات لاحق ہو رہے ہیں انھیں موقوف
کر دیں گی۔

محصولات برآمد بھی قدیم کرورگیری کا ہی ایک جز تھیں۔ آمدنی کی اغراض کے لیے
تجارتی کاروبار پر ٹکس لگانے کا جو طریق زمانۂ قدیم سے رائج تھا اسی کا ایک پہلو محصولات برآمد پر
مشتمل تھا۔ انگلستان میں یہ محصول پہلی مرتبہ اڈورڈ اول کے دور حکومت میں نمودار ہوئے۔
اون، کھالوں اور چمڑے کی برآمد پر کئی صدیوں تک یہ ٹکس لگائے جاتے رہے۔ بعد ازاں
اون اور کتان کی مصنوعات اور کچھ عرصے بعد غلہ اور کوئلہ بھی اس فہرست میں شامل
کر لیے گئے۔ اون کی برآمد پر محصول لگانے کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ پیداوار خام

ملک سے باہر نہ جانے پائے تاکہ اون کی صنعت ملک میں ترقی پا سکے جب انگلستان میں تاجرین کا طبقہ نمودار ہوا تو اس نے تجارت برآمد کی بہت زیادہ حمایت کی تی کہ جو لوگ اس تجارت میں حصہ لیتے تھے ان کی انعام واکرام سے بہت افزائی کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کا نصب العین یہ تھا کہ ملک کا مال کثیر سے کثیر مقدار میں بیرونی ممالک میں جا کر فروخت ہو تاکہ ان ممالک کی دولت کھنچ کھنچ کر بشکل زر خود ان کے ملک میں چلی آئے۔ ظاہر ہے کہ محصولات برآمد اس نصب العین کے سراسر منافی ہیں اور اسی بنا پر حامیان تجارت نے ان کو منسوخ کرنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن ان کی کوششیں چند اں کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ جب تک ۱۸۴۲ء میں پیل کی تجویز کردہ اصلاحات جاری نہیں ہوئیں محصولات برآمد حسب معمول برآمد جاری رہے۔ بلکہ کوئلے کی برآمد کا محصول تو ۱۸۴۵ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد برطانوی نظام ٹکس میں برآمد کے محصول پھر کبھی نظر نہیں آتے، البتہ ۱۹۰۱ء میں جنوبی افریقہ کی جنگ کے لیے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے کوئلے کی برآمد پر پھر ایک شلنگ فی ٹن محصول دوبارہ عائد کیا گیا۔ ۱۹۰۵-۰۶ء میں سرکار کو اس محصول سے بہت [illegible] پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ بالآخر یکم نومبر ۱۹۰۶ء کو یہ محصول منسوخ کر دیا گیا۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا بہت مشکل ہے کہ کوئلے کی برآمد پر محصول لگانے سے بار خر کس طبقے پر پڑتا ہے۔ کوئلے کے مالکوں پر، کان کنوں پر، جہازرانوں پر یا بیرونی خریداروں پر۔

فرض کرو کہ جس چیز کی برآمد پر محصول لگایا جا رہا ہے، وہ دوسرے ممالک سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے یا جس احتیاج کو پورا کرنے کے لیے وہ مطلوب ہے، وہ احتیاج متعدد دوسری چیزوں سے بھی رفع کی جا سکتی ہے۔ اب اگر ایسی چیز پر محصول برآمد لگا کر اس کو گراں کر دیا جائے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بیرونی خریدار کسی اور ملک سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ محصول لگانے والے ملک کی برآمد گھٹ جائے گی اور جو لوگ اس چیز کی تجارت کرنے والے ہوں گے، وہ اس بات پر مجبور ہوں گے کہ یا تو کاروبار میں تخفیف ہونے سے جو نقصان عائد ہوگا اُسے برداشت کریں یا قیمتوں میں تخفیف کر کے پورا محصول یا اس کا کچھ حصہ خود ادا کریں۔ دونوں صورتوں میں ملک ہی کے مختلف طبقوں پر جو اس صنعت سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھتے ہوں،

اس مسلک کا بڑا اثر پڑے گا، گو اندرون ملک قیمت میں تخفیف ہونے سے اہل ملک کی طلب میں کسی قدر ضرور اضافہ ہوگا۔ اگر ٹکس کی مقدار اس قدر قلیل ہو کہ بیرونی طلب پر اضافہ قیمت کا کوئی اثر نہ پڑے تو ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ٹکس کا بار بیرونی خریدار پر پڑے۔ مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کر لینی چاہیئے کہ بالعموم کسی چیز کی رسد کے ذرائع اس قدر محدود نہیں ہوتے۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ کسی ملک کی آب و ہوا کسی خاص چیز کی پیداوار کے لیے مخصوص ہو اور کوئی دوسرا ملک اُس چیز کو پیدا نہ کر سکتا ہو لیکن یہ صورت قدرتی اجارے کی ہے اور ایسی صورتیں دنیا میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر ہر چیز کی رسد کا بازار بہت وسیع ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات تمام دنیا اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مسابقت کے لیے اس قدر وسیع میدان کھلا ہوا ہو تو دوسرے ممالک اس چیز کو اپنے علاقوں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور کسی ملک کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ کسی عام استعمال کی چیز پر محصولِ برآمد لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام خریدار ممالک پر اس کا بار عائد کرے۔ اگر ایسی کسی تجویز پر عملدرآمد ممکن ہوتا تو کوئی اکیلا ملک اس حق کا اجارہ دار نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ عام طور پر ہر ملک میں یہی طرزِ عمل اختیار کر لیا جاتا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سراسر احمقانہ بات ہے۔ کوئی ملک دوسرے ممالک کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ خواہ مخواہ گراں قیمتوں پر اس کی چیزیں خرید کر اس کو ٹکس ادا کریں۔

۸۹ کسی چیز کی برآمد پر محصول لگا کر بیرونی خریداروں پر اس کا بار ڈالنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جبکہ ملکِ برآمد کو اس چیز کی پیدائش کا اجارہ حاصل ہو، چیز خود مایحتاج زندگی میں سے ہو، وہ لوگوں کو بہت زیادہ مطلوب ہو اور اس کا کوئی بدل میسر نہ ہو۔ ایسی صورت میں ملک کے اندر جس قدر لوگ اس چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، اگر وہ سب متفق ہو کر قیمت میں اتنا اضافہ کر دیں کہ اس سے ٹکس کی رقم وصول ہو جائے تو محصول کا بار تمام وکمال بیرونی خریداروں پر پڑے گا۔ لیکن اگر خود

فروشندوں کے درمیان مسابقت ہونے لگے یا اگر بیرونی خریدار اپنی طلب میں تخفیف کرسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا محصول یا اس کا کچھ حصہ درآمد پر آمد کو ادا کرنا پڑے گا۔

جہاں تک برطانیہ کے کوئلے کا تعلق ہے، یقین سے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی برآمد پر محصول لگانے سے کس طبقے کو بار اٹھانا پڑے گا۔ کیونکہ بیرونی ممالک میں اس کی طلب چند غیر معمولی حالات کے تابع ہے۔ خیال یہ ہے کہ انگلستان کو ایک طرح سے اس تجارت کا اجارہ حاصل ہے کیونکہ جو خاص اوصاف یہاں کے کوئلے میں پائے جاتے ہیں وہ کسی اور مقام کے کوئلے میں موجود نہیں ہوتے اور چونکہ وہ زیادہ تر بحری اغراض کے لیے مطلوب ہوتا ہے لہٰذا گمان غالب یہ ہے کہ ٹکس کا بار بیرونی خریداروں پر پڑے گا۔ اس قسم کے اجارے کی ایک عمدہ مثال حال تک ہندوستان میں پائی جاتی تھی۔ ایک طرف تو افیون کی پیدائش کے لیے ہندوستان کو خاص فوائد حاصل تھے اور دوسری طرف چین میں اس کی طلب کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ نہایت گراں قیمتوں پر بھی چین کے لوگ ہندوستان کی افیون خریدنے پر آمادہ تھے۔ چونکہ وہ حکومت کے زیر نگرانی پیدا کی جاتی تھی لہٰذا حکومت کو ایک ایسا اجارہ مل گیا جس سے کثیر آمدنی ہاتھ آنے لگی۔ چین ہی سب سے بڑا خریدار تھا اور اسی پر محصول کا پورا بار پڑتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں برطانوی حکومت نے اخلاقی اسباب کی بنا پر افیون کی تجارت کو بتدریج گھٹانے کا فیصلہ کیا اور یہ مسلک اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ ۱۹۱۵ء میں افیون کی برآمد قطعاً بند ہوگئی۔ پندرھویں صدی کے دوران میں برطانیہ کو اون کا اجارہ حاصل تھا۔ ملک فلینڈرس میں اس کی طلب بہت زیادہ تھی۔ لہٰذا برطانوی اون کی برآمد پر جس قدر محصول لگایا جاتا تھا اس کا بار فلینڈرس کے ان اشخاص پر پڑتا تھا جو برطانیہ سے اون منگواتے تھے لیکن یہ لوگ اون سے جو کپڑا تیار کرتے تھے اس کی اس زمانے میں زیادہ شہرت تھی، چنانچہ اُسے اعلیٰ قیمتوں پر فروخت کرکے وہ اُس ٹکس کی کسر نکال لیتے تھے جو انھیں پیداوارِ خام پر ادا کرنا پڑتا تھا۔ فارموسا کا کافور اور سیلون کی دارچینی یہ بھی ان اجاروں کی مثالیں ہیں جن سے بذریعہ محصول برآمد آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ برزیل میں کافی اور چلی میں

شورے کی برآمد پر محصول لگایا جاتا ہے۔ جن حالات میں یہ چیزیں پیدا کی جاتی ہیں، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے گمان غالب یہ ہے کہ اس محصول کا بار خریداروں ہی پر پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک معمولی پیداواروں اور مصنوعات کا تعلق ہے، ان پر محصول برآمد لگانے سے نتیجہ یہ ہوگا کہ قیمتیں بڑھ جائیں گی اور ملک کی تجارت برآمد تباہ ہو کر حریف ممالک کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا محصولِ آمدنی کا یہ طریقہ صرف چند صورتوں میں قابلِ عمل ہے اور یہ سب صورتیں وہی ہیں جن میں ملک درآمد کو اس تجارت کا اجارہ حاصل ہو۔

محصولاتِ جنگی ۔ یہ بھی ایک قسم کے بالواسطہ ٹکس ہیں جو ملکی پیداواروں پر لگائے جاتے ہیں طویل پارلیمنٹ کے دوران میں ہالینڈ کی تقلید کر کے انگلستان کے مالی انتظام میں انھیں شامل کیا گیا۔ انگریزی اصطلاح اکسائز (Excise) کے لفظی معنی کسی چیز کا ایک جزو کاٹ لینے کے ہیں جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سرکار گویا اپنا حصہ علیحدہ کر لیتی ہے۔ استعمالِ جدید کے مطابق اس اصطلاح کا اطلاق ان تمام ٹکسوں پر ہوتا ہے جو ملک کے اندر پیدا کی جانے والی اشیا پر لگائے جاتے ہیں، برخلاف محصولات کروڑگیری کے جو باہر سے آنے والی اشیا پر سرحدی مقامات پر وصول کیے جاتے ہیں۔ ۱۶۴۳ء میں خانہ جنگی کے واسطے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے محصولِ جنگی اختیار کیا گیا۔ پہلے تو وہ بیئر، سائڈر، پیری، ان شرابوں پر لگایا گیا لیکن بعد ازاں دوسری اشیاء خوراک، غذا اور پوشاک پر بھی عائد کیا گیا۔ عود شاہی کے بعد بھی یہ ٹکس نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ متعدد قسم کی دوسری چیزوں پر عائد کیا گیا۔

سر رابرٹ والپول نے اپنی مشہور و معروف ۱۷۳۳ء والی "تجویزِ جنگی" میں محصولاتِ جنگی کے علاوہ اور بھی متعدد ٹکس شامل کیے تھے۔ وہ اس بات کے لیے کوشاں تھا کہ محصولاتِ جنگی اور کروڑگیری، دونوں کو از سرِ نو ترتیب دے، انتظامات میں سادگی اور نظم پیدا کر کے کفایت کے اصول پر کام چلائے، دھوکے اور چوری میں رکاوٹیں پیدا کرے اور اشیاء درآمد کو محفوظ رکھنے کے لیے گودام مہیا کر کے تجارت کے راستے سے مشکلات کو دور کرے اور ہر طرح سے اس میں سہولتیں بہم پہنچائے۔ کفایت اس اسکیم کا نصب العین تھا اور آزاد تجارت اور کھلے بندرگاہوں کی جانب اس کا رجحان تھا۔ مگر سیاسی مخالفت اور

۹۱

غلط بیانی کی وجہ سے اس کی مجوزہ اصلاحات کو شکست ہوئی اور اصلاحِ مالیات کی مزید کوششیں اس وقت تک ملتوی رہیں جب تک کہ پٹ نے اپنی مالی تجاویز جاری نہ کردیں۔

محصولِ چنگی جو کسی زمانے میں قسم قسم کی پیداوار اور طرح طرح کی مصنوعات پر لگایا جاتا تھا، اب بلا شرکت غیرے محض منشیات پر عائد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کبھی کسی ایسی چیز پر محصول کروڑگیری لگایا جاتا ہے جو خود ملک کے اندر پیدا کی جا سکتی ہو تو ایسی صورت میں ملکی اور بیرونی پیداوار میں مساوات قائم رکھنے کی غرض سے ملکی پیداوار سے بھی اسی کے ہم قدر محصولِ چنگی وصول کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں روح شراب اور بیر شراب کے محصولاتِ چنگی سے ۳۳۱۶۲۲۷۴۷ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

چنگی یا محاصل اندرونی کے ساتھ چند اور مدوں کی آمدنی بھی شامل کرلی جاتی ہے، مثلاً محصول ریلوے (۴۸۸۴۳۶۸ پونڈ) اور لیسنس کی آمدنی۔ لیسنس دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو کتوں، گاڑیوں، بندوقوں، شکار، مرد ملازمین اور زرہ بکتر کے امتیازی نشانات کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں اور (۲) دوسرے وہ جن کے ذریعے سے بعض خاص پیشوں میں کام کرنے کی اجازت حاصل کی جاتی ہے، مثلاً شراب سازی، شراب اور تمباکو فروشی، مال ہراج کرنا، پیتریں رہن۔ کھنا، سونے اور چاندی کی تختیاں فروخت کرنا، پھیری لگا کے چیزیں بیچنا وغیرہ وغیرہ۔ ۱۹۱۴ء میں لیسنس سے مجموعی طور پر ۵۳۷۱۱۶۸ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ بجز ایک قلیل حصے کے جو شاہی خزانے میں داخل کیا گیا یہ سب آمدنی مقامی حکومتوں کے حوالے کردی گئی، تاکہ انھیں اپنے کاروبار کی انجام وہی میں مدد مل سکے۔

جہاں تک چنگی کے عام اثرات کا تعلق ہے، وہ بھی محصولِ کروڑگیری کی طرح ایک بالواسطہ ٹکس ہے، جس کا بار تمام و کمال خریداروں پر پڑتا ہے۔ لیکن اس کے کچھ ضمنی اثرات بھی ہوتے ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ٹکس اس بنا پر نہیں منسوخ کیے گئے کہ اداکنندوں پر ان کا بار بہت گراں ہے بلکہ اس لیے کہ صنعت و حرفت پر ان کا برا اثر پڑنے کا قرینہ ہے۔ محصولِ چنگی وصول کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چیز تیار ہونے کے دوران میں ٹکس لگا دیا جائے یا جس خام پیداوار سے چیز بنائی جاتی ہے اس پر ٹکس لگایا جائے یا کسی عاملِ پیدائش سے وہ وصول کرلیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں پیدا کرنے والے پر مزید اخراجات لاحق ہوتے ہیں،

۹۲

اس کے مصارفِ پیدائش میں اضافہ ہوجاتا ہے جسے وہ بذریعہ قیمت وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ معاشیین نے اسی بنا پر یہ قانون بنادیا ہے کہ ٹکس صرف مکمل مصنوعات پر لگایا جائے نہ کہ پیداوار خام پر۔ جہاں تک ممکن ہو پیدائش پر ٹکس کا کم اثر پڑے۔ اس کی بدولت نہ تو صنعت تباہ ہو اور نہ کوئی خاص طبقہ اس کا بار برداشت کرے۔ جب کبھی ٹکس لگانے کے لیے دو چیزوں میں انتخاب کرنا ہو تو جو چیز صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے زیادہ ضروری ہو، وہ ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دی جائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ٹکس لگانے سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہے۔ ایسی صورت میں اگر بالواسطہ ٹکس صرف چند چیزوں تک محدود رہیں تو انھیں وصول کرنے میں جو مصارف لاحق ہوتے ہیں وہ کم ہوجاتے ہیں۔ ساتھ ہی منتخب شدہ چیزوں کی تعداد کافی ہو، وہ اس قسم کی ہوں کہ ملک کا کوئی طبقہ ان کے اثر سے نہ بچ سکے اور بالخصوص جو لوگ بلاواسطہ ٹکس نہیں ادا کرتے ان پر ضرور کچھ نہ کچھ اس کا اثر پڑے۔ اب رہا یہ سوال کہ کون کون سی چیزیں ٹکس لگانے کے لیے موزوں ہیں، سو اس کا کوئی ایک قطعی جواب نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ملک کے مختلف حالات اور اہلِ ملک کے عادات و خصائل کو پیشِ نظر رکھ کر یہ چیزیں منتخب کی جاتی ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں چائے، کافی، شراب[1] اور تمباکو نہایت موزوں چیزیں ہیں۔ لیکن ہندوستان میں محصول نمک ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت عوام الناس کی کثیر تعداد پر کچھ بار ڈالا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قاعدے کے مطابق ضروریاتِ زندگی ادائی ٹکس سے مستثنیٰ رکھی جائیں اور بالواسطہ ٹکسوں کا بار صرف تعیشات پر پڑے۔ لیکن اس رائے پر عملدرآمد ہمیشہ اور ہر حالت میں ممکن نہیں ہے جب ملک کی تین چوتھائی آبادی تعیشات کا

---

[1] اس ٹکس کا بہت زیادہ بار صرف انھی اشخاص پر پڑتا ہے جو تمباکو نوشی اور شراب نوشی میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اول تو یہ چیزیں تعیشات میں داخل ہیں اور پھر ان کا استعمال بالکل اختیاری ہے۔ لہذا یہ ایک ایسا ٹکس ہے جس سے گو آمدنی حاصل ہوتی ہے تاہم معاشی نقطۂ نظر سے کسی پر اس کا بار نہیں پڑتا۔

استعمال ہی نہیں کرتی، وہاں ضروریات زندگی پر ہاتھ ڈالے بغیر عوام سے کیونکر ٹکس وصول کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان مخصوص حالات میں ضروریات پر ٹکس لگانے سے ادا کنندوں پر کچھ زیادہ بار نہیں پڑتا۔

کسی خاص ٹکس کو لے کر اس پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ اس کی پیداآوری کی ایک نہ ایک حد ضرور ہوگی۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ اگر ٹکس کی مقدار میں یکساں اضافہ کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس چیز کا استعمال کم کر دیں گے اور اس طرح ٹکس کی مجموعی آمدنی میں تخفیف واقع ہوگی۔ لہٰذا حکومت کے لیے یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ کثیر سے کثیر آمدنی حاصل کرنے کے لیے کس حد تک ٹکس لگانا چاہیے۔ ماہرانِ مالیات مدت کے تجربے کے بعد اس قابل ہوتے ہیں کہ قبل از قبل یہ پتہ لگا سکیں کہ اگر کسی چیز کے محصول میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا جائے تو اس سے کیا نتائج برآمد ہونے کا قرینہ ہے۔ مزید برآں یہ نتائج خود بھی ہمیشہ ایک سے نہیں ہوتے بلکہ طلب کی تغیر پذیری کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتے جاتے ہیں۔ ان کا بہت زیادہ انحصار باشندوں کی مرفہ الحالی اور ان کے عادات و خصائل پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ خود تجارتی حالات بھی مختلف اسباب کے زیر اثر بدلتے رہتے ہیں۔

ٹکس کی ایک اور قسم محصول بہ حساب قیمت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ ٹکس چیز کی قیمت کے تناسب سے لگایا جاتا ہے۔ ٹکس کا یہ طریق اس میں شک نہیں کہ بہت ہی مناسب ہے لیکن اس پر عملدرآمد کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جہاں تک برطانیہ عظمیٰ کا تعلق ہے ٹکس کا یہ طریق قطعاً اختیار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً انگلستان میں قسم قسم کی چائے درآمد ہوتی ہے لیکن ہر قسم پر ایک ہی شرح سے ٹکس لگایا جاتا ہے اگر محصول بہ حساب قیمت اختیار کیا جاتا تو چائے کی قسموں کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت بدلتی جاتی اور تغیر قیمت کے ساتھ شرح ٹکس میں بھی کمی بیشی ہوتی۔ معترضین کا دعویٰ یہ ہے کہ ایک ہی شرح سے ٹکس لگانے میں ادنیٰ قسم کی چیزوں پر زیادہ بار پڑتا ہے اور چونکہ اس قسم کی چیزیں زیادہ تر غریب طبقے کے لوگ استعمال کرتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ ایک طرح سے ناانصافی ہوتی ہے۔ چنانچہ محصولِ چائے کے خلاف بھی ان کا یہی الزام ہے۔ لیکن بہ حساب قیمت

93

محصول لگانے میں جو عملی مشکلات پیش آتی ہیں، وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کم از کم جائے پر
اس طریق کا اطلاق نہ مبنی بر انصاف ہو سکتا ہے اور نہ باعث کفایت۔ اس قسم کی
کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مصارف بڑھ جائیں گے، ادا کنندوں کو حیلہ جوئی کی ترغیب ہوگی
اور لوگ ادنیٰ قسم کی چائے استعمال کرنے لگیں گے۔ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ کسی ایک
ٹکس کے ذریعے سے ہم قانون مساوات کی پابندی نہیں کر سکتے اور جہاں تک
برطانوی نظام کا تعلق ہے اس قسم کی جس قدر انفرادی خامیاں اس میں موجود ہیں،
بہ حیثیت مجموعی ان سب کی ایک دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے مثلاً جو لوگ چائے پر
نسبتہً زیادہ ٹکس ادا کرتے ہیں، وہ بلا واسطہ محصولوں کی ادائی سے قطعاً بچ جاتے ہیں۔
البتہ بعض صورتیں ایسی ضرور موجود ہیں جن میں قریب قریب قیمت کے تناسب سے
ٹکس وصول کیا جا سکتا ہے مثلاً شراب کی قوت کے لحاظ سے اس کے مختلف ۵۴
مدارج قائم کیے جاتے ہیں اور شراب کی قوت کا اندازہ کرنا نہایت آسان ہے۔
اسی طرح شکر پر اس کی شیرینی کی مقدار کے مطابق ٹکس لگایا جاتا ہے۔

نقل دولت پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ در اصل افعال یا اعمال پر
عائد کیے جاتے ہیں۔ کاروبار اور مبادلے کی آزادی میں ان کی وجہ سے مداخلت ہوتی ہے
اور اس لحاظ سے وہ جد و جہد اور ترقی میں مانع ہوتے ہیں۔ بعض حالات میں وہ خاص
خدمات کا معاوضہ تصور کیے جا سکتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر وہ اصل کی نقل و حرکت کے
ٹکس شمار ہوتے ہیں اور ان کا بار ایک محدود دگر بہت متعدد اور پیدا آور طبقے پر
پڑتا ہے۔ ان کی اس بنا پر حمایت کی جاتی ہے کہ ادا کنندوں کو ان کا احساس
نہیں ہوتا بلکہ زیادہ تر تخمینی منافع پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ مزید برآں وہ اس قدر
گراں نہیں ہوتے کہ ان کی بدولت تجارت میں کوئی قابل لحاظ مداخلت ہو سکے۔
ایک طرف تو ان کا وصول کرنا آسان ہے اور ان کی آمدنی ایسی نہیں ہے کہ لوگوں کو
اپنی طرف متوجہ کرلے اور دوسری طرف ان کا بار صرف خوش حال طبقوں کی
مجتمع دولت پر پڑتا ہے۔ اس طرح گو وہ نظام ٹکس کا کوئی بہت بڑا اور اہم حصہ
شمار نہ ہوں، تاہم اگر ان کی مقدار معتدل ہو تو ایک نظام مرکب کے تحت
مساوات حاصل کرنے میں ان سے بہت کچھ مدد لی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ

دولت کی نقل و حرکت میں یہ ٹکس ضرور مانع ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے دولت کی کارکردگی میں ان کی بدولت ضرور مداخلت واقع ہوتی ہے حتیٰ کہ شغل اصل کی صورتوں پر بھی ان کا اثر پڑنا ممکن ہے۔ اب رہا ان ٹکسوں کا تعدیہ سو اس کا انحصار حالات حاضرہ پر ہوتا ہے۔ کبھی خریدار اس کا مورد ہوتا ہے اور کبھی فروشندہ اور بعض اوقات دونوں اس میں شریک ہوتے ہیں۔

محصولات اسٹامپ ٹکس کا کوئی خاص شعبہ نہیں ہیں۔ بلکہ رجسٹری کے ذریعے مختلف قسم کی آمدنی حاصل کرنے کا وہ ایک طریقہ ہیں۔ وہ ان دستاویزات اور تمسکات پر عائد کیے جاتے ہیں جو بعض خاص کارروائیوں کو قانونی جامہ پہنانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے ٹکس بعض اوقات اپنے آپ وصول ہو جاتے ہیں، بعض اوقات وہ کسی دفتر سرکاری میں جمع ہوتے ہیں۔ ٹکس حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی کام قانون کی نظر میں اس وقت تک قابل لحاظ نہیں ہوتا جب تک کہ کسی اسٹامپ کے کاغذ پر اس کام کے واقع ہونے کا حال درج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ٹکسوں میں مالیت کے لحاظ سے مدارج قائم کرنا نہایت آسان ہے۔ محصول اسٹامپ مختلف قسم کے کاموں پر عائد کیے جاتے ہیں، مثلاً فروخت املاک، وراثت جائداد، دستاویزات ہبہ، پٹے، تصفیے، جان کے بیمے، مختلف قسم کے معاہدے، راضی نامے، فروخت تمسکات و حصص وغیرہ۔ خاص خاص پیشوں، مثلاً وکالت، ساہوکاری، نقل و حمل وغیرہ میں کام کرنے کے لیے جو لیسنس حاصل کیے جاتے ہیں، ان پر بھی محصول اسٹامپ ادا ہوتے ہیں۔ ان ابتدائی مصارف کا ایک تو یہ اثر پڑتا ہے کہ ان پیشوں میں داخل ہونے والے اشخاص کی تعداد محدود ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جو لوگ ان پیشوں کی خدمات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، انھیں نسبتہً زیادہ معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اس ٹکس کا اثر بھی بالآخر خریداروں ہی پر پڑتا ہے۔

۸۵

محصول اسٹامپ ۱۶۹۴ء میں ہالینڈ سے نقل کیے گئے۔ اٹھارھویں صدی کے دوران میں اور بالخصوص اس زمانے میں جبکہ فرانس سے جنگ چھڑی ہوئی تھی، ان میں بہت زیادہ توسیع کی گئی۔ ۱۸۱۵ء کے بعد کچھ تغیر و تبدل کر کے انھیں

یکجا کیا گیا۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں مسٹر گلیڈسٹون نے ان پر نظر ثانی کرکے ان کے طریقوں میں اصلاح کی اور ایک پنی اسٹامپ والی رسید کا طریق اختیار کیا۔ سنہ ۱۸۷۰ء کے قانون اسٹامپ کے ذریعے اس طریقے کی پیچیدگیوں کو رفع کرنے اور اسے سادہ بنانے کی دوبارہ کوشش کی گئی اور اس کا ایک جداگانہ ضابطہ بنا دیا گیا۔ مختلف محصولات اسٹامپ سے اب سالانہ دس ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے اور جن جن کاروبار پر ان محصولوں کا اثر پڑتا ہے ان کی ایک بہت چوڑی فہرست ہے۔ یہ کاروبار چار عنوانوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں: (۱) ہنڈیاں اور پرامیسری نوٹ۔ (۲) رسائد، چک اور بنکوں کے رقعے۔ (۳) کاروبار متعلق املاک، مثلاً فروخت، رقمی تصفیے، پٹے اور رقمی ضمانتیں۔ (۴) دولت سے متعلق دیگر تمسکات اور دستاویزات۔

بعض اوقات اسٹامپ اس لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ ان کی بدولت بعض چیزوں پر ٹکس لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً پیٹنٹ دواؤں اور آتشبازی پر جو محصول لگائے جاتے ہیں وہ اسی کی مثالیں ہیں۔ ان کا بار بھی بالآخر خریداروں پر ہی پڑتا ہے۔ چیز کی طلب میں ان کی بدولت رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس صنعت کے لیے اصل کم مقدار میں دستیاب ہونے لگتا ہے۔ رسائد پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، ان کا تعدیہ غالباً رقم پانے والے پر ہوتا ہے جو بہ وقت ادائی آسانی کے ساتھ ٹکس کا بار اٹھا سکتا ہے۔ مزید براں ٹکس خود اس قدر خفیف ہوتا ہے کہ اس کو محسوس کرنا ممکن نہیں۔

جائداد غیر منقولہ (زمین اور مکانات) کی فروخت پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، ان کے خلاف یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ اس شعبۂ دولت کے آزادانہ مبادلے میں ان کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین سے فائدہ اٹھانے اور اس کو زیادہ سے زیادہ پیداآور بنانے کی قابلیت ہر شخص میں مساوی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں میں یہ قابلیت بدرجۂ اتم موجود ہو اگر زمین ان کے ہاتھوں میں رہے تو نہ صرف اس خاص قطعۂ زمین کی ترقی یقینی ہوگی بلکہ بہ حیثیت مجموعی کل قوم کے لیے بھی یہی مناسب ترین صورت ہوگی۔ مگر ٹکس بر فروخت جائداد غیر منقولہ اس ترقی میں بہت کچھ مانع ہوتے ہیں۔ ان کے اثر سے زمین ایسے اشخاص کے قبضے میں بہ آسانی

نہیں جا سکتی جو اس کو ترقی دینے کی زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ مِل کا یہ مقولہ تھا کہ یہ ٹکس گویا ایک قسم کا جرمانہ ہے جو فروشندوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ بالعموم لوگ ضروریات سے مجبور ہو کر اپنی جائداد علیحدہ کر دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ٹکس کا نقصان برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ٹکس بہ انتقال جائداد کا تعدیہ بلا شک و شبہ فروشندہ اور خریدار کی وقتی ضرورت کے لحاظ سے طے پاتا ہے۔ قانونِ طلب باہمی کے مطابق چیز کی قیمت معین ہوتی ہے اور اشتہار اور وسعت بازار کا بھی اس پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ اگر خریدار سے ٹکس وصول کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ پہلی سی قیمت دینے پر آمادہ نہ ہوگا بلکہ اس کو نسبتہً کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا گمان غالب یہ ہے کہ معمولی حالات میں ٹکس کا بار خریدار اور فروشندہ، دونوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا ٹکس ہے جو مجتمعہ دولت پر لگایا جاتا ہے، جو خرید و فروخت کی سہولتوں میں مانع ہوتا ہے اور اس وجہ سے کاروبار کی مقداروں میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے۔ زمین زراعت کے لیے بجائے خام پیداوار کے ہے اور دوسری تمام صنعتوں کے لیے بھی وہ قطعاً ناگزیر ہے۔ لہٰذا جس طرح دوسرے تمام خام پیداواروں پر ٹکس لگانا نامناسب ہے اسی طرح زمین سے کام لینے پر ٹکس لگانا بھی چنداں پسندیدہ نہیں۔ رجسٹری اور قانونی اخراجات کے لیے جو بہ وقت فروخت لاحق ہوتے ہیں، فیس وصول کرنا ضروری ہے۔ نہ صرف اہلِ معاملہ بلکہ کل قوم کے لیے رجسٹری کا طریق نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ اس خدمت کا جو معاوضہ وصول کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت ٹکس نہیں ہے بلکہ انتقال جائداد پر جو محصولِ اسٹامپ ادا کیے جاتے ہیں، ان کی مقدار اس معاوضۂ خدمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

محصولات اسٹامپ ۱۹۱۴ء

دستاویزات و دیگر تمسکات	۹۰۰۹ ۱۴ پونڈ
دستاویزات ۔ جرمانے	۳ ۵ ۴ ۵ پونڈ
دست گرداں تمسکات	۲ ۲ ۸ ۵ ۰ ۰ ۱ پونڈ

کمپنیوں کے سرمائے کا محصول	۹۸۰۰۴۷ پونڈ
معاہدوں کے نوٹ (ایک پنی سے اوپر)	۳۱۱۸۰۴ پونڈ
قرضے کے سرمائے کا محصول	۲۱۲۱۸ پونڈ
بیرونی سارٹیفکٹ	۲۸۹۲۸ پونڈ
حصص کے چالان	۱۵۰۱۶۰ پونڈ
ہنڈیاں	۱۰۳۵۸۰۶ پونڈ
انگلستان، آئرستان اور دیہات کے بنکوں کے نوٹ اور ہنڈیوں کے محصولات کے معاوضے	۱۲۴۴۳۲ پونڈ
لیسنس اور سرٹیفکٹ	۱۷۵۱۵۴ پونڈ
جان کے بیمے	۱۱۱۲۱۸ پونڈ
بحری بیمے	۱۸۹۶۳۷ پونڈ
رسائد، رقعے اور دوسرے ایک پنی کے اسٹامپ	۲۰۱۶۸۳۰ پونڈ
	۹۹۸۳۳۶۳ پونڈ

محصول ریلوے:۔ یہ ٹکس آمدورفت اور نقل وحمل پر لگایا جاتا ہے۔ برطانیہ عظمیٰ میں فی میل ایک پنی یا اس سے کم کرایوں پر ٹکس نہیں لیا جاتا، اس سے زیادہ مقدار کے کرایوں پر دو شرحوں کے مطابق ٹکس وصول کیا جاتا ہے:۔ایک ۲ فی صدی، دوسرے ۵ فی صدی۔ اول الذکر شرح شہری آمدورفت کے لیے اور آخر الذکر دیہاتی آمدورفت کے لیے مخصوص ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اس ٹکس سے کل ۲۸۸۴۳۶۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ یہ محصول ایک خاص ٹکس ہے جو صرف ایک قسم کے خانگی اصل پر عائد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ریلوے کمپنیاں بھی مثل دوسری صنعتوں کے محصول آمدنی اور مقامی شرحیں، دونوں ادا کرتی ہیں۔ درحقیقت یہ ٹکس اُس قدیم محصول کی ایک نشانی ہے جو بہ شرح ۵ فی صدی گھوڑے کی گاڑیوں پر لگایا جاتا تھا۔ فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اس ٹکس کا بار ایک ایسے طبقے پر پڑتا ہے جو

۹۸

کل آمد و رفت اور نقل وحمل کا اجارہ دار ہے اور اسی بنا پر وہ مبنی بر انصاف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کی تردید خود اسی کے اندر مضمر ہے۔ ادنیٰ درجے کے کرایوں کو ادائی ٹکس سے خاص طور پر اس لیے مستثنیٰ کیا جاتا ہے کہ غریب مسافر اس سے مستفید ہو سکیں کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ٹکس کا بار غریب مسافروں پر پڑے گا۔ غرض اس ٹکس کا تعدیہ ہر حالت میں یکساں نہیں رہتا اور اس کا ٹھیک پتہ لگانا قطعی ہے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اکثر حالات میں وہ معمولی حصہ داروں پر عائد ہوتا ہے۔

جہاں مختلف ریلوے کمپنیوں میں یا ریلوں اور دوسرے ذرائع آمدورفت (مثلاً سمندر، نہریں، ٹرمویے وغیرہ) کے درمیان باہمی مسابقت ہوتی ہے، وہاں یہ اجارہ ایک حد تک محدود ہو جاتا ہے کیونکہ کمپنی اس بات کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ آمدورفت میں اس کا حصہ کم نہ ہونے پائے۔ ایسی صورت میں اگر وہ محصول کا بار مسافروں پر ڈال دے تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آمدورفت کے دوسرے ذرائع اختیار نہ کرلیں۔ لیکن جب ریلوے کا کوئی حریف ہی نہ ہو اور کمپنی کو اپنی آمدورفت کا پورا یقین رہے تو ایسی صورت میں وہ شرح کرایہ کا پیمانہ بلند کر سکتی ہے اور اس طرح محصولِ ریلوے کا بار مسافروں پر منتقل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ کرایہ اس قدر زیادہ نہ ہو جائے کہ ریلوے کی خدمات کا افادہ مختتم اس سے گھٹ جائے اور لوگ سفر کرنے ہی سے باز رہنا پسند کریں۔ آمدورفت اور نقل وحمل پر محصول لگانے کا طریق ممالک یورپ میں بہت عام ہے۔ فرانس میں مال کی نقل وحمل اور مسافروں کی آمدورفت، دونوں پر محصول ریلوے لگایا جاتا ہے۔ لیکن فرانس کی ریلیں زیادہ تر سرکاری سرمائے سے چلتی ہیں اور سرکار ہی حصہ داروں کے اصل پر سود ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

نقل وحمل پر ٹکس لگانا اصولِ کفایت کے منافی ہے۔ دوسرے محصولوں کی طرح جو اشیا پر لگائے جاتے ہیں ان کا بھی یہی اثر ہے کہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، کاروبار میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور صرف کم ہو جاتا ہے۔ ان کی بدولت معاشی مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تجارت کے لیے ہر حالت میں

مضرت رساں ہے۔ برطانیہ میں ریلوے کی آمد و رفت پر جو محصول لگایا جاتا ہے وہ ایک نہایت
قدیم طریقے کی یادگار ہے۔ اس سے نہایت قلیل آمدنی حاصل ہوتی ہے اور وہ کسی علمی اصول کے
مطابق نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ریلوے کمپنیوں پر ایک طرح کا اقتدار قائم رکھنا حکومت
کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لیکن یہ مقصد دوسرے ذرائع سے بھی حاصل
ہو سکتا ہے۔ جہاں تک محصولات کا تعلق ہے ایک صنعتی اور تجارتی ملک میں
معاشی نقطۂ نظر سے وہ مناسب نہیں خیال کیے جا سکتے۔ کیونکہ وہ دولت کی قدرتی
تقسیم میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور تجارت کو اس کے قدرتی راستے سے ہٹا کر
ارزاں راستوں پر لگا دیتے ہیں۔ بالخصوص ایسے ملک میں تو وہ خاص طور پر ناموزوں
ہیں جو تجارت خارجہ کا مرکز بننے کی خواہش رکھے، یا جو جہازرانی کے کاروبار میں
مشغول ہونا چاہے کیونکہ ایسی صورت میں یہ آزادانہ نقل و حمل میں مانع یا ملکی
بندرگاہی اخراجات کی طرح نمایاں مصارف کا باعث ہوں، وہ ملک کے لیے
ضرر رساں اور کاروبار جہازرانی کے لیے مہلک ثابت ہوں گی۔

ڈاکخانہ۔ سرکاری آمدنی کا ایک عجیب ذریعہ ہے۔ ۱۹۱۴ء میں
اس کا حاصل (با استثنائے ٹیلیگراف) ۲۳۲۹۲۰۰۳ پونڈ تھا اور اس کے
اخراجات ۱۷۱۱۵۲۴۱ پونڈ تھے۔

محصول ڈاک، تار یا ٹیلیفون کی فیس، ان کی نوعیت بھی محصولِ نقل و حمل
کی سی ہے۔ ان کی شرحوں میں اضافہ کرنا بھی خلافِ مصلحت اور خلافِ کفایت ہے
کیونکہ ان کا رجحان بھی مراسلت کو روکنے اور کاروبار کو گھٹا دینے کی طرف ہے۔
برطانیہ میں ڈاکخانے کے محصول بہت قلیل ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کو
۳۶۲۷۱۱۶ پونڈ خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ محصولِ آمدنی کے
اس طریقے کے مخالف ہیں، ان کا یہ اعتراض ہے کہ اس کی بدولت مراسلت پر
ٹکس عائد ہوتا ہے اور یہ ایک بہت ہی ناگوار بات ہے۔ برخلاف اس کے
دوسرے لوگ اس طریقے کی اس لیے حمایت کرتے ہیں کہ وہ ایک نہایت
سیدھا سادا ذریعہ ہے جس کی مدد سے کثیر مقدار میں آمدنی حاصل کی جا سکتی
ہے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کاروبار پر اس کا کوئی قابلِ لحاظ اثر پڑتا ہے۔

اور نہ غریب طبقے اس سے ذرا بھی متاثر ہوں۔

ڈاکخانے کی خالص آمدنی کو بہ طور ایک محصول کے بیان کرنا چنداں مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس کی نوعیت دراصل [illegible] واقع کی سی ہے۔ ڈاکخانہ کی خدمت ایک طرح کا ادارہ ہے جس کا اہتمام خود حکومت کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سرکاری طور پر کاروبار چلانے کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ کاروبار سیدھے سادے اور ان کا دستور العمل غیر متغیر ہو۔ دوسرے ان میں نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو۔ تیسرے وہ ان کاروباروں میں سے ہوں جن کی کارگذاری انتظام واحد کی بدولت بڑھ جاتی ہے۔ جیسی خوبی کے ساتھ یہ تمام شرائط ڈاکخانے کی حالت میں پورے ہوتے ہیں شاید کسی اور سرکاری کاروبار میں اس طرح پورے نہ ہوتے ہوں۔ اس کا اصل مقدار میں کم ہوتا ہے اور زیادہ تر سرکاری عمارات اور ڈاکخانے کی گاڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جہاں تک تار برقی اور ٹیلیفون کا تعلق ہے تار، کھمبے اور آلات بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ڈاکخانے کا محض یہ کام نہیں ہے کہ خطوط، کاغذات، پارسل وغیرہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دے بلکہ مختلف اور کام بھی اس کے توسط سے بسہولت انجام پاتے ہیں مثلاً بندوقوں اور کتوں پر لیسنس وصول کرنا۔ سائیکل کے ٹکٹ فروخت کرنا۔ چھوٹی چھوٹی امانتوں کے لیے حکومتی بنک کا کام انجام دینا۔ قلیل مقدار کے روپوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ حکومت کے تمسکات فروخت کرنا وغیرہ۔ ان میں سے بعض خدمات زیادہ پیدا آور نہیں ہیں بلکہ بنک کے کاروبار میں تو حکومت کو صریح نقصان اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ جس شرح سے امانت داروں کو سود ادا کیا جاتا ہے، خود حکومت کو اس سے کمتر شرح پر سود ملتا ہے اور بالخصوص جب عملے کے اخراجات کا لحاظ کیا جائے تو نقصان بالکل بدیہی ہو جاتا ہے۔ ڈاکخانے کی خالص آمدنی کو اس کے متعدد کاروباروں میں سے کسی ایک کا نتیجہ قرار دینا کچھ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے، تاہم یہ تو یقینی ہے کہ اس آمدنی کا کثیر ترین حصہ اس کے اصلی کاروبار یعنی خطوط رسانی سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی غالباً شہری اضلاع کا حصہ بہت زیادہ ہے کیونکہ وہاں دیہاتی اضلاع کے مقابلے ڈاکخانے کے مصارف

بہت کم ہوتے ہیں۔ بہرحال ان تمام کاروبار سے بہ حیثیت مجموعی کافی مقدار میں خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ خطوط پہنچانے کا معاوضہ تو نہایت قلیل ہوتا ہے۔ لیکن قوم کو اس سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ بہت کثیر ہے محصول ڈاک میں مزید تخفیف کرنے سے عوام الناس کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بہت حقیر اور ناقابل لحاظ ہے۔ اگر باوجود اس کے کچھ بار پڑتا بھی ہے تو وہ اس قدر پھیل جاتا ہے کہ خاص طور پر کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بالکل اصولِ مساوات کے مطابق ہے اور مراسلت میں اس کی وجہ سے قطعی کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ اگر باوجود ان تمام خوبیوں کے ہم اس مد حاصل سے دست کشی کرلیں تو اس کی تکمیل کے لیے ہمیں مجبوراً دوسرے ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے۔ ۱۰۱

یکم جنوری ۱۹۰۹ء سے وظائف پیرانہ سالی کی تقسیم ڈاکخانے کے سپرد کی گئی۔ اور یکم جنوری ۱۹۱۲ء سے قومی ٹیلیفون کمپنی کا نظام بھی صدر ڈاکخانے کے ماتحت کردیا گیا۔ قانونِ بیمہ (۱۶ جولائی ۱۹۱۱ء) کی بدولت ان فرائض میں ایک اور اضافہ ہوا۔

تاربرقی اور ٹیلیفون، ان دونوں پر ابتدا میں ایک کثیر رقم صرف کی جاچکی ہے، لہٰذا وہ براہ راست آمدنی کے ذرائع نہیں خیال کیے جاسکتے لیکن قوم کے لیے وہ بے انتہا سہولت کا باعث ہیں۔ ان کی بدولت قوم کو نہ تو پہلی سی محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور نہ پہلے کی طرح وقت ضائع کرنا پڑتا ہے سال بھر کے کاروبار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۱۴ء میں تار برقی میں ۱۲۱۱۷۴۲ پونڈ کی کمی واقع ہوئی اور ٹیلیفون سے ۲۳۹۱۱۱ پونڈ کا نفع حاصل ہوا۔ ان مصارف کا مبنی بر انصاف ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ خدمات عوام الناس کے لیے بیحد مفید ہیں اور ان کے افادے کا تخمینہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

اب قومی آمدنی کی صرف چند چھوٹی مدوں کا ذکر کرنا باقی ہے جو ٹیکسوں میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو شاہی اراضی ہیں جن سے ۵ لاکھ تیس ہزار پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زمینیں سرکاری املاک میں شمار ہوتی ہیں اور خاص خاص اغراض کے لیے مخصوص رہتی ہیں۔ قرونِ ماضیہ میں شاہی آمدنی کا اکثر حصہ

انھی اراضی سے حاصل کیا جاتا تھا، لیکن اوپر بتایا جا چکا ہے کہ بعض بادشاہوں کی بیجا فیاضی اور نامعقول فضول خرچیوں کی وجہ سے اس ذریعۂ آمدنی میں تخفیف ہوگئی۔ لیکن اس کے عوض دوسرے وسائل مہیا کر لیے گئے اور یہ اُن سے بھی زیادہ پیدا آور ثابت ہوئے۔ ولیم ثالث کی تخت نشینی کے بعد سے اخراجات شاہی کی فراہمی کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا گیا، یعنی ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر اس کے خاندان کی پرورش کے لیے پارلیمنٹ کی جانب سے ایک رقم معین کردی جاتی ہے جو انگریزی اصطلاح میں سیول لسٹ (Civil List) کہلاتی ہے۔ ۱۷۶۰ئہ میں جب جارج ثالث تخت نشین ہوا تو شاہی اراضی سے جس قدر آمدنی حاصل ہوتی تھی، اس سے وہ دست بردار ہوگیا۔ اس کے معاوضے میں پارلیمنٹ نے جارج سوم کے لیے جو سیول لسٹ منظور کی اس میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد سے ان اراضی کا انتظام حکومت کے ایک جداگانہ سررشتے کے سپرد ہے جو سرکاری جنگلات اور مالگزاری کی نگرانی کرتا ہے۔

قومی آمدنی کی ایک اور دلچسپ مد نہر سویز کے حصے ہیں۔ ۱۸۷۵ئہ میں حکومت نے اس کام میں پانچ ملین پونڈ شریک کیے تھے۔ اب ان حصوں کی قیمت ۳۴۹۲۹۰۰۰ پونڈ ہوگئی ہے اور ۱۹۱۴-۱۳ئہ میں ان سے ۱۲۴۶۳۷۹ پونڈ منافع حاصل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ نی جیریا، یونان اور چند ماتحت ممالک کو برطانوی حکومت نے متفرق قرضے دیے تھے، جن سے ۱۹۱۴ئہ میں ۱۵۷۹۹۷۲ پونڈ حاصل ہوئے اس کے منجملہ ایک حصہ واپسی اصل کی بابت اور بقیہ سود کی بابت تھا۔

۱۹۱۴ئہ میں متفرق آمدنی کے زیر عنوان ۳۹۲۴۰۲۳ پونڈ حاصل ہوئے تھے۔ اس میں عدالتوں کی فیس حقوق ایجاد کی رجسٹری کا معاوضہ اور اسٹامپ شامل ہیں۔ منافع دارالضرب کی مقدار ۴۷۶۰۰۸ پونڈ تھی۔ انگلستان بنک سے ۱۸۷۰۴۶ پونڈ وصول ہوئے تھے جو زیادہ تر اعتباری نوٹوں کی اجرائی کے منافع سے حاصل کیے گئے تھے۔ بقیہ آمدنی نتیجہ ہے حکومت کے مختلف سررشتوں اور دیگر وسائل کا جن میں ۸۴۸ پونڈ

بابت (Conscience Money) اور دس ہزار پونڈ بابت آمدنی جزیرۂ مان شامل ہیں۔

تعدیۂ ٹکس — منتقلی

کس طرح کوئی ٹکس ادا کنندوں میں تقسیم ہوتا ہے اور اس کے کیا کیا مختلف اثرات ہوتے ہیں، تعدیۂ ٹکس کا مسئلہ انھی سوالات کی تشریح پر مشتمل ہے۔

تعدیہ ایک تو حقیقی ہوتا ہے اور دوسرے فوری۔ حقیقی تعدیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ٹکس کا بار بالآخر کس شخص پر پڑتا ہے، برخلاف فوری تعدیے کے جس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر کون شخص ٹکس ادا کر رہا ہے۔ اکثر ٹکس اس قسم کے ہوتے ہیں کہ بالفعل تو وہ کسی ایک شخص سے وصول کر لیے جاتے ہیں لیکن ان کا بار در اصل دوسروں پر منتقل ہو جاتا ہے۔ اور یہ انتقال کبھی تو بہت جلد ہو جاتا ہے اور کبھی وہ بتدریج واقع ہوتا ہے اور مختلف لوگوں کے مفاد اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اشیا اور اعمال پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان میں تو اس قسم کی نقل پذیری کم و بیش عام ہوتی ہے۔ ٹکس مختلف طریقوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ اور کسی ٹکس کے حقیقی تعدیے کا پتہ چلانا بسا اوقات سخت پریشانی اور حیرانی کا باعث ہوتا ہے[1] ثانوی مساوات کی

---

[1] کسی ٹکس کے تعدیے کا ٹھیک ٹھیک پتہ چلانا ایک نہایت دشوار کام ہے اور یہ دشواری نتیجہ ہے محض حالات کی پیچیدگی کا۔ اسی بنا پر ڈاکٹر کینن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ "تعدیہ" کا لفظ بالکل ترک کر دیا جائے اور ہم اپنی تمام کوشش صرف ٹکس کے "اثرات" کی تحقیق تک محدود رکھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اب رہا لفظ "تعدیہ" سو وہ قدیم سے مروج ہے اور ایک خاص مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مفید ہے۔

پابندی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان میں سے ایک یہ عدم تیقن کی حالت ہے بعض لوگ حیلہ جوئی کر کے ادائی ٹکس سے بچ جاتے ہیں مثلاً وہ اپنی آمدنی کی مقدار غلط بتاتے ہیں یا محصول درآمد سے بچنے کے لیے خفیہ طور پر مال نکال لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جدید ٹکس کے بارے سے بچنے کے لیے لوگ اس چیز کا استعمال ترک کر دیتے ہیں اور اس کا کوئی بدل دریافت کر لیتے ہیں یا پیدائش کے طریقوں میں اصلاح کر کے مصارف پیدائش میں تخفیف کرتے ہیں، یا اب تک جو قوت اور خام پیداوار ضائع ہوتی تھی اس کو کام میں لاکر فائدے کی صورت پیدا کرتے ہیں اور یہ فائدہ بسا اوقات مقدار ٹکس سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ دراصل انتقال ٹکس کی مثال نہیں ہے بلکہ معاشی ترقی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ ۱۰۴

معاشیات میں "انتقال ٹکس" سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص جو بہ ظاہر ٹکس ادا کرتا ہے، وہ دراصل اس کا بار کسی دوسرے شخص پر منتقل کر دے مثلاً محصول درآمد بہ ظاہر اس شخص سے وصول کیا جاتا ہے، جو باہر سے مال منگواتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اضافۂ قیمت کے ذریعے سے یہ ٹکس بہ آسانی خریداروں پر منتقل کر دیا جاتا ہے یہی حال محصول چنگی کا ہے۔ بہ ظاہر تو شراب بنانے والا اس ٹکس کو ادا کرتا ہے لیکن درحقیقت اس کا بار شراب استعمال کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات محض معاشی اسباب کے اثر سے بھی ٹکس کم و بیش منتقل ہو جاتے ہیں۔ کچھ بار تو چیز بنانے والوں پر عائد ہوتا ہے اور بقیہ تاجروں یا خریداروں پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات خریداروں سے ٹکس سے بھی زیادہ مقدار وصول کر لی جاتی ہے، کیونکہ چیز بنانے والے ادائی ٹکس میں جو رقم پیشگی دے دیتے ہیں، اس پر وہ مثل اپنے دوسرے اصل کے ایک شرح معینہ سے سود وصول کرتے ہیں۔

متعدد ٹکسوں کے متعلق تو یہ اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ ان کا بار کس کس پر منتقل ہوگا۔ مثلاً محصولات کروڑگیری اور چنگی، دونوں کے متعلق یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خاص ان اشیا کے استعمال کرنے والوں پر عائد ہوں گے تاہم ٹکس وصول کرنے کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر مال درآمد منگوانے والوں یا چیز پیدا کرنے والوں پر

یہ محصول لگائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات انتقالِ ٹکس کا پہلے سے اندازہ کرنا ناممکن ہوتا ہے۔
کبھی تو وہ توقع سے زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم اور کبھی ایسے اشخاص کے مفاد براہِ راست
متاثر ہوتے ہیں جن پر کسی قسم کا اثر ڈالنا مقصود ہی نہ تھا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ
اکثر ٹکسوں کی خامی ان کے بالواسطہ اثرات میں مضمر ہے، کیونکہ اکثر غیر متعلق لوگ
ان کی سختی کا شکار ہو جاتے ہیں، یا پیدائشِ دولت پر ان کا مضر اثر پڑتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے تو اسی تناسب سے اس کی معمولی
قیمت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ٹکس کی شرح کچھ اس طرح معین ہوتی ہے کہ
جو لوگ چیز کی تھوڑی تھوڑی مقداریں خریدتے ہیں، انھیں نسبتہً زیادہ ٹکس ادا کرنا
پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں صناع یا تاجر تو اس قدر قیمت ضرور وصول کریں گے جس سے ادائی ٹکس
کے بعد اُسے منافع حاصل ہو۔ اس طرح خریدار تو ٹکس سے زیادہ مقدار ادا کرتے ہیں
لیکن خزانۂ سرکاری میں صرف ٹکس کی مقدار داخل ہوتی ہے۔ وہ جو مزید رقم بچ رہتی
ہے وہ تاجروں یا درمیانی لوگوں کو بطور منافع کے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ
تمباکو پر ایک مزید ٹکس بحساب ۶ پنس فی پونڈ عائد کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے
قیمت میں فی اونس نصف پنی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب جو لوگ وقتِ واحد میں
تمباکو ۲ اونس سے کم مقداریں خریدیں گے ان پر ٹکس کا بار بحساب ۸ پنس فی پونڈ
عائد ہوگا۔ یا ممکن ہے کہ کسی مزید ٹکس کے اثر سے چیز کی طلب میں تخفیف واقع ہو،
ایسی صورت میں چیز بنانے والا یا اس کو فروخت کرنے والا نقصان اٹھانے پر مجبور
ہوگا، یا تو اُسے اپنا کاروبار گھٹانا پڑے گا، یا ٹکس کا کچھ حصہ خود ادا کرنا پڑے گا۔
سب سے زیادہ سیدھی سادی صورت تو یہ ہے کہ جب چیز پر محصول لگایا جاتا ہے،
وہ اولاً اس کے بنانے والے یا اس کو باہر سے منگوانے والے سے وصول کیا
جاتا ہے، لیکن بالآخر وہ لازمی طور پر خریدار پر منتقل کر دیا جاتا ہے لیکن ہر صورت میں
ٹھیک طور پر یقین کے ساتھ یہ پتہ چلانا کہ ٹکس کا بار کن اشخاص پر پڑتا ہے ناممکن ہے۔
تعدیۂ ٹکس کا مسئلہ نہایت ہی پیچیدہ ہے اور اس کا قطعی طور پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔
جو کچھ تجزیہ کیا بھی جاتا ہے وہ اس طرح کہ ہر قسم کے ٹکس کی جداگانہ تحقیق کی جاتی ہے۔
اور گو دراصل ہم مکمل صداقت پر نہیں بلکہ صرف اس کے قریب قریب پہنچتے ہیں، تاہم

یہ ممکن ہے کہ حالاتِ حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر ہر قسم کے متعلق ایک ایسا مجرد اصول بنا لیا جائے جس سے ہر ایک کے رجحان کا پتہ چل سکے۔

ہر نئے ٹکس کا ایک فوری اثر ہوتا ہے اور ایک آخری۔ فوری اثر کی وجہ سے سابقہ حالات میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ اور ایک جدید صورتِ حال مستقل طور پر رونما ہونے لگتی ہے۔ اس جدید حالت کی نوعیت اور اس کے مستقل طور پر قائم ہونے کے لیے جو وقت درکار ہوتا ہے، ان دونوں کا مدار مسابقت کی آزادی اور وسعت اور طلب ورسد کی تغیر پذیری پر ہوتا ہے۔ ٹکس کے بعض نظریے محض آخری نتائج کو اہمیت دیتے اور فوری اثرات کو قطعاً نظرانداز کر دیتے ہیں، لیکن یہ طرزِ عمل کسی طرح مناسب نہیں خیال کیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ آخری نتائج ہی زیادہ اہم ہوتے ہیں لیکن ٹکس تو ان نتائج کے برآمد ہونے سے بہت پہلے ادا کر دیے جاتے ہیں اور اس ادائی ٹکس کے کچھ فوری اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب تک جدید حالت مستقل طور پر قائم ہو، ان اثرات کا عملدرآمد مضر ثابت ہو۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ "ٹکس جہاں ایک مرتبہ عائد ہوتے ہیں، ہمیشہ وہیں جمے رہنے کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے" یعنی دوسروں پر انھیں منتقل کرنے کے لیے کچھ مدت درکار ہوتی ہے کیونکہ معاشی قوتوں کے اثرات بسا اوقات بہت دیر میں نمودار ہوتے ہیں۔ ۱۰۶

ٹکس کے فوری اور آخری اثرات ایک دوسرے سے اکثر بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تو ٹکس اداکنندہ سے تاجر پر اور تاجر سے خریدار پر منتقل ہوتا ہے، اس قسم کی نقل پذیری اصطلاح میں (Forward Shifting) کہلاتی ہے۔ بعض اوقات ٹکس کا اثر کسی گزشتہ عامل پیدائش یا کسی ذیلی صنعت پر عائد ہوتا ہے اور یہ صورت اصطلاحاً (Backward Shifting) کہلاتی ہے۔ اگر ٹکس کا یہ اثر ہو کہ اس کی بدولت عاملینِ پیدائش و تقسیم دولت کے باہمی تعلقات حسب سابق باقی نہ رہیں بلکہ ان کی جدید ترتیب قائم ہو تو یہ انتشار ٹکس کی صورت کہلاتی ہے۔ انھی مختلف حالات کے مشاہدے سے ٹکس کا ایک جدید نظریہ جو "نظریۂ انتشار"

کہلاتا ہے، رونما ہوا۔ اس نظریے کے حامیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر ٹکس خواہ وہ کسی طرح عائد کیا گیا ہو، بالآخر کل سوسائٹی پر مساویانہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اس کا باعث وہ مسابقت ہے جو سوسائٹی کے مختلف افراد میں ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اسی کی بدولت حکومت کے تمام ٹکسوں کا بار قوم کے مختلف افراد پر منتشر ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس بار کو برداشت کرتا ہے۔

اس مسئلے کے حامی محض بالواسطہ محصولوں کو جو اشیا پر عائد کیے جاتے ہیں، پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اور خود ان محصولوں کا انتشار اور اس کے اثرات بیان کرنے میں بھی بہت کچھ مبالغے سے کام لیتے ہیں، لیکن ٹکس تو صرف بالواسطہ نہیں ہوتے بلکہ ہر نظامِ ٹکس میں بلاواسطہ محصولوں کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے، مثلاً محصولِ آمدنی، یا محصولِ جائداد جو مالکِ جائداد کے مرنے پر اس کے ورثا سے وصول کیا جاتا ہے، یا وہ محصول جو اعمال و افعال پر لگائے جاتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں ٹکس یا تو منتشر ہی نہیں ہوتا یا اگر ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ مزید براں اگر آخری اثرات ہمیشہ ایک سے ہوتے تو اس بات کی چنداں پروا نہ ہوتی کہ ابتدا میں کس پر ٹکس عائد کیا جاتا ہے مگر یہ بالتِ موجودہ اس قسم کی بےپروائی نہیں اختیار کی جا سکتی۔ جب کبھی کسی جدید ٹکس کی تجویز پیش ہوتی ہے تو بعض طبقے تو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور بعض آسانی کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتے ہیں۔ مخالفت تو ان طبقوں کی جانب سے ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جدید ٹکس سے انھیں خاص طور پر نقصان پہنچے گا۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو ٹکس کے اثر سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں، وہ اسے برداشت کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ محصولِ آمدنی جو دراصل ایک محدود جماعت سے وصول کیا جاتا ہے، اگر یہ صحیح ہے کہ وہ تمام قوم پر منتشر ہو جاتا ہے تو پھر زیادہ قرینِ عقل یہ طریقہ ہے کہ وہ تمام جماعتوں سے براہِ راست وصول کر لیا جائے۔ اس طرح وہ نقصان نہ ہونے پائے گا جو ٹکس کے منتقل ہونے میں لاحق ہوتا ہے اور مزید براں اس طرح براہِ راست مطالبہ کرنے سے ایک اخلاقی فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ جو لوگ درحقیقت ٹکس کا بار اٹھاتے ہیں انھیں اس بات کا احساس ہوگا کہ قومی اخراجات میں

۱۰۷

فضول خرچی اختیار کرنے سے کیا کیا اثرات رونما ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے محصول آمدنی کو عام طور پر اختیار کرنا ناراضی کا باعث ہوگا کیونکہ خیال یہ کیا جائے گا کہ مزدوروں کے حق میں وہ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ اور دراصل اس محصول کی مقبولیت کا خاص سبب ہے بھی یہی کہ اس کا بار قوم کی صرف ایک بہت محدود جماعت پر پڑتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ٹکسوں کا بار بہت زیادہ ہوتا ہے اور بعض کا کم اور اس بار کو حتی الامکان کم کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور اگر تمام ٹکس ہر جگہ مساوی طور پر منتقل ہوتے تو پھر نظامِ ٹکس میں مساوات قائم کرنے اور اس غرض سے نئے نئے قانون بنانے میں اب تک جو دماغی قابلیتیں صرف کی گئی ہیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ سب بیکار ضائع گئیں۔

کسی نظامِ ٹکس میں یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہر ٹکس ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ بعض ٹکس تو مطلق منتقل ہی نہیں ہوتے۔ بعض منقسم تو ہوتے ہیں لیکن کسی اصولِ مساوات کے مطابق نہیں۔ اب یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ ان کی نقل پذیری کا عملدرآمد کیونکر ہوتا ہے اور ان کے بالواسطہ اثرات کیا ہوتے ہیں۔ یہی دراصل مسئلہ تعدیہ کا مبحث بھی ہے۔ اس قسم کی تحقیقات کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی بدولت وہ نقصان رفع ہو جاتا ہے جو لاعلمی کی حالت میں پہنچ جاتا۔ ورنہ اگر بلا تحقیق و جستجو بہ عجلت کوئی ٹکس عائد کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ ناانصافی کا باعث ہو، اور اس کی بدولت چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو نقصان اٹھانا پڑے، بعض تو بالکل ناپید ہو جائیں اور بعض مردہ اور بیجان کیونکہ بسا اوقات نہایت قلیل فرق بھی معاشی موت وحیات پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے کافی ہوتا ہے لیکن ٹکس لگانے سے مقصد تو آمدنی حاصل کرنا ہے نہ کہ صنعت وحرفت کا گلہ گھونٹ دینا اور جو ٹکس صنعتوں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں وہ دونوں طرح سے اپنے نصب العین میں ناکام رہتے ہیں۔

تعدیہ ٹکس کے متعلق اس بات کا مطالعہ ضروری ہے کہ صرف اور طلب پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ جب کسی چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے تو عام طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قیمت میں شامل کر دیا جائے گا اور اس طرح بالآخر خریداروں سے وصول کر لیا جائے گا۔ گویا یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ قدم قدم پر مسابقت جاری ہے اور

اصل کی نقل پذیری میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ پہلے پہل تو ٹکس کی بدولت چیز بنانے والے یا فروشندے کا منافعہ گھٹ جاتا ہے لیکن بعدازاں وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے منافعہ کی معمولی شرح میں تخفیف نہ ہونے پائے۔ اس غرض سے وہ چیز کی قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس طرح سے ٹکس کا بار خریدار پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر عملدرآمد بالکل ایسا ہی ہے لیکن پھر بھی مسابقت بالکل مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں متعدد مشکلات مزاحم ہوتی ہیں۔ مزید براں طلب پر اضافہ قیمت کا اثر بھی ہمیشہ ایک سا نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز کی نوعیت کے ساتھ وہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

(۲) جس چیز پر ٹکس لگایا جائے اگر وہ ما یحتاج زندگی میں سے ہو یا جیثیت مجموعی اس کے اخراجات بہت ہی قلیل ہوں تو ایسی صورت میں چیز کے استعمال پر ٹکس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کی چیزوں کی طلب غیر تغیر پذیر ہوتی ہے۔ ان کی پیدائش اور فروخت حسب حال جاری رہتی ہے اور ٹکس کا بار اس چیز کے استعمال کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ استعمال کرنے والوں کی آمدنی کا نسبتہً زیادہ حصہ اس چیز کی خریداری میں صرف ہونے لگے گا، لہٰذا ان کی عام استطاعت خرید میں فرق آجائے گا دوسری چیزوں کے لیے ان کی طلب کم ہو جائے گی اور تخفیف طلب کی وجہ سے ان کی قیمتیں گھٹ جائیں گی۔ اس طرح ٹکس کا اثر ان اشخاص پر منتقل ہو جائے گا جو ان دوسرے اشیا کے بنانے والے ہوں گے۔ چنانچہ جب کبھی روٹی یا اور اشیائے خوراک کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں تو اس قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں، عام ازیں کہ اضافہ قیمت کا باعث کوئی ٹکس ہو یا غلّے کی قدرتی کمی۔ ضروریاتِ زندگی کی حسب معمول مقدار حاصل کرنے کے لیے بہت سے خاندان اس بات پر مجبور ہوں گے کہ دوسری کم ضروری اشیا کی خریداری میں تخفیف کر دیں۔ لہٰذا اس قسم کے ٹکس کا نتیجہ بہت دور دور تک منتشر ہو جائے گا۔ ایک طرف تو اشیائے خوراک کے خریدار دوسری چیزیں سابقہ مقداروں میں حاصل نہ کر سکیں گے اور دوسری طرف ان چیزوں کی طلب میں تخفیف واقع ہونے سے ان کے پیدا کرنے والوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

(ب) لیکن اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے اس کا کوئی بدل موجود ہو یا وہ ما یحتاج زندگی میں سے نہ ہو تو ایسی صورت میں اضافۂ قیمت کا یہ اثر ہوگا کہ چیز کی طلب گھٹ جائے گی، کاروبار میں تخفیف واقع ہوگی اور اس طرح ٹکس کا کچھ ۱۰۹ بار پیدا کرنے والوں پر منتقل ہو جائے گا۔ یہ لوگ یا تو پھر پرانی قیمتوں پر لوٹ آئیں گے اور اس طرح ٹکس کا بار خود اٹھائیں گے یا وہ اس بات کی کوشش کریں گے کہ بڑھی ہوئی قیمتیں برقرار رہیں۔ دونوں صورتوں میں وہ لوگ جو نامساعد حالات میں چیز تیار کر رہے تھے، اور جنھیں قلیل سے قلیل منافع مل رہا تھا، سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ میدانِ مسابقت سے وہ بالکل ناپید ہو جائیں اور اس طرح تخفیفِ استعمال کے ساتھ ساتھ پیدائش میں بھی کمی واقع ہو کر طلب و رسد کا توازن قائم ہو جائے۔ جو لوگ اس کشمکش کے بعد بچ رہیں گے، چونکہ ان کے کاروبار میں اضافہ ہو جائے گا، لہٰذا ممکن ہے کہ انھیں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ مزید براں پیدائش کے بالعموم بہت سے مدارج ہوتے ہیں۔ اور قبل اس کے کہ چیز استعمال میں آئے، اس کو متعدد درمیانی مدارج طے کرنا پڑتے ہیں۔ اور اگر کسی درجے پر مسابقت مکمل نہ ہو تو کمزور فریق کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیکن اگر کسی درمیانی شخص (مثلاً مال درآمد کرنے والا یا تاجر) کو اجارہ حاصل ہو جائے تو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا بار منتقل کر سکے گا۔ بعض چیزیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہیں۔ جب اس قسم کی کسی چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے تو اس کی طلب میں کمی واقع ہوتی ہے اور اس کے ساتھ والی دوسری چیزوں کی طلب اور اس وجہ سے ان کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، بہ الفاظ دیگر ٹکس کا بار اس شعبے کی تمام چیزوں پر منتشر ہو جاتا ہے۔

(ج) جس چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اس کی پیدائش یا تجارت کا اگر کسی شخص کو اجارہ حاصل ہو (جیسا کہ ٹرسٹ اور اتحادات کی صورت میں ہوتا ہے) اور وہ چیز ضروریات زندگی میں سے نہ ہو تو ایسی صورت میں ٹکس کے اثر سے فروشندے کا منافع گھٹ جائے گا، بشرطیکہ سابق میں جو قیمت وصول کی جا رہی تھی، وہی خریداروں کے حق میں انتہائی افادے کے مطابق ہو۔

ان حالات میں قیمت مسابقت کے اثر سے معین نہیں ہوتی بلکہ اجارہ دار اُسے معین کرتا ہے۔ اور اس کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ کثیر سے کثیر آمدنی حاصل ہو۔ لہٰذا اگر اس قیمت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تو طلب کا گھٹنا ناگزیر ہے اور اس طرح اجارہ دار کو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت منتخب کرنا پڑے گی یا تو اُسے ٹکسوں کا بار اٹھانا پڑے گا، یا کاروبار کی تخفیف سے جو نقصان لاحق ہوگا اُسے برداشت کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اجارہ دار خواہ مخواہ وہی صورت اختیار کرے گا جس کی بدولت اس کو کثیر سے کثیر خالص آمدنی حاصل ہو سکے۔ ایک صورت میں اجارہ دار خود ٹکس ادا کرتا ہے اور دوسری صورت میں وہ ان لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جو اعلیٰ قیمتوں کے باوجود اپنی خریداری جاری رکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اجارہ دار کو بھی تخفیف کاروبار کی وجہ سے کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے، وہ بہت زیادہ مطلوب ہو تو اجارہ دار اس توقع پر قیمت بڑھا سکتا ہے کہ خریدار شور و شغب مچا کر اس ٹکس کو منسوخ کرلیں گے۔ اگر ٹکس اجارہ دار کے خالص منافع پر لگایا جائے تو اس کی صورت بالکل اس ٹکس کی سی ہو جائے گی جو لگان پر عائد کیا جاتا ہے اور جو قطعاً منتقل نہیں ہو سکتا۔ ۱۱۰

بعض لوگوں کو نقل و حمل، پیدائش یا پیدائش کے کسی ضروری عامل پر کسی نہ کسی شکل میں اس قدر اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کی بدولت مسابقت کو خارج کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اجارہ دار قیمت بڑھا دے گا جس کا نقصان بہ حیثیت مجموعی قوم پر عائد ہوگا۔ لیکن اگر کوئی ملک کسی چیز کا تنہا پیدا کرنے والا ہے تو اس کے لازمی یہ معنی نہیں ہیں کہ اُسے قیمت اجارہ مل جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ خود پیدا کرنے والوں کے درمیان اپنی اپنی پیداوار باہر بھیجنے کے لیے مسابقت ہو یا دوسری چیزیں ایسی موجود ہوں جو اس کی جگہ استعمال کی جاسکیں۔ بہر حال ٹکس لگانے کے لیے یہ اجارے نہایت موزوں ہیں لیکن دقت یہ ہے کہ بسا اوقات قیمت اجارہ کی تشخیص ناممکن ہو جاتی ہے اور اجارے کے نتائج اور صحت بخش مسابقت کے اثرات میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ مسابقت کی عدم موجودگی میں یہ بات ناممکن ہے کہ قیمت مسابقت کا ٹھیک اندازہ لگایا جاسکے۔

پس معلوم ہوا کہ انتقال ٹکس کا مدار اس بات پر ہے کہ قیمت پر ٹکس کا کیا اثر پڑتا ہے، بہ الفاظ دیگر چیز کی طلب و رسد جو قیمت پر منحصر ہے، ٹکس سے کیونکر متاثر ہوتی ہے۔ اب اس قسم کے تغیرات اور کمی بیشیوں کی کثیر التعداد صورتیں ممکن ہیں۔ لیکن اصول جو درپیش ہے، وہ بالکل عام ہے اور اضافہ قیمت کی تمام صورتوں پر مساوی حیثیت سے اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اضافہ خواہ اشیا کی قیمتوں میں ہو یا اُجرتوں میں یا منافعوں میں، یہ اصول سب پر یکساں منطبق ہوتا ہے۔ اضافہ قیمت کے خاص اسباب کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ اب چونکہ ٹکس بھی منجملہ ان اسباب کے ایک سبب ہے، لہٰذا اس کا عملدرآمد بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ اضافۂ مصارف کے دوسرے اسباب کا۔

جہاں تک خالص مسئلۂ قدر کا تعلق ہے، یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ مسابقت بالکل مکمل ہے۔ لیکن دراصل نقل پذیری میں متعدد بندشیں اور کثیر التعداد موانعات موجود ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے کسی خاص ٹکس کے حقیقی بار کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے علاوہ بہت سی مخالف قوتوں کا عملدرآمد بھی جاری رہتا ہے، جس کی بدولت یہ مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجیئے کہ جس وقت روٹی پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اتفاق سے اس سال غلّے کی فصل نہایت کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ اب ایک طرف تو ٹکس کا یہ اثر ہونا چاہیئے کہ روٹی کی قیمت میں اضافہ ہو اور دوسری طرف فصل کی کامیابی کی بدولت اس میں تخفیف ہونی چاہیئے، لیکن ہوتا دراصل یہ ہے کہ ٹکس کا اثر نمودار ہوتا ہے اور نہ کامیابی فصل کا، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے اثر سے رُکے رہتے ہیں۔

کسی ٹکس کے عملدرآمد پر اس کے رقبے یا اس کی عمومیت کا بھی اثر پڑتا ہے۔ اگر چائے یا تمباکو کے محصول کی طرح ٹکس عام ہو تو اس کا اثر معمول کے مطابق ہوگا، یعنی اس کی بدولت چیز کی قیمت میں اضافہ ہوگا لیکن اگر ٹکس کا رقبہ نسبتہً چھوٹا ہو یا اگر وہ ایک قلیل جماعت پر عائد کیا جاتا ہو تو اس کا بار بے قاعدہ طریقے پر منقسم ہوگا، مثلاً اگر مقامی شرحیں ایک علاقے میں زیادہ اور اس کے قریب دوسرے

علاقے میں کم ہوں تو بہت ممکن ہے کہ اول الذکر علاقے کے کچھ لوگ آخر الذکر علاقے میں منتقل ہو جائیں۔ اس طرح ٹکس کا یہ اثر ہوگا کہ زیادہ ٹکس والے علاقے میں بعض اراضی کا لگان تو قطعاً بند ہو جائے گا اور بقیہ کے لگانوں میں تخفیف واقع ہوگی۔ اسی طرح کسی احتیاج کو پورا کرنے والی متعدد اشیا میں سے اگر صرف کسی ایک پر ٹکس لگایا جائے تو بھی یہی نتیجہ برآمد ہوگا، مثلاً کشمش، منقی اور انجیر یا چائے، کافی اور کوکو یا سوتی، اونی اور کتانی کپڑے۔ اسی طرح نقل و حمل کے متعدد ذرائع اور پیدائش کے مختلف طریقوں میں سے صرف کسی ایک پر ٹکس لگایا جائے تو بالکل یہی کیفیت نمودار ہوگی۔ ان تمام صورتوں میں ٹکس کا ایک جزو تو اس خاص چیز کے بنانے والے یا اس خاص طریقے کو اختیار کرنے والے پر پڑے گا۔ چونکہ اس طرح کی تمام چیزیں اور اس قسم کے تمام طریقے ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں لہٰذا جب کسی ایک کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے تو لوگ اسے چھوڑ کر اسی قسم کی دوسری چیزیں استعمال، اور اسی طرح کے دوسرے طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس خاص صنعت کو نامساعد حالات میں کام چلانا پڑتا ہے۔ لوگ اپنا اصل اس میں لگانا نہیں پسند کرتے بلکہ جو اصل پہلے سے لگا ہوا ہے اس میں بھی تخفیف ہونی شروع ہوتی ہے اور اس طرح کاروبار کی وسعت پہلے سے کم ہو جاتی اور رسد کی مقدار نسبتہً گھٹ جاتی ہے۔ تخفیف رسد کی وجہ سے قیمتیں پھر کچھ سنبھلنے لگتی ہیں اور بتدریج ایک جدید معیار قائم ہو جاتا ہے جس کے بعد ٹکس کا بار خریداروں پر پڑتا ہے۔ ان حالات میں تفصیلی طور پر درجہ بدرجہ تعدیہ کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ البتہ اس قدر ضرور کہا جا سکتا ہے کہ فوری تعدیہ تو زیادہ تر چیز کے بنانے یا فروخت کرنے والے پر پڑتا ہے اور آخری تعدیہ استعمال کرنے والوں پر عائد ہوتا ہے۔

جن صنعتوں کا اصل تخصیص یافتہ اور غیر نقل پذیر ہوتا ہے، ان کے حق میں جدید ٹکس کا اثر بسا اوقات تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ٹکس کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور طلب میں تخفیف واقع ہوتی ہے۔ اب جن صنعتوں میں اصل قائم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے، تخفیف طلب کی وجہ سے ان کا پورا اصل کام میں نہیں لگایا جا سکتا اور اگر لگایا جائے تو اس سے حسب سابق

112

منافع نہیں حاصل ہو سکتا۔ ایسی صورت میں کارخانہ داروں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ یا تو اپنے کاروبار میں تخفیف کر دیں اور اس طرح اپنی مشینوں کو بیکار پڑی پڑی ضائع ہونے دیں یا اگر اس میں زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ٹکس کا بار اٹھانے پر آمادہ ہو جائیں، یہاں تک کہ کچھ مدت بعد اس صنعت میں اصل کی مقدار خود بخود کم ہو جائے۔ اس واسطے کہ جوں جوں اصل قائم پرانا ہو کر بیکار ہوتا جائے گا، اس کی جگہ نیا اصل نہیں لگایا جائے گا بلکہ جو صنعتیں زیادہ نفع بخش نظر آئیں گی، انھی میں لوگ اپنا اصل لگاتے جائیں گے۔ اس تمام عملدرآمد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بتدریج اس صنعت میں طلب و رسد کا ایک نیا توازن قائم ہو جائے گا۔ تاہم عارضی طور پر نہ صرف اس صنعت کو بلکہ ان صنعتوں کو بھی جو اس کے لیے مشنری تیار کرتے ہیں، سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

انتقال ٹکس کی مختلف صورتوں کی جو کیفیت اوپر پیش کی گئی ہے، اس سے مندرجۂ ذیل رجحانات کا پتہ چلتا ہے:

(۱) جہاں تک خاص مایحتاج زندگی کا تعلق ہے، ان کی طلب غیر تغیر پذیر ہوتی ہے۔ لہٰذا جدید ٹکس قیمت میں شامل ہو جائے گا، اور خریدار پر اس کی ادائی کا بار پڑے گا۔ اس کے علاوہ اس کی عام قوت خرید میں تخفیف واقع ہونے سے بعض بالواسطہ نتائج بھی رونما ہوں گے۔ ۱۱۳

(۲) جہاں تک معمولی ضروریاتِ راحت کا تعلق ہے، ان کی طلب بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہے۔ قیمت کے ذرا چڑھ جانے سے بڑے بڑے اثرات پیدا ہوتے ہیں اور طلب میں بہت بھاری تخفیف واقع ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں گمانِ غالب یہ ہے کہ جدید ٹکس کا بار ابتداءً کارخانہ دار، تاجر اور خریدار میں منقسم ہو جائے گا۔ لیکن بالآخر جب طلب و رسد میں نیا توازن قائم ہو جائے گا تو ٹکس زیادہ تر خریدار ادا کریں گے۔ جس چیز کے متعدد بدل موجود ہوں یا جہاں ذیلی اور تفہیمی اشیا کا سوال در پیش ہو تو ایسی چیز پر ٹکس لگانے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی اور طلب کم ہو جاتی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے دوسری چیزوں کی طلب میں اضافہ اور قیمتوں میں بھی قدرے زیادتی ہو جاتی ہے۔

(۳) جہاں تک تعیش یا اجارے کا تعلق ہے، پہلے ہی سے چیز کی قیمت اعلیٰ ترین افادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اب اس پر ٹکسوں کا اور اضافہ کیا جائے تو لازمی طلب گھٹ جائے گی اور چیز بنانے والے یا اجارہ دار کو غالباً ٹکس ادا کرنا پڑے گا۔

(۴) اگر مصارفِ پیدائش ہر جگہ مساوی نہیں بلکہ مختلف ہوں تو جو کارخانہ دار پیدائش کی حد مختتم پر ہوں گے اور جو بلا منافعہ کام چلا رہے ہوں گے، انھیں ٹکس کی وجہ سے اپنا کاروبار ترک کرنا پڑے گا۔ اب جو بہتر کارخانہ دار بچ رہیں گے اگر وہ ٹکس ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو سابقہ طلب کو یہ تمام وکمال پورا کرسکیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کارخانوں کی تعداد تو گھٹ جائے گی لیکن ہر کارخانہ بہ نسبت سابق زیادہ پیداوار تیار کرے گا۔ ممکن ہے کہ اس طرح قانون تکثیر حاصل کا عملدرآمد جاری ہو کر اُس نقصان کی بتدریج تلافی ہو جاوے جو ٹکس کی بدولت لاحق ہوا تھا۔

(۵) اگر چیز کی قیمت کا مقابلہ کرتے ہوئے ٹکس کی مقدار بہت تھوڑی ہو تو ممکن ہے کہ قانون تساہل اس ٹکس کو خریدار پر منتقل ہونے سے روک دے۔ انتقال ٹکس کے دوران میں تجارت کو ممکن ہے کہ اس قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو کہ اس سے منافع میں کسی قدر تخفیف ہونا زیادہ گوارا ہو۔ قاعدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹکس جہاں ایک مرتبہ عائد ہوتے ہیں اکثر وہیں برقرار رہتے ہیں۔ ۱۱۴

(۶) اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے وہ دیرپا ہو اور اس سے متعدد مرتبہ کام لیا جا سکتا ہو (جیسے کہ مشنری کی حالت ہے) اور اگر ٹکس کی مقدار بھی قابلِ لحاظ ہو تو ایسی صورت میں طلب گھٹ جائے گی اور جو جو صنعتیں اس چیز کے بنانے سے متعلق ہوں گی، انھیں ضرر پہنچے گا جس ٹکس کا اثر اصلِ قائم پر پڑتا ہے اور اصل میں نقل پذیری کم ہوتی ہے وہ مشکل سے منتقل ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت دیر میں وہ اس وقت تک اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے جب تک کہ پُرانا اصل فرسودہ ہو کر بیکار ہو جائے اور اس طرح بتدریج اس صنعت کی وسعت خود بخود کم ہو جائے۔ اس کے بعد ٹکس کا بار خریدار پر پڑنے لگتا ہے۔

(۷) ٹکسوں میں بار بار تغیر و تبدل نہ ہونا چاہیئے۔ گو ابتدا میں ہر جدید ٹکس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ردّ و بدل واقع ہوتا ہے۔ تاہم کچھ عرصے بعد معمولی حالات

دوبارہ مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں۔ لوگ ٹکس کے عادی ہو جاتے ہیں اور انھیں اس کا بار نہیں محسوس ہوتا لیکن یہ بات ہر حال میں صحیح نہیں ہوسکتی محض استعمال یا عادت کی وجہ سے کوئی ناانصافانہ بار مبنی بر انصاف نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض حالات میں وہ اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔

مزدوروں کی اجرت پر جو ٹکس لگایا جاتا ہے اس کے تعدیے کا حال معلوم کرنے کے لیے یہ پتہ لگانا ضروری ہے کہ ان کے معیارِ زندگی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ معیار جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے اور خود ایک ہی مقام کے مختلف افراد کے معیار بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جوں جوں ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں حالات متغیر ہوتے جاتے ہیں، معیارِ زندگی بھی ایک حالت پر نہیں قائم رہتا بلکہ اس میں بھی ساتھ ساتھ تبدیلیاں نمودار ہوتی جاتی ہیں۔ جہاں تک ان مزدوروں کا تعلق ہے، جن کی اجرتیں بالکل "حدِ کفاف" تک پہنچ چکی ہیں، ٹکس کا منتقل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہمارے مفروضے کے مطابق ان کی اجرتوں میں مزید تخفیف کی گنجایش ہی نہیں ہے۔ آدم اسمتھ کا خیال تھا کہ ایسی صورتوں میں ٹکسوں کے اثر سے مزدوروں کی تعداد گھٹ جاتی ہے اور اس طرح ٹکس کا اثر بالآخر یا تو آجر کے منافعے پر پڑتا ہے یا اعلیٰ قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن ان ٹکسوں کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ بہت دیر میں منتقل ہوتے ہیں۔ ۱۱۵

اگر اجرت پر ٹکس لگانے سے مزدوروں کا معیارِ زندگی گھٹ جائے تو اس کی وجہ سے ان کی کارکردگی پر برا اثر پڑے گا اور ان کے کام کی حسب سابق قدر نہ ہوگی۔ لہٰذا اس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹکس کا کم از کم ایک حصہ ضرور یا تو آجروں پر عائد ہوگا یا باقی کل قوم کو اس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ اعلیٰ معیار کے بامہارت مزدوروں کی اجرت پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا ترکت کرنا نسبتہً زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب مزدور کی مہارت اجارے کے درجے پر پہنچ جاتی ہے تو ٹکس کا بار تمام و کمال مزدور ہی پر پڑتا ہے۔ جہاں تک علمی پیشے والے اور اعلیٰ درجے کے مہارت یافتہ مزدوروں کا تعلق ہے، ان کی اجرتوں میں ایک جز مثل لگان کا شامل ہوتا ہے جس پر ٹکس کا بار عائد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جس قدر کسی پیشے میں

اجارے کی نوعیت زیادہ ہوتی ہے (عام ازیں کہ وہ اجارہ قدرت کا کوئی عطیہ ہو یا کسی استحقاق کا نتیجہ) اسی قدر اس میں لگان کا جز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں مسابقت کام اور جگہ کے لیے ہوتی ہے نہ کہ براہ راست اجرت کے لیے۔ بیرسٹری، ڈاکٹری، مصوری، کلیسائی ملازمت اور سیول سروس ان کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اور یہی حال اعلیٰ درجے کے بامہارت پیشوں کا ہے۔ ان صورتوں میں ٹکس براہ راست منتقل نہیں ہوسکتا۔ البتہ ان پیشوں میں داخل ہونے والے اشخاص کی تعداد اس کی بدولت محدود ہوجاتی ہے۔ جن پیشوں کی اجرتوں میں لگان کا جز کمتر شامل ہوتا ہے اور اجرت کا معیار مسابقت کے اثر اور طلب و رسد کے توسط سے قرار پاتا ہے، ان میں یہ بات زیادہ ممکن ہے کہ ٹکس کا کچھ بار اعلیٰ قیمتوں کی شکل میں کل قوم پر عائد ہو۔ اصول تو ان میں بھی وہی ہے جو چیزوں کی حالت میں کام کرتا ہے لیکن جہاں تک محنت کا تعلق ہے، معاشی قوتوں کے عملدرآمد میں تصادم زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک تو محنت میں نقل پذیری کم ہوتی ہے، دوسرے تبدیل پیشہ یا نقل مقام میں اخراجات لاحق ہوتے ہیں اور تیسرے انتظار کشی بہت دشوار ہوتی ہے۔ ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ ہے کہ محنت کی طلب و رسد میں اس قدر جلد توازن نہیں قائم کیا جاسکتا جس قدر کہ اشیا کی حالت میں ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ٹکس بہت دیر میں منتقل ہوتا ہے اور یہ نقل پذیری غیر یقینی ہوتی ہے۔

۱۱۹

عام منافع پر ٹکس لگانا گویا اصل پر ٹکس لگانا ہے۔ ایسا ٹکس براہ راست منتقل نہیں ہوسکتا لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کا منافع مساوی نہیں ہوتا بلکہ ان میں زبردست اختلاف ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ زیادہ منافع کمانے والے آجر تو ٹکس کو برداشت کرلیں لیکن جو آجر کم حیثیت ہوں وہ اس کی بدولت میدان مسابقت سے بالکل ناپید ہوجائیں۔ اس کے علاوہ دولت پس انداز کرنے والوں کی ہمتیں پست ہوجائیں گی، شغلِ اصل سے لوگ احتراز کریں گے اور بہتر منافع کی تلاش میں اپنا اصل دوسرے مقامات میں منتقل کردیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیمتیں چڑھ جائیں گی اور کاروبار میں تخفیف واقع ہوگی۔ اس طرح ٹکس کا کچھ حصہ تو خریداروں پر منتقل ہوجائے گا اور کچھ مزدوری پیشہ طبقے پر۔ کیونکہ تخفیفِ کاروبار کی وجہ سے

آخر الذکر کی اجرتوں میں لازمی کمی واقع ہوگی۔

لیکن آج کل پس اندازی محض شرح سود پر نہیں منحصر ہوتی بلکہ دوسرے اسباب بھی اس پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ شرح سود کی تخفیف کے ساتھ ساتھ پس اندازی میں اضافہ ہوتا گیا ہے۔ لہذا یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کاروبار یا عام قیمتوں پر ٹکس کا بہت زیادہ اثر پڑے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اصل پر ٹکس لگانا معاشی نقطہ نظر سے مضر اور خلاف انصاف ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ان لوگوں کو ایک بیجا سزا بھگتنی پڑتی ہے جو کفایت شعاری سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن اگر عام طور پر یہ ٹکس لگا دیا جائے تو اس کے منتقل ہونے کا زیادہ امکان نہیں رہتا۔ البتہ خاص خاص صنعتوں کے منافعہ پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ ضرور منتقل ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان صنعتوں میں اصل لگانا ترک کر دیتے ہیں اور اُن صنعتوں کو ترجیح دینے لگتے ہیں جن پر اس طرح ٹکس کا بار نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹکس ادا کرنے والی صنعتوں میں اشیا کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں حتیٰ کہ ان کا منافعہ دوبارہ عام سطح پر پہنچ جاتا ہے اور ان میں اصل لگانے کے لیے لوگوں کو پھر ترغیب ہونے لگتی ہے۔

جو ٹکس ماحصل زائد پر لگائے جاتے ہیں وہ منتقل نہیں ہوتے۔ چنانچہ معاشی لگان پر، عام ازیں کہ وہ زرعی ہو یا ارضی، جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں۔ منافعہ یا اُجرت میں مثل لگان کا جو جز شامل ہوتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔ جن قوتوں کے اثر سے وہ منتقل ہوتا بھی ہے وہ ماحصل زائد پیدا کرنے والوں کی ہمتوں کو پست کرکے صرف بالواسطہ طور پر اپنا اثر دکھلاتی ہیں۔ جہاں تک زرعی زمین کا تعلق ہے، اصول یہ ہے کہ لگان کاشت مختتم کے اثر سے معین ہوتا ہے۔ اختتامی زمینوں سے جس قدر پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ سب کی سب مصارف پیدائش کے مساوی اور قیمت میں شامل ہوتی ہے۔ اس حالت میں لگان دستیاب ہی نہیں ہوتا جس پر ٹکس لگایا جا سکے۔ لیکن اس سے اعلیٰ درجے کی زمینوں پر لگان حاصل ہوتا ہے اور اس پر جو ٹکس لگایا جاتا ہے وہ منتقل نہیں ہو سکتا۔ لگان چونکہ قیمت میں نہیں شامل ہوتا اس لیے قیمت ٹکس سے متاثر نہیں ہو سکتی۔ اور اس طرح لگان پر جو ٹکس عائد کیا جاتا ہے اس کا بار لگان پانے والے پر ہی ہوتا ہے۔

۱۱۷

شہر کی زمینوں سے جو لگان حاصل ہوتا ہے اس پر بھی اسی استدلال کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ شہروں میں بعض زمینیں تو اس قدر قابل قدر ہوتی ہیں کہ ان کے مالک ایک طرح کے قدرتی اجارہ دار سمجھے جاتے ہیں اور ان کو اپنی اراضی سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ بالکل اجارہ کی آمدنی سے مشابہ ہوتی ہے۔ ان اراضی کے لگان پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ دراصل مالکِ زمین پر عائد ہوتے ہیں اور اسی لیے دوسروں پر نہیں منتقل ہو سکتے۔ لیکن بعض زمینیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے کم تر ارضی لگان حاصل ہوتا ہے اور اس لگان پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، ان کا کرایہ داروں پر منتقل ہونا ممکن ہے کیونکہ کوئی عمارتی زمین ایسی نہیں ہوتی جس سے کچھ نہ کچھ لگان حاصل نہ ہوتا ہو جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا گیا ہے۔ مسابقت کا عملدرآمد مکمل نہ ہونے سے یہ اصول خواہ وہ مجرد کتنے ہی صحیح ہوں، اپنی اصلی حالت پر نہیں باقی رہتے بلکہ ہر انفرادی صورت کے مختلف حالات کے لحاظ سے اُن میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے اور ان کی حیثیت محض چند رجحانات کی سی ہو جاتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ زمین کا لگان ہر حالت میں خالص ماحصل زائد ہی ہو۔ بسا اوقات زمین کی اصلاح کی غرض سے اس پر اصل صرف کیا جاتا ہے اور بعض اوقات زمین پر صرف دسترس حاصل کرنے کے لیے روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ان صورتوں میں لگان میں اصل کا سود بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کو "ماحصلِ غیر مکتسب" سے علیحدہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے لگان پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ لگان اور سود دونوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اگر لگان پر ٹکس لگانے کا نتیجہ یہ ہو کہ لوگ اصلاحِ اراضی پر روپیہ خرچ کرنا ترک کر دیں تو ایسی صورت میں قیمت میں اضافہ ہو کر ٹکس کا کچھ بار خریداروں پر منتقل ہو جائے گا، غذا کی ضروری مقدار حاصل کرنے کے لیے ادنیٰ قسم کی زمینوں پر کاشت کرنا پڑے گا۔ کاشت کی حد ادنیٰ ہونے سے قانون تقلیلِ حاصل کا عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔ اور اس طرح مصارفِ پیدائش میں اضافہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ اصلاحِ اراضی کی بدولت جو لگان حاصل ہوتا ہے اس پر ٹکس لگانا گویا اُس اصل پر ٹکس لگانا ہے جو زمین پر صرف کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ اس طور پر اصل صرف کرنا چھوڑ دیں گے اس کی وجہ سے قیمتیں یا

چڑھ جائیں گی اور اس حد تک ٹکس خریداروں پر عائد ہوگا۔

یہی استدلال منافع کے اس حصے پر بھی منطبق ہو سکتا ہے جو لگان سے مشابہ ہوتا ہے۔ منافع کا یہ حصہ نتیجہ ہوتا ہے اعلیٰ درجے کی انتظامی مہارت کا جو ہر شخص میں مساوی طور پر نہیں پائی جاتی۔ اگر ٹکس منافع کے اس حصے پر عائد ہو جو آجر کی مخصوص انتظامی قابلیت کا نتیجہ ہے اور جس سے دوسرے آجر بالعموم محروم رہتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ منتقل نہیں ہوگا لیکن جن آجروں کو اس قسم کا کوئی مخصوص منافع نہیں میسر ہوتا، اگر ٹکس کا اثر ان تک پہنچ جائے تو ممکن ہے کہ انھیں اپنا کاروبار ہی ترک کر دینا پڑے۔ لہٰذا منافع پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، ان کا اثر مختلف آجروں پر مختلف ہوتا ہے اور بسا اوقات ان کا بار دوسرے طبقوں پر بھی منتقل ہو جاتا ہے۔

اگر محصولِ مکان عام طور پر جاری کر دیا جائے تو وہ اصل کی ایک خاص شکل پر ٹکس لگانا ہوگا اور مکانات کی رسد پر اس کا اثر پڑے گا۔ اگر مالک مکان اس ٹکس کو کرایہ مکان کے ساتھ شامل کر دے یا کرایہ دار سے اس کو وصول کرے تو اس کی وجہ سے مکانات کی طلب گھٹے گی اور ان کی تعمیر پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ اگر مکانات کی رسد ناکافی ہو تو لگان عارضی طور پر بڑھا دیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ طلب و رسد میں دوبارہ توازن قائم ہو جائے۔ جو ٹکس اصل کی خاص شکلوں پر لگائے جاتے ہیں، ان کا رجحان ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان شکلوں پر روپیہ خرچ کرنا کم کر دیتے ہیں اور بالآخر جب منافع اپنی معمولی حالت پر پہنچ جاتا ہے تو ٹکس کا بار خریداروں پر منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم چائے اور تمباکو کی حالت میں دیکھ چکے ہیں۔ غرض مکانات بھی عام استعمال کی چیزیں ہیں لہٰذا ان پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ آخر میں چل کر زیادہ تر مکان استعمال کرنے والوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اس قسم کے ٹکس کی ایک موزوں مثال انگلستان کا محصول ... ہے

جب کسی شخص کو وراثت میں کوئی جائداد ہاتھ لگتی ہے تو اس پر ٹکس لگایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا ٹکس ہے جو ایک خاص قسم کے اصل پر اس کی منتقلی کے وقت لگایا جاتا ہے۔ وہ منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ نئے مالک جائداد پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے پس اندازی میں تخفیف واقع ہو تو اصل پر اس کے بالواسطہ اثرات ضرور پڑتے ہیں۔

شخصی جائداد پر بھی ٹکس لگائے جاتے ہیں۔ اگر یہ جائداد اصل پیدا آور نہیں ہے تو یہ ٹکس دوسروں پر نہیں منتقل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو مالک اپنی ذاتی لطف و مسرت کی خاطر استعمال کرتا ہے، مثلاً تصاویر، زیورات، گاڑیاں جو بغرض تفریح استعمال ہوتی ہیں اور اسی قسم کی بے شمار دوسری چیزیں جن کی خرید و فروخت پر مسابقت کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ وہ بطور اصل کے استعمال کی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان پر جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا بار استعمال کرنے والوں پر ہی برقرار رہتا ہے۔ وہ ایک قسم کا محصولِ تعیش ہے جو زیادہ تر بطور ایک بلا واسطہ ٹکس کے لگایا جاتا ہے۔ بندوقوں، کتوں اور زرہ بکتر کے امتیازی نشانات پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، وہ اس کی چند مثالیں ہیں جن چیزوں پر اس طرح ٹکس لگایا جاتا ہے، اس کا ایک بالواسطہ اثر بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کی بدولت ان چیزوں کی طلب کم ہو جاتی ہے اور متعلقہ صنعتوں کو ابتدا میں نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب معمولی حالات دوبارہ مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں تو استعمال کرنے والوں کو ہی ٹکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ ان ٹکسوں کا بار صرف ایک محدود طبقے پر عائد ہوتا ہے اور یہ لوگ بالعموم اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنے آرام اور تعیش کے مقابلے میں ٹکس کی چنداں پروا نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان چیزوں کی طلب میں تغیر پذیری بہت کم ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کاروباری اغراض کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً طبیبوں، ڈاکٹروں کی گاڑیاں۔ ایسی صورت میں وہ اصل کا ایک جز بن جاتی ہیں۔ ٹکس کی وجہ سے ان کی خدمات کے معاوضے پر بُرا اثر پڑتا ہے اور اس لیے آخر میں بالواسطہ طور پر ان خدمات کے حاصل کرنے والوں پر ٹکس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔

املاک کے بعض خاص محصول مثلاً محصولِ زمین، جب پہلی مرتبہ عائد کیے جاتے ہیں تو ان کا بار مالکِ جائداد پر پڑتا ہے۔ جو شخص اس قسم کے املاک خریدے گا، ٹکس کی وجہ سے وہ نسبتہً کم قیمت ادا کرے گا۔ لہٰذا املاک کی مالیت گھٹنے سے فروشندے کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس کے بعد خواہ کتنی ہی مرتبہ جائداد فروخت ہو، نہ فروشندہ نقصان اٹھائے گا اور نہ خریدار، کیونکہ ٹکس کے اثر سے جائداد کی مالیت میں پہلے ہی تخفیف ہو چکی ہے۔

سنہ ۱۹۰۹ء کے موازنے میں زمین پر محصول لگانے کے اصول اور طریقے، دونوں میں چند اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں :-

زمین کی مالیت کے محصول :- یہ محصول چار قسم کے ہیں اور ان کا مدار زمین کی اس مالیت پر ہے جو خاص موقع محل کی وجہ سے اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۱۹ (الف) ۳۰ / اپریل سنہ ۱۹۰۹ء کو مختلف زمینوں کی مالیت کا اندازہ کر کے اسی کو معیار بنا لیا گیا ہے۔ اور آئندہ زرعی زمینوں کے علاوہ باقی جس قدر اراضی سے اضافۂ غیر مکتسب حاصل ہوگا، ان سب پر اسی معیار کا اطلاق ہوگا۔

(۱) **محصولِ عام بحساب اضافۂ قدر** :- یہ محصول اس وقت واجب الادا ہوتا ہے جب مالک زمین فروخت کر کے یا جدید پٹے کے ذریعے سے جس کی مدت زائد از چودہ سال ہو، اضافۂ قدر سے مستفید ہوتا ہے یا جب وہ مر جاتا ہے۔ جہاں تک شخصیتوں کا تعلق ہے وہ تو کبھی مرتے نہیں، لہذا اُن سے نہ صرف فروخت یا تجدید پٹہ کے موقعوں پر یہ محصول وصول کیا جاتا ہے بلکہ ہر پندرہ سال بعد ان سے یہ محصول واجب الادا ہو جاتا ہے۔ ہر پانچ پونڈ کے اضافۂ قدر پر ایک پونڈ محصول لگایا جاتا ہے اور وہ بذریعۂ اسٹامپ ادا کیا جاتا ہے۔ مستثنیات :- (ا) زرعی زمین جس کی قدر محض زراعت کی وجہ سے ہو (ب) چھوٹے چھوٹے زرعی کھیت جن کی وسعت (۵۰) ایکڑ سے زائد نہ ہو، جن کو خود مالک زمین کاشت کرتا ہو اور جن کی قدر فی ایکڑ ۷۵ پونڈ سے زائد نہ ہو (ج) چھوٹے چھوٹے سکونتی مواقع جہاں خود ان کے مالک رہتے بستے ہوں، یا جو ۵۰ سال کے ٹھیکے پر دے دیے گئے ہوں بشرطیکہ ان کی سالانہ قدر، اگر وہ لندن میں واقع ہوں تو ۴۰ پونڈ سے زائد نہ ہو، اگر دوسرے شہروں میں جن کی آبادی پچاس ہزار ہو واقع ہوں تو ۲۶ پونڈ سے زائد نہ ہو اور ان کے علاوہ دوسرے حالات میں ۱۶ پونڈ سے زائد نہ ہو۔

(۲) **محصولِ بازگشت** :- یہ محصول ٹھیکہ دینے والے کو اختتام پٹے کے موقع پر ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہر ۱۰ پونڈ کے منافع پر وہ بہ شرح ایک پونڈ ادا کیا جاتا ہے۔ زرعی زمین اس ٹیکس کی ادائی سے مستثنیٰ ہے، نیز ایسے پٹے جن کی مدت ۲۱ سال سے کم ہو، اور اس قسم کی بازگشت جو تاریخ خرید سے ۴۰ سال کے اندر واقع ہوئی ہو

بشرطیکہ خریداری ۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء کے قبل ہوئی ہو۔ معدنیات کے پٹے بھی اس محصول سے مستثنیٰ ہیں، نیز وہ الاونس جو موجودہ پٹوں کے انصرام مدت سے قبل تجدید ہونے پر ادا کیے جاتے ہیں۔

(۳) **محصول زمین افتادہ**:۔ جو زمین غیر زرعی ہو جس کی مالیت فی ایکڑ ۵۰ پونڈ سے زائد ہو جس پر نہ کوئی عمارت بنائی گئی ہو اور نہ جو کسی صنعت کے لیے استعمال کی جاتی ہو، ایسی زمین کے موقع محل کی مالیت پر یہ محصول لگایا جاتا ہے۔ محصول یا تو مالک زمین کو ادا کرنا پڑتا ہے یا پٹے دار کو۔ لیکن اس آخری صورت میں شرط یہ ہے کہ پٹے کی مدت پچاس سال ہو اور شرح کرایہ فی پونڈ نصف پنی سالانہ ہو یعنی اگر کسی زمین کے موقع محل کی مالیت ایک پونڈ ہے تو ہر سال اس سے نصف پنی بہ طور کرائے کے وصول کی جاتی ہو۔ موقع محل کی مالیت کا تعین پانچویں سال زمین کی بازاری قیمت کا اندازہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ زمین کی بازاری قیمت کا اندازہ کرنے میں ان عمارات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اس پر تعمیر کی گئی ہوں۔ جو اراضی عوام الناس کے استعمال کے لیے سیر و تفریح اور چمن بندی کی غرض سے مخصوص کر دی جائیں، وہ بھی اس ٹکس کی ادائی سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ایسے چھوٹے چھوٹے قطعات جن کے موقع محل کی مالیت پانسو پونڈ سے کم ہو اور جن پر ان کے مالک خود قابض ہوں اور خود ہی ان کی کاشت بھی کرتے ہوں۔

(۴) **محصول حقوق معدن**:۔ جن لوگوں کو معدنیات نکالنے کے حقوق حاصل ہوتے ہیں، انھیں معاوضے میں مالکان زمین کو کچھ لگان ادا کرنا پڑتا ہے۔ محصول بالا اسی قسم کے لگان پر عائد کیا جاتا ہے (چکنی مٹی، ریت، چاک، چونے کا پتھر اور سنگریزے اس سے مستثنیٰ ہیں) شرح محصول بحساب لگان پانچ فی صدی ہے اور بادشاہ کو ہر سال اس طور پر ادا کیا جاتا ہے گویا کہ وہ قرضہ ہے۔ مستثنیات یہ ہیں۔ وہ زمین جو مقامی حکام کی ملک ہو، وہ جو کسی کار خیر کے لیے استعمال کی جاتی ہو اور وہ جو ریلوں، نہروں، بندرگاہوں اور آب رسانی کی کمپنیوں یا اسی طرح کی دوسری قانونی کمپنیوں کے استعمال میں ہو، بشرطیکہ اس سے وہی کام لیا جاتا ہو جس کے لیے وہ مخصوص کر دی گئی ہے۔

۱۹۱۰ء

۱۲۰

ساتویں فصل

اعتبار عامہ۔ قومی قرضے

قرض عامہ اگرچہ دورِ جدید کی ایک اختراع ہے تاہم ترقی یافتہ اقوام میں وہ اس قدر عام اور اس کی مقدار اس قدر کثیر ہو گئی ہے کہ اب لوگ اُسے ترقی تہذیب کی ایک نشانی سمجھنے لگے ہیں۔ یوروپ کے قدیم ممالک، نئی دنیا کی نو عمر جمہوری حکومتیں، برطانوی نو آبادیات اور ہندوستان، ان سبھوں نے اپنے اوپر اس قسم کی ذمہ داریوں کو عائد کرلیا ہے۔ قرض عامہ کا طریق نتیجہ ہے گذشتہ دو صدی کی معاشی ترقیات اور زر کے طریقوں کا۔ کاروبار میں اعتبار کا روز افزوں استعمال، بنک کا طریق، صنعت و حرفت اور تجارت کو اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لیے مشترک سرمایہ وار کمپنیوں کے ذریعے اصل کی چھوٹی چھوٹی مقداروں سے استفادہ، عام لوگوں کی پس انداز شدہ رقموں کو جمع کر کے ان سے کام لینے کی بے شمار سہولتیں، ان سب کے مجموعی اثر سے قرض کے لین دین کی ایک ایسی مشین قائم ہو گئی ہے جو ملک کی معاشی حالت کے لیے نہایت اہم ہے۔ اعلیٰ درجے کا تنظیم یافتہ نظام بنک، زر کا بازار اور صرافہ، ان سب کا ساتھ ساتھ نشو و نما ہوا ہے اور ان کی بدولت تقریباً ہر طبقہ قرضے اور شغلِ اصل کے کاروبار سے آشنا ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ ایک ناگزیر بات تھی کہ اخراجاتِ عامہ پر بھی اس مشین اور ان طریقوں کا اطلاق کیا جائے۔ چنانچہ بڑی قومیں اور چھوٹی ریاستیں نو آبادیات، بلدیات اور شخصیتیں سب کے سب قرض گیروں کے زمرے میں داخل ہو گئے اور اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ کوئی غیر معمولی کام قرضۂ عامہ کے

۱۲۱

توسط بغیر چل ہی نہیں سکتا۔

ٹکس کی طرح قرض عامہ بھی دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :- ایک شاہی، دوسرے مقامی۔ مرکزی اور مقامی دونوں قسم کی حکومتیں اپنے اپنے کاروبار کے لیے قرضہ لیتی ہیں۔ اور صرافے میں جو تمسکات فروخت ہوتے ہیں ان کا فی صدی بہت بڑا حصہ مرکزی حکومتوں اور شخصیوں کے تمسکات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں تمام دنیا کے قومی قرضوں کا تخمینہ سات ارب اسی کروڑ پونڈ سے بھی زائد کیا گیا تھا۔ اس میں فرانس کا قرضہ بقدر ایک ہزار پندرہ ملین پونڈ تھا، برطانیہ عظمیٰ کا قرضہ مارچ ۱۹۲۱ء میں بقدر ۶۴۹۷۷۰۳۹۰ پونڈ تھا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قرضے کی مقدار دوسو بارہ ملین پونڈ ہے۔ جرمنی کا قرضہ دوسو پچاس ملین پونڈ، روس کا اندازہ نوسو پینتالیس ملین پونڈ ہے۔ آسٹریلیا نے بقدر ۱۰۲۰ ملین پونڈ، نیوزلینڈ نے بقدر ۸ کروڑ ۴۲ لاکھ پونڈ۔ کناڈا نے ۲۸۶ ملین پونڈ۔ ہندوستان نے ۳۰۰ ملین پونڈ قرضے حاصل کیے ہیں۔

برطانیہ عظمیٰ میں مقامی قرضوں میں بھی بہ سرعت اضافہ ہو رہا ہے۔ دارالسلطنت، مجلس ضلع اور مختلف مقامی حکومتوں نے ۱۹۱۲ء میں ۲۲۲۰۰۳۰ پونڈ قرض لیے تھے۔ اور انگلستان اور ویلز کی جملہ مقامی حکومتوں کے مجموعی قرضوں کی مقدار سال مذکور کے اختتام پر ۱۴۰۰۳۶۲۲۵ پونڈ تھی۔

قدیم زمانے میں ہر مملکت کچھ نہ کچھ سیم و زر پس انداز کرتی تھی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔ قرونِ وسطیٰ میں دفینوں کا طریق عام طور پر رائج تھا۔ بلکہ بعض قومیں (مثلاً روس اور جرمنی) تو اب بھی اس طریقے پر عمل پیرا ہوتی ہیں اور سونے چاندی کی اینٹیں اور سکے جمع کرتی ہیں۔ طریقِ اعتبار کے نشوونما سے پہلے انھی اندوختوں سے جنگ کے مصارف پورے ہوتے تھے، انھی پر قوم کے استحکام کا انحصار ہوتا تھا اور انھی کے ذریعے ہر قوم اپنی محافظت کرتی اور اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہوتی تھی۔ انگلستان کے قدیم بادشاہ یہودیوں، لمبارڈوں اور دوسرے غیر ملکی بنک داروں سے خانگی طور پر قرض حاصل کرتے تھے یا جب کبھی کوئی فوری اور شدید ضرورت لاحق ہوتی تو اس کو پورا کرنے کے لیے رعایا سے بہ جبر قرض وصول کرتے تھے۔ ہنری ہفتم نے بہت کچھ دولت بطور اندوختہ

۱۲۲

جمع کی تھی، لیکن اس کا لڑکا بہت فضول خرچ نکلا اور اس نے وہ تمام دولت لٹا دی۔
خاندان اسٹوارٹ کے بادشاہ سناروں اور بنک داروں سے قرض لیا کرتے تھے
لیکن جب چارلس ثانی نے اپنے قرضوں کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو شاہی اعتبار
بالکل برباد ہوگیا اور برطانوی بادشاہوں کی قرض گیری کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا۔
اس کے بعد ہالینڈ کی تقلید کرکے حکومت کے اعتبار پر قرض نکالنے کا طریقہ اختیار
لیا گیا۔ چنانچہ انقلاب انگلستان کے بعد ہی فوراً اس طریقے کا آغاز ہوا۔

اندوختہ جمع کرنے کا طریق متعدد بندشوں کا تابع ہے اور اس کی خرابیاں
بالکل بدیہی ہیں۔ زمانۂ امن میں یہ تمام ذخیرے غیر پیدا آور حالت میں بیکار پڑے
رہتے ہیں اور ان کی حفاظت مصارفِ کثیر کا باعث ہوتی ہے۔ اور جب ان کے
استعمال کا موقع آپہنچتا ہے تو وہ بہت جلد ختم ہوجاتے ہیں۔ ایک ایسی چیز جو مصارفِ کثیر
کے بعد مہیا ہوتی ہے اس طریق کی بدولت ملک و قوم کی خدمت انجام دینے سے
باز رکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زر کی قدر بڑھ جانے سے قیمتوں پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔
دوسرے یہ کہ جب اس قسم کے ذخیرے ایک مقام پر جمع رہتے ہیں تو دشمن کو بیحد
ترغیب ہوتی ہے کہ انھیں حاصل کرے اور ان کی مدد سے کامیابی کے ساتھ اپنے
فریق کا مقابلہ کرے۔ علم معاشیات نے واضح کردیا ہے کہ زر کے لیے بہترین بات
یہ ہے کہ وہ ہمیشہ عوام الناس کے صرف میں آتا اور استعمال ہوتا رہے۔ یہی وہ
طریقہ ہے جس کی بدولت اس میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر حکومت کو ضرورت
ہو تو وہ اس کو ٹکس یا قرضے کی شکل میں رعایا سے حاصل کرسکتی ہے۔ اسی اثنا میں اس
دولت سے ملک کے اندر پیدا آور کاروبار چلانے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ ملک میں
جس قدر کثرت کے ساتھ اس قسم کے کاروبار جاری ہوں گے اسی قدر اہل ملک کی
دولتمندی میں اضافہ ہوگا اور وہ اس قابل ہوں گے کہ بوقت ضرورت سرکاری
اغراض کے لیے بہ آسانی کثیر مقداریں قرضہ فراہم کرسکیں۔ ظاہر ہے کہ
محفوظ خانوں میں اندوختہ کرنے سے یہ فوائد نہیں حاصل ہوسکتے۔ کسی قوم کی
حقیقی قوت کا اندازہ کرنے کے لیے حکومت کے ذخائر سیم و زر کو نہیں دیکھنا چاہیئے
بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ افراد قوم میں ٹکس ادا کرنے اور قرضہ فراہم کرنے کی کس حد تک

استطاعت موجود ہے۔ بہ الفاظِ دیگر صحیح قوت مشتمل ہے رعایا کی آمدنی اور رعایا کی دولت پر۔ اور اس کی ترقی کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کو خود رعایا کی ذاتی جد و جہد پر چھوڑ دیا جائے نہ کہ حکومت ذخیرے جمع کرنے کی کوشش کرے۔

صنعت وحرفت کی غیر معمولی توسیع زمانہ موجودہ کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اسی توسیع کی بدولت متعدد حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو طریقۂ قرض گیری کے نشو و نما اور قومی قرضوں کے اضافے کا باعث ہوئے ہیں۔ اس قسم کے قرضے قوم کی دولت اور صنعت پر گویا ایک طرح کا رہن ہیں جس کی ضمانت میں ملک کے ٹکس اور اس کی آئندہ آمدنی شامل ہے۔ بعض اوقات ان قرضوں کے سود کی ادائی کے لیے خاص خاص ٹکس علیحدہ کر دیے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ملک کی عام آمدنی پر اس سود کا بار رہتا ہے۔

قومی قرضے زیادہ تر جنگوں کا نتیجہ ہیں اور ہر بڑی جنگ کی بدولت ان میں ضرور کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ برطانوی قرضے کی تاریخ سے اس واقعے کی ایک اچھی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ ۱۶۸۹ء کے انقلاب سے ایک ملین پونڈ قرضۂ عارضی کے ساتھ اس کی ابتدا ہوئی۔ فرانس کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کے لیے سرمائے کی جو ضرورت لاحق ہوئی تو ۱۶۹۴ء میں بارہ لاکھ پونڈ کے اصل سے انگلستان بنک کی بنیاد ڈالی گئی اور یہ رقم حکومت کو ۸ فی صدی شرح سود پر قرض دے دی گئی۔ چند سال بعد چارلس ثانی کا انکار شدہ قرضہ دوبارہ تسلیم کر لیا گیا اور اس کی مقدار ۶۶۴۲۶۳ پونڈ (یعنی اصلی رقم کی نصف) مقرر کی گئی اور اس رقم کی ادائی حکومت کے ذمے قرار پائی۔ جنگ کی وجہ سے رقم کے مزید مطالبات جاری رہے اور قرضے میں برابر اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۶۹۷ء میں صلح رسویک کے موقع پر اس کی مقدار ۲۱۵۰۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ چکی تھی۔

۱۷۰۲ء میں ولیم ثالث کی وفات کے وقت قرضے کی مقدار ۱۶۴۰۰۰۰۰ پونڈ تک گھٹ گئی۔

۱۷۱۳ء میں جنگ وراثت ہسپانیہ کے بعد صلح اوٹریکٹ کے موقع پر اس کی مقدار ۵۳۶۸۰۰۰۰ پونڈ تھی۔

۱۷۶۳ء میں جنگ ہفت سالہ کے اختتام پر اس کی مقدار ۱۳۸۸۶۵۰۰۰ پونڈ تھی۔

۱۷۸۳ء میں جنگ حریت امریکہ کے بعد قرضۂ قومی بہ قدر ۲۳۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ تھا۔

۱۸۰۲ء میں صلح ایمنس کے موقع پر جبکہ فرانس کے ساتھ جنگ ملتوی ہوگئی تھی قرضہ بہ قدر ۵۳۲۷۶۵۰۰۰ پونڈ تھا۔
۱۸۱۶ء میں جنگ واٹرلو کے بعد صلح پیرس کے وقت دوامی اور عارضی دونوں قرضوں کی مقدار ۸۱۶۰۰۰۰۰۰ پونڈ تھی۔
۱۸۵۴ء میں جنگ کریمیا سے قبل قرضے کی مقدار گھٹ کر ۸۰۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہوگئی تھی۔
۱۸۵۷ء میں جنگ کریمیا اور غدر دہلی کے بعد اس کی مقدار ۸۳۸۹۱۸۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی۔
۱۸۹۹ء میں وہ گھٹ کر ۶۲۷۵۶۲۰۰۰ پونڈ ہوئی۔
۱۹۰۳ء میں جنگ جنوبی افریقہ کے بعد اس میں پھر اضافہ ہوا اور وہ ۷۷۰۷۷۸۷۶۲ پونڈ تک پہنچ گئی۔
۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء کو عارضی، دوامی قرضوں اور رقمنائے سالیانوں کی ذمہ داری کو ملا کر ۷۵۵۰۷۱۱۰۹ پونڈ قرضہ تھا۔
۳۱ مارچ ۱۹۱۴ء کو مجموعی قرضہ ۶۴۹۷۷۰۰۹۰ پونڈ تھا۔

فرانس کے قرضے کی مقدار ایک صدی کے اندر ۱۲۳۵۳۷۰۹۶۹ پونڈ تک پہنچ گئی جس کا تین چوتھائی حصہ صرف جنگ کا نتیجہ ہے۔ (تقریباً تین سو ملین پونڈ سرکاری سرمایہ فرانس کی ریلوں میں لگا ہے) ایک جنگ فرانس و جرمنی ہی کی بدولت قرضے کی مقدار میں بقدر ۳۴۰ ملین پونڈ اضافہ ہوگیا۔ غرض دنیا کے موجودہ قومی قرضوں میں اسی قرضے کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور اس کی بدولت سالانہ ۳۸۳۵۰۰۰۰ پونڈ محض سود کی ادائی میں دیے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہندوستان، آسٹریلیا اور کناڈا کے قرضے زیادہ تر پیداآور اغراض کے لیے حاصل کیے گئے ہیں اور وہ ان ممالک کے لیے نفع بخش ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مناسب طریقے پر صرف کیے جائیں۔ جرمنی کا قرضہ بھی زیادہ تر پیداآور ہی ہے اور اس کا مصرف بڑی بڑی ریلوں اور دوسرے املاک عامہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ شہمیوں کے قرضے اکثر کارہائے عامہ یا سرکاری کاروبار کی غرض سے حاصل کیے جاتے ہیں جن میں سے بعض سے آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

قرضے یا تو جبری ہوتے ہیں یا اختیاری۔ جبری قرضے گویا ایک قسم کے ٹکس ہیں جو ایک محدود جماعت سے وصول کیے جاتے ہیں اور جن کی ادائی اس جماعت پر لازم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مبنی بر انصاف نہیں ہو سکتے۔ بعض قدیم انگریز بادشاہوں کے طریقوں پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس قسم کے قرضوں کی بہت سی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ انگلستان میں خاندان اسٹوارٹ کے بادشاہوں تک بھی یہ طریقہ جاری تھا۔ ۱۷۹۳ء میں فرانس نے بھی چند مالی تجاویز

۱۲۵

اختیار کیں جنھیں جبری قرضوں میں شمار کرنا مناسب ہے۔ بعض اوقات فراہمی سرمایہ کے لیے حکومتیں اپنی رعایا کے حب الوطنی کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں چنانچہ فرانس نے ۱۸۷۱ء میں اور جرمنی نے ۱۸۷۰ء میں اسی ترکیب پر عمل کیا۔ لیکن اس قسم کی تجاویز زیادہ کامیاب نہیں ہوسکتیں اور عوام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حکومت کی؛ یا در بر حسب ضرورت کافی سرمایہ فراہم کردیں گے۔ موجودہ زمانے میں جبری قرضوں کی ایک نئی شکل نمودار ہوئی ہے جو ہر حکومت کسی قومی مصیبت کے وقت اختیار کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان موقعوں پر حکومت کی ضروریات نہایت شدید اور اہم ہوتی ہیں ٹکس لگاکر یا قرضہ لے کر سرمایہ فراہم کرنے میں عموماً بہت دیر لگتی ہے اور پھر بھی یہ یقین نہیں ہوتا کہ حسب ضرورت رقم حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا حکومت اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے غیر بدل پذیر زر کاغذی کثیر مقدار میں جاری کردیتی ہے۔ چنانچہ برطانیہ عظمیٰ نے ۱۷۹۷ء سے لے کر ۱۸۲۱ء تک اس ترکیب سے سرمایہ فراہم کیا تھا۔ فرانس میں انقلاب عظیم کے موقع پر یہی صورت اختیار کی گئی تھی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں خانہ جنگی کے زمانے میں اسی تجویز پر عملدرآمد کیا گیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو تو اجرائی زر کاغذی کے ہمقدر ایک بلا سودی قرضہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن قوم کو گراں قیمتوں کی شکل میں جو اضافہ مقدار زر کا لازمی نتیجہ ہے، سخت معاشی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ قیمتوں میں ایک عام تغیر اور تجارت خارجہ میں سخت مزاحمت واقع ہوتی ہے اور قرضداری کو پورا کرنے کے لیے سونا ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ لیکن غیر بدل پذیر کاغذی اجرائی یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ مزید اجرائیوں کا باعث ہوتی ہے۔ اس طرح زر کی مقدار حد متناسب سے تجاوز کر جاتی ہے اور اس کی قدر میں فوراً تخفیف ہو جاتی ہے اور ہر اضافے کے ساتھ یہ تخفیف اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ قوم کے لیے بہ حیثیت مجموعی یہ ایک سخت بدقسمتی کی بات ہے۔ کیونکہ اس حالت میں کل قوم کا اعتبار متزلزل ہو جاتا ہے، تجارت قمار بازی کی شکل اختیار کرلیتی ہے، تجارتی بحران نمودار ہوتا ہے اور ملک کی مالی حالت اور تجارت میں سخت اختلاط پیدا ہوتا ہے۔ قرض دینے والے طبقوں کو خواہ مخواہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، اس کے تمام ٹکس اترے ہوئے

زرِ کاغذی کی شکل میں وصول ہوتے ہیں۔ لیکن جب قرض کی ادائی کا وقت آپہنچتا ہے تو حکومت کو زرِ کاغذی کے معاوضے میں اس کی پوری مالیت جو ناصیہ پر تحریر ہوتی ہے، ادا کرنا پڑتی ہے اور اگر حکومت اس نقصان سے بچنے کی کوشش کرے تو اس کے اعتبار اور آئندہ قرضہ حاصل کرنے کی قابلیت کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض معاشی حیثیت سے یہ ایک سخت تباہ کن طریقہ ہے کہ تھوڑا سا عارضی فائدہ حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے مالی، صنعتی اور معاشرتی خطرات کا سامنا کیا جائے۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ اکثر بڑی بڑی سلطنتوں نے قومی مصیبتوں کے وقت زرِ کاغذی کی اجرائی سے مدد لی ہے۔

اختیاری قرضوں کی متعدد قسمیں ہیں:-

(۱) قرضۂ دامی۔ یہ قرضۂ عامہ کی وہ شکل ہے جس میں حکومت سالانہ سود کی ادائی کی تو ذمہ دار ہوتی ہے لیکن یہ وعدہ نہیں کرتی کہ کسی مدتِ معینہ کے اندر اصل بھی) ادا کر دے گی۔ گویا اس کی شکل دراصل ایک دامی سالیانے کی سی ہو جاتی ہے۔ قرض خواہوں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ صرافے کے توسط سے اپنے تمسکات حصے فروخت کر دیں اور حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے بازار میں ان کی جو کچھ قیمت ملے وصول کر لیں۔ دوسری طرف حکومت کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ قرض خواہوں کو رقم واپس کر کے سبکدوشی حاصل کر لے (بشرطیکہ اس نے یہ وعدہ نہ کیا ہو کہ ایک خاص مدتِ معینہ سے پیشتر رقم مقروضہ واپس نہ کرے گی) یا جب کبھی خزانے میں گنجائش نکل آئے تو کھلے بازار میں اپنے تمسکات خرید کر مقدارِ قرضہ میں تخفیف کرتی جائے اور اس طرح پورے طور پر سبکدوش ہو جائے۔ قرضۂ عامہ کی یہی سب سے سہل ترین صورت ہے اور برطانیہ عظمیٰ کے بڑے بڑے قرضے اب اسی طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ قرضے اسی لیے دامی کہلاتے ہیں کہ ملک کی آمدنی پر ان کے سود کا بار دامی ہوتا ہے۔ انگریزی قرضے کا ایک اور اصطلاحی نام کونسل ہے جو لفظ consolidate سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں یکجا کرنا یا اکٹھا کرنا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ متعدد انگریزی قرضے جو مختلف شرحوں پر حاصل کیے گئے تھے، سنہ ۱۷۵۱ء میں ایک دوسرے کے ساتھ ضم کر دیے گئے اور

ان سب کی ایک ہی شرح یعنی ۳ فی صدی مقرر کی گئی۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مختلف قرضوں کو یکجا کر کے اسی طرح ان سب کو ایک ہی شکل میں بدل دیا گیا۔
۱۹۱۴ء میں برطانیہ کے مدامی قرضے کی مقدار ۵،۸۶۷،۰۷۸،۰۷۲ پونڈ تھی۔
مدامی قرضے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اہل ملک کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی ہوتی ہے، وہ پابندی کے ساتھ سود ادا کرنے کا مناسب انتظام کر سکتے ہیں اور قرضے کی مقدار میں تخفیف کرنے اور اس سے بتدریج سبکدوشی حاصل کرنے کے لیے خاص خاص تجاویز اختیار کر سکتے ہیں۔
قرضۂ عارضی۔ اس میں وہ تمام قرضے شامل ہوتے ہیں جو وقتی اغراض کے لیے حاصل کیے جاتے اور معینہ تاریخوں پر واجب الادا ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کا مقصد اصلی یہ ہے کہ خزانۂ سرکاری کو اپنی ضروریات پورا کرنے میں سہولت ہو اور ٹکسوں کے ذریعے سے سرمایہ جمع ہونے تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ ان ضروریات کے لاحق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار کو مختلف قسم کے خدمات حاصل کرنے پڑتے ہیں، سرکاری اغراض کے لیے طرح طرح کا سامان خریدنا پڑتا ہے اور بسا اوقات مقامی حکومتوں کو قرضے عطا کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ۱۲۷
بعض اوقات ان کے توسط سے سرکار کو اپنے محاصل وقتِ مقررہ سے پہلے وصول ہو جاتے ہیں۔ عارضی قرضہ بالعموم خزانے کی ہنڈیوں کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کی مدت بہت قلیل یعنی تین، چھ، بارہ ماہ یا بعض اوقات اس سے بھی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ شرح سود غیر معین اور بالعموم ادنیٰ ہوتی ہے۔ ۳۱ر مارچ ۱۹۱۴ء کو تیرہ ملین پونڈ کی خزانے کی ہنڈیاں نافذ تھیں۔ اس قسم کی ہنڈیوں کی طلب بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جو اصلدار اپنا سرمایہ عندالطلب رکھنا چاہیں ان کے لیے وہ باعث سہولت ہیں۔ وہ قابلِ بیع وشری ہوتی ہیں۔ ہر شخص انھیں پیش کر کے رقم حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ منتقل کرنے کے لیے کوئی باضابطہ کارروائی کی ضرورت نہیں بلکہ محض اس کے حوالے کر دینا کافی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ادائی ٹکس میں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ عارضی قرضے کی مقدار حتی الوسع کم سے کم ہو۔ اور اگر ایسے

حالات پیدا ہو جائیں جن کی بدولت اس کی عارضی نوعیت باقی نہ رہے تو ضروری ہے کہ اس کا کچھ حصہ مدامی قرضے سے بدل دیا جائے۔ بعض اوقات ایسی ضروریات پیش آتی ہیں کہ عارضی قرضہ غیر معمولی طور پر بڑھ جاتا ہے اور اس کی مدت میں توسیع کرنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً جنگ فرانس و جرمنی کے موقع پر اس قسم کی ضرورت پیش آئی تھی۔ نیز ۱۸۸۹ء میں جبکہ برطانوی کانسل مخصوص طور پر تبدیل کیے گئے تھے۔ عارضی قرضہ "تمسک خزانہ" کی شکل میں بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ تمسکات اس وقت جاری کیے جاتے ہیں جبکہ کسی خاص خدمت کی انجام دہی کے لیے حکومت کو سرمائے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ان کی شرح سود اور مدت واپسی دونوں معین ہوتے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس قسم کے تمسکات کی مقدار ۲ کروڑ پانچ لاکھ پونڈ تھی جو ۱۹۱۵ء میں واجب الادا تھے۔ مسٹر گلیڈسٹون نے ۱۸۵۳ء میں اس قسم کے تمسکات پہلی مرتبہ جاری کیے تھے۔

اختتام پذیر سالیانے۔ یہ ایک طرح کا ذخیرۂ ادائی ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ مدامی قرضے کو عارضی قرضے کی شکل میں بدل دیا جائے۔ مدامی قرضے کا کچھ حصہ سربستہ مالیت کی شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور اس طرح ایک مدت معینہ کے اندر اصل اور سود دونوں خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۱۴ء کے تخمینے کے مطابق برطانیہ کے اختتام پذیر سالیانوں کی سربستہ مالیت ۲۹۵۵۲۱۹ پونڈ تھی۔ ان سالیانوں کا ایک بڑا حصہ ڈاک خانے والے سیونگ بنک اور چانسری کے سرمایوں پر مشتمل ہے۔ کمشنران قرضۂ قومی نے ان سرمایوں سے کانسل خرید لیے اور بعد ازاں انھیں اختتام پذیر سالیانوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جو تقریباً بیس سال کی مدت میں ختم ہو جاتے ہیں۔ سیونگ بنک اور چانسری کی جائدادوں کو اب جو رقمیں ہر سال ادا کی جاتی ہیں وہ دو اجزا پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایک تمسکات کا سود، دوسرے اصل کی کچھ مقدار جو اس طرح معین کی جاتی ہے کہ سالیانے کی مدت ختم ہونے تک وہ کاروبار میں مشغول ہو ہو کر اصلی تمسک کے مساوی ہو جاتی ہے۔

۱۲۸

رعایا پر بہ حیثیت مجموعی ان سالیانوں کا یہ اثر پڑتا ہے کہ جب تک وہ

جاری رہتے ہیں، انھیں زیادہ ٹکس ادا کرنا پڑتا ہے اور جب ان کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو قومی قرضے کا ایک بڑا حصہ وقتِ واحد میں مٹ جاتا ہے ۱۸۶۸ء میں مسٹر گلیڈسٹون نے اختتام پذیر سالیانوں کے اصول کو قطعی طور پر اختیار کیا۔ ۱۸۸۴ء میں اس کی تجدید کی گئی اور اب تو وہ تخفیفِ قرضہ کا ایک مسلمہ طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

سرکاری قرضے یا تو اندرونی ہوتے ہیں، یعنی باشندگانِ ملک خود ہی تمام وکمال انھیں مہیّا کردیتے ہیں یا بیرونی یعنی وہ کلیتہً کسی نہ کسی غیر ملک سے حاصل کیے جاتے ہیں، یا وہ نہ محض اندرونی ہوتے ہیں نہ بیرونی بلکہ اہلِ ملک اور اغیار، دونوں ان کی فراہمی میں ساتھ ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ جہاں تک برطانوی قرضے کا تعلق ہے وہ زیادہ تر اندرونی ہے۔ سرکاری قرضوں کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔ (۱) ایک تو یہ کہ جو اندوختے صنعت وحرفت کے کام نہیں آرہے ہیں وہ اس قرضے کی فراہمی میں کام آئیں اور اس طرح جو دولت ملک کے اندر یا باہر کسی نہ کسی تخمینی کاروبار میں صرف ہوتی، اس سے حکومت کے اغراض کے لیے استفادہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں سرکاری قرضوں کی بدولت اُس اصل میں کمی نہ ہونے پائے گی، جو ملک کی صنعتوں کے کام آرہا ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو دولت ابتک خانگی طور پر پیداآور کاروبار میں لگائی جارہی تھی، وہ سرکاری قرضوں کی فراہمی میں لگ جائے۔ ایسی صورت میں اگر سرکاری خرچ پیداآور اغراض کے لیے نہ ہو تو ملک کے صنعتی اصل میں لازمی تخفیف ہوگی۔

جن صورتوں میں سرکاری قرضے کی بدولت ملک کے وسائل پر بیجا بار پڑنے کا قرینہ ہو، وہاں بیرونِ ملک سے قرضہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غریب ملک اور نوعمر نوآبادیات، دولتمند ممالک سے قرضہ حاصل کرتے اور ان کے زائد از ضرورت اندوختوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ اگر قرض لینے والا ملک ان اندوختوں کو ایسے کاروبار میں لگائے جن کی بدولت اس کے وسائل میں ترقی ہو تو اس حالت میں قرضے کی بدولت دنیا کے مجموعی اصل میں اضافہ ہوگا۔ گو اس پر سود ادا کرنا پڑے گا لیکن بہ مقابل منافع کے وہ بہت قلیل ہوگا۔ غرض قرضے کی

۱۴۵

قوموں کو معاشی کاروبار میں لگانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو قرض لینے والے ملک کی ترقی اور نشوونما میں مدد ملے گی اور دوسری طرف قرض دینے والا ملک بھی سود حاصل کرکے زیادہ دولتمند بنتا جائے گا۔ مزید براں اس کی بدولت بین الاقوامی تجارت میں توسیع ہوگی اور اس توسیع سے قرض گیر اور قرض دہندہ دونوں ملک مستفید ہوں گے۔ ہندوستان اور آسٹریلیا کے صنعتی نشوونما میں برطانوی اصل سے بہت بڑی مدد ملی ہے ان ملکوں نے جس قدر معاشی ترقی کی ہے، وہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ کیونکر بیرونی قرضوں کے نتائج قرض گیر اور قرض دہندہ دونوں ملکوں کے حق میں نفع بخش ہوتے ہیں۔

برطانوی نوآبادیات کے قرضے زیادہ تر پیدا آور اغراض کے لیے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان کی [illegible] ریلیں، سڑکیں، بندرگاہیں، ذرائع آب پاشی اور متعدد دوسرے [illegible] انجام دیتے رہے ہیں۔ اس طرح ان ممالک کی رفتار ترقی تیز ہوگئی اور وہ بہت جلد تہذیب و تمدن کے ایک اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے۔ باوجود اس کے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر قرض حاصل کرنا بہت آسان ہو جائے اور اس کی ادائی پر وقت کی متعلق کوئی پابندی نہ رہے تو اندیشہ ہے کہ بعض حکومتیں فضول خرچی میں مبتلا ہو جائیں۔ اور ایسی تجاویز پر روپیہ خرچ کر ڈالیں جو یا تو قبل از وقت ثابت ہوں یا غیر پیدا آور نکلیں۔ بعض نو عمر نوآبادیات نے اس طرح جلد ترقی کرنے کی ہوس میں اپنے آپ کو بھاری بھاری رقموں کے بوجھ سے لاد لیا ہے اور بہت سی [illegible] حکومتیں اس طرز عمل کی بدولت دیوالیہ اور ادائی قرضہ سے انکار کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ اس کی وجہ سے ان کا قومی اعتبار تباہ ہوگیا اور ان کی خوشحالی میں ایک زبردست رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

١٣٠ قومی قرض گیری کے مناسب و نامناسب ہونے کے متعلق کوئی عام اصول نہیں بنائے جاسکتے۔ اس مسئلے کا مدار تو ہر ملک کے مخصوص حالات پر ہوتا ہے۔ ہر ملک قرض حاصل کرنے کا کوئی خاص طریقہ اختیار کرتا ہے اور ادائی قرض کی کوئی مخصوص صورت تجویز کرتا ہے۔ کوئی ایک طریقہ اور کوئی ایک تجویز تمام ممالک کے لیے یکساں مفید نہیں ہوسکتی۔

قرض گیری کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر قرض حاصل کرنا ناممکن ہو یا دشوار ہو تو جنگ کے مصارف محدود ہو جاتے ہیں اور ان کا ادائی ٹیکس کی جس قدر استطاعت ہوتی ہے اس سے نہیں بڑھنے پاتے۔ لوگ فوراً جنگ کرنے پر مستعد نہیں ہو سکتے اور اگر جنگ چھڑ جائے تو اس کو بہت عرصے تک نہیں جاری رکھ سکتے۔ برخلاف اس کے جب قرض گیری کی سیدھی سادی ترکیب موجود ہوتی ہے جس کا بار زیادہ تر آئندہ آنے والی نسلوں پر پڑتا ہے تو پھر جنگ چھیڑنے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور نہ چھڑنے کے بعد وہ جلد ختم ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ بات سراسر خلاف انصاف بھی معلوم ہوتی ہے کہ کوئی نسل اپنے غیر پیدا آور اخراجات کا بار آئندہ آنے والی نسلوں پر ڈال دے۔ ظاہر ہے کہ آئندہ نسلوں کو بھی اپنی خاص خاص مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اپنے خاص خاص بوجھ اٹھانے پڑیں گے۔ ایسی صورت میں یہ بات انصاف کی اور حب الوطنی دونوں کے خلاف ہے کہ ان کے لیے وراثت میں ایک ایسا قرضہ چھوڑا جائے جو موجودہ نسل کی ناعاقبت اندیشی یا حرص وطمع کا نتیجہ ہو۔ موروثی قرضوں کے بار سے نہ خاندانوں کو استقامت نصیب ہوتی ہے اور نہ قوموں کو۔

یہ استدلال اس قدر قطعی ہے کہ اس کی رو سے کوئی قوم آئندہ نسلوں پر مدامی قرضوں کا بار صرف اسی وقت ڈال سکتی ہے جبکہ قومی وجود خطرے میں ہو یا تحفظ آزادی کے لیے لڑنا ضروری ہو یا جنگ بالکل ناگزیر ہو۔ اگر کسی قوم پر ایسا وقت آ گیا ہو یا کوئی بڑا اصول قربان کیا جانے والا ہو جس سے ملک کا مستقبل ہمیشہ کے لیے متاثر ہونے والا ہو تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ ان مصارف کا بار اٹھانے میں آئندہ نسلیں بھی شریک ہوں۔ کیونکہ وہ لڑائیوں کی مصیبتوں میں حصہ نہیں لے سکتیں۔ مزید برآں ممکن ہے کہ کسی لڑائی کا بار اٹھاتے اٹھاتے ایک حد ایسی پہنچ جائے کہ مزید ٹیکس کا بار نہ صرف ناقابل برداشت ہو بلکہ شاید ملک کی معاشی استقامت کے لیے مہلک ہو۔ ایسی صورت میں قرض گیری کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے لیکن ان مستثنیات کو چھوڑ کر جو مسلک دراصل عقلمندی پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ ہر نسل اپنے زمانے کے اخراجات کی خود ہی کوئی سبیل کرے۔ بالخصوص جو معاملات دوامی مشاغل کی شکل کے نہیں ہوتے بالفاظ دیگر جن سے آئندہ کوئی آمدنی حاصل ہونے کا قرینہ نہیں ہوتا ان کے لیے

جس قدر سرمایہ مطلوب ہو، وہ بہ آسانی خود ہی مہیا کرنا چاہیے۔ آدم اسمتھ اور ڈیوڈ ہیوم نے
اپنے اپنے زمانے میں قومی قرضے کو بڑھتا ہوا دیکھ کر سخت دہشت کا اظہار کیا تھا۔
ان دونوں کا یہ خیال تھا کہ قرضے کی روز افزونی ایک قسم کا شگون بد ہے جو قومی دیوالیہ
پن کی علامت اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اس سے چند سال بعد مکالے اسی صورت حال کو
بہ اطمینان دیکھتا ہے۔ قوم کی تمدنی کاروبار روز افزوں اضافہ اور معیار زندگی کی
عام ترقی سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس قسم کی پیشین گوئیوں کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ وہ اس بات کا
مدعی ہے کہ بہ مقابلہ قرضہ جات کے قوم کے وسائل میں بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے اور
قرضوں کا بار حقیقتاً گھٹ رہا ہے۔ مگر ... اس خیال سے لوگ غلط فہمی میں
مبتلا ہو گئے اور یہ رائے قائم کر لی کہ برطانیہ کی قومی ترقی کا حقیقی سبب اس کا قومی قرضہ
ہے گویا قومی قرضے نے آپ اپنے ذریعے سے ایک ایسا سرمایہ پیدا کر دیا ہے جو
زیادہ دولت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رائے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اصل
میں قومی قرضہ اضافہ دولت کا باعث ہو سکتا ہے جبکہ وہ مناسب طور پر استعمال
کیا جائے۔ اس طرح قرضہ بھی صرف اسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ اس کا مقصد کسی
ایسے ملک کے لیے پیدا آور اصل مہیا کرنا ہو جو نوعمر اور ہونہار ہو، جہاں محنت کی افراط ہو
اور زرخیز زمین کی کوئی قلت نہ ہو، غرض جہاں سوائے سرمایہ کے دوسرے تمام
ذرائع ترقی موجود ہوں۔ اس کے علاوہ ہر صورت میں جس طرح خانگی قرضہ قرضدار پر
بوجھ ہوتا ہے اسی طرح قومی قرضہ بھی ملک و قوم پر محض ایک قسم کا بار ہے۔ مثال کے
طور پر برطانوی قوم کو لیجیے جو ہر سال تقریباً بیس ملین پونڈ ٹیکس محض اس غرض سے
ادا کرتی ہے کہ ایک صدی قبل جنگ آزمائی کے لیے جو قرضہ لیا گیا تھا اس کا سود
ادا کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ٹیکس وصول کرنا قوم کے حق میں مفید نہیں کہا جا سکتا
گو سود حاصل کرنے والے خود برطانیہ ہی کے باشندے ہوں اور گو وہ اپنا منافع
ملک ہی میں خرچ کرتے ہوں۔ غرض ہم لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمیں چند
۱۳۲ ایسی تجاویز اختیار کرنی چاہئیں جن کی بدولت قومی قرضے میں تخفیف ہو حتیٰ کہ
رفتہ رفتہ وہ بالکل معدوم ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ جوں جوں قوم کی خوشحالی میں
اضافہ ہوتا ہے قرض کا بار نسبتاً ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ مزید برآں ۱۸۱۵ء کے حالات کا

۱۳۴ مخصوص حالات، ادائی قرضہ کے شرائط، ان تمام باتوں پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ قرضے یا تو کسی مقررہ قیمت پر دیے جاتے ہیں یا ایک کمترین حد معین کردی جاتی ہے اور جو بھی سب سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو، اسی کو قرضہ دیا جاتا ہے۔ ایک اور لحاظ سے قرضے تین قسم کے ہوتے ہیں: قرضہ مساوات، قرضہ تحت مساوات اور قرضہ فوق مساوات۔ بعض اوقات جب کوئی حکومت قرض لینا چاہتی ہے تو اُسے مناسب شرح سود پر قرضہ حاصل کرنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ ایسی صورت میں جانے اس کے کہ اعلیٰ شرح سے سود ادا کرے وہ اس بات کو پسند کرتی ہے کہ قرضے کی بابت جس قدر رقم درحقیقت وصول کی جائے اس سے زیادہ مقدار کا کاغذ لکھ دے۔ اس طریقے سے آنے والی نسلوں پر زیادہ بار پڑتا ہے اور تبدیل قرضہ سے آئندہ مستفید ہونے کا کوئی موقع نہیں باقی رہتا۔ مثلاً پٹ نے ۳۳ کروڑ ۵۴ لاکھ پونڈ کے تمسکات ادنیٰ شرحوں کے ساتھ جاری کیے تھے لیکن حکومت کو دراصل جو رقم اس قرضے سے حاصل ہوئی اس کی مقدار ۲۰ کروڑ پونڈ تھی۔ اسی طرح سنہ ۱۹۰۶ئہ کا روسی قرضہ جو فرانس میں حاصل کیا گیا تھا، اس کی شرح سود ۵ فی صدی تھی۔ لیکن شرط یہ تھی کہ قرض بحساب ۸۹ فی صدی دیا جائے گا اور پانچ سال بعد پورے سود کی ادائی لازمی ہوگی۔ اسی کے ساتھ ایک مزید شرط یہ شامل کردی گئی تھی کہ قرضے کا ایک بڑا حصہ فرانسیسی مال و اسباب کی شکل میں حاصل کیا جائے۔ مذکورۂ بالا دونوں صورتوں میں قرض لینے والی حکومتوں کو دراصل جو رقم وصول ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ واپس کرنے کا انھوں نے معاہدہ کیا تھا اور یہ محض اس غرض سے کہ فی الحال اعلیٰ شرح پر انھیں سود نہ ادا کرنا پڑے۔ برخلاف اس کے اگر قرضہ مساوات پر یا تحت مساوات ہوتا اور شرح سود نسبتہً اعلیٰ ہوتی تو قرض کیر ملک پر فوری بار تو نسبتہً زیادہ ہوتا لیکن جب نازک وقت گذر جاتا اور سنبھلنے کے لیے کچھ مہلت مل جاتی تو قرض کیر ملک کی خوش حالی لوٹ آتی اس کا اعتبار دوبارہ قائم ہو جاتا اور اس کے تمسکات کی قیمتیں بڑھ جاتیں۔ اُس وقت حکومت پرانے قرضے کو ایک جدید ادنیٰ شرح والے قرضے کی شکل میں بدل دیتی، یعنی وہ یا تو ادنیٰ شرح پر قرض لیکر اس کے ذریعے سے قدیم اعلیٰ شرح والا قرضہ ادا کردیتی یا قدیم قرضخواہ خود ہی ادنیٰ شرح پر راضی ہو جاتے۔ یہ آخری طریقہ ہی دراصل

زیادہ عام ہے۔ کیونکہ قرض خواہ مروجہ شرح سود کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومت کے تمسکات کی مالیت بڑھ گئی ہے اور اس لیے وہ جدید ادنیٰ شرح قبول کر لیتے ہیں۔ طریقۂ بدل پذیری پر عملدرآمد کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ انگلستان میں ۱۲۴ اس کا آغاز ۱۷۱۴ء میں ہوا۔ لیکن بلحاظ مقدار کے سب سے بڑی بدل پذیری وہ ہے جو مسٹر گوشن کے ہاتھوں ۱۸۸۹ء میں واقع ہوئی۔ ان تمسکات کی مقدار ۵۸۵ ملین پونڈ تھی اور ۳ فی صدی ان پر شرح سود تھی۔ بدل پذیری کے ذریعے سے اس شرح میں پہلے ۱۴ سال کے لیے ۲¾ فی صدی تک اور بعد ازاں ۲½ فی صدی تک تخفیف کر دی گئی۔ جس زمانے میں اس تجویز پر عمل کیا جا رہا تھا، وہ امن و خوشحالی کا زمانہ تھا، حکومت کا اعتبار بڑھا ہوا تھا اور سود کی معمولی شرح میں اس قدر تخفیف ہو گئی تھی، اور یہ تخفیف اس قدر طویل مدت سے جاری تھی کہ عام طور پر لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ اس ادنیٰ سطح سے وہ اب کبھی نہیں بڑھے گی۔

مختلف ممالک میں قرضے کا کس قدر بار ہے، اس کا ٹھیک پتہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ بعض اوقات قرضے کی مجموعی مقدار کو ملک کی تمام آبادی پر تقسیم کر کے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ فی کس قرضے کی مقدار کیا ہے۔ بعض اوقات محض شرح سود کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی طریقہ قومی قرضے کے حقیقی بار کا صحیح معیار نہیں بن سکتا۔ مختلف ممالک نے مختلف شرحوں سے قرض حاصل کیا ہو، لیکن قرضے کا بار اور اس کی سختی محض شرح سود پر منحصر نہیں ہے بلکہ اور بھی متعدد باتوں پر اس کا انحصار ہے مثلاً آبادی کی کثرت، رعایا کی خوشحالی، ان کا معیار زندگی، ان میں کسب معیشت کی استطاعت اور ملک کے قومی وسائل، غرض اس قسم کے بے شمار عاملین کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ قرضۂ قومی کے بار کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ پیداآور اور غیر پیداآور قرضوں میں امتیاز کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کے قرضے کی مقدار بلحاظ آبادی فی کس ۱۵ پونڈ ہے۔ (۱۹۱۴ء) ہندوستان کی فی کس ۱۸ شلنگ۔ لیکن برطانیہ عظمیٰ میں بمقابل ہندوستان کے آمدنی کا اوسط کئی گنا زیادہ ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستانی قرضے کا بہت بڑا حصہ تو پیداآور کاموں (ریلوں اور آب پاشی) میں لگا ہے لیکن

برطانیہ کے قومی قرضے کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو ذریعۂ آمدنی کہلایا جا سکے۔ اسی طرح
نیوزی لینڈ کے قرضے کی مقدار بلحاظ آبادی فی کس ۲۰۵ پونڈ ہے، لیکن اس کا بہت بڑا
حصہ پیداآور ہے۔ تاہم ایک ایسی چھوٹی نوآبادی کے لیے خواہ اس کی قدرتی پیداوار
کتنی ہی زیادہ ہو، قرضے کی اس قدر کثیر مقدار، اگر سراسر فضول خرچی نہیں تو زائد از حیثیت
ضرور ہے۔

تخفیف قرضہ کے طریقے۔ بعض ممالک نے اپنے قرضوں کو
گھٹانے کے لیے نہایت شدید طریقے اختیار کیے ہیں۔ یا تو انھوں نے ادائی قرضہ سے
قطعاً انکار کر دیا یا سود کو زبردستی گھٹا دیا۔ عام طور پر یہ حرکت اس وقت سرزد
ہوتی ہے جبکہ حکومت نے اپنے روپے کی فضول خرچی اور اسراف سے کام لیا ہو،
یا ملک میں کوئی بڑا انقلاب رونما ہوا ہو، یا کسی تباہ کن جنگ میں اسے شریک ہونا
پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت ادائی قرضہ سے انکار کر دے، اس کے خلاف کوئی
چارہ کار نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس پر حملہ کر کے اس کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا
جائے۔ ادائی قرضہ سے انکار کر دینا نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے معیوب ہے بلکہ
قوم کے وسائل و اخلاق کے دیوالیہ پن کی وہ ایک نشانی ہے۔ اس کی بدولت
ترقی میں، زراعت اور تجارت میں موانعات پیدا ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے
قومی اعتبار مفقود ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر وہ خلاف ایمانداری ہے اسی قدر
خلاف مصلحت بھی ہے۔

قرض گھٹانے کا ایک اور طریقہ جو بہت پہلے اختیار کیا گیا تھا، یہ ہے کہ
اخراجات مختلفہ کے بعد اتفاقاً جو کچھ آمدنی بچ رہتی ہے اس سے ایک قسم کا فنڈ ادائی
بنا لیا جاتا ہے لیکن یہ ایک بہت سست رفتار اور ناکافی طریقہ ہے کیونکہ ہر سال
آمدنی کا بچ رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اخراجات زائد اور آمدنی کم
ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں تخفیف قرض کے لیے کوئی معین مقدار ہر سال نہیں
علیحدہ کی جا سکتی۔

برطانیہ کا عام قاعدہ یہ ہے کہ سالانہ موازنے میں ایک معین رقم اس غرض سے
علیحدہ کر دی جاتی ہے کہ اس سے قرض کا سود ادا کیا جائے اور بقیہ رقم ذخیرۂ ادائی

جو ادائی اصل کے لیے قائم کیا گیا ہے، شریک کی جاسکے۔ ۱۸۷۵ء سے یہ طریقہ باقاعدہ طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اس وقت جو رقم اس غرض سے مخصوص کی گئی تھی اس کی مقدار ۲۰ ملین پونڈ تھی۔ لیکن بعد کے وزرائے مالیات نے غیر معمولی اخراجات کے بہانے سے بہت غیر دانشمندانہ طریقے پر اس ابتدائی رقم میں تخفیف پیسندی حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جو رقم ادائی اصل کے لیے علیحدہ کی جاتی تھی، اس کو قطعاً ملتوی کر دیا۔

۱۷۸۶ء میں پٹ نے جو ذخیرۂ ادائی قائم کیا تھا، وہ محض ایک مالیاتی مغالطہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر پرائس نامی کوئی شخص تھا جس کے تخمینوں پر اس ذخیرے کی بنیاد تھی۔ اصول یہ تھا کہ حکومت ہر سال ایک ملین پونڈ علیحدہ کر دے اور ایک مجلس کمشنروں کے ذریعے سے اس رقم سے اپنے تمسکات آپ خرید لے۔ اس طرح سود مرکب کے حساب سے یہ رقم جمع ہوتی رہے حتیٰ کہ اس سے قرضے کی کچھ مقدار یکشت ادا ہو سکے۔ اسی وقت یہ بھی طے کیا گیا کہ آئندہ جس قدر قرضے حاصل کیے جائیں، ان کے ساتھ ہی اس قسم کا ایک ذخیرۂ ادائی بھی قائم کر دیا جائے تاکہ ادائی قرض کا مناسب انتظام ہو جائے۔ اس تجویز کی بیہودگی ایک زمانے تک مخفی رہی حتیٰ کہ ۱۸۱۹ء میں لوگوں نے صاف طور پر سمجھ لیا کہ اس طریقہ پر عمل کرنا گویا ایک جیب سے روپیہ نکال کر دوسری میں ڈال دینا ہے۔ ڈیوڈ رکارڈو نے اس مغالطے کی خوب قلعی کھولی اور ۱۸۲۹ء میں یہ ذخیرۂ ادائی بالآخر منسوخ کر دیا گیا۔

کسی زمانے میں یہ اصول بہت زیادہ مقبول تھا کہ ادائی قرضہ کے لیے خاص خاص ٹیکس علیحدہ کر دیے جائیں۔ بلکہ ۱۷۱۷ء میں والپول نے بعض ذرائع آمدنی کو سالیانوں کی ادائی کے لیے مختص کر دیا۔ جب کچھ زمانہ اور گذر گیا تو یہ تجویز پیش ہوئی کہ محصولات موت تخفیف قرضہ کے لیے مخصوص کر دیے جائیں۔ چنانچہ مسٹر گلیڈسٹون اس تجویز کے بڑے حامی تھے۔ ایک اور تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ محصول زمین کو کچھ معاوضہ لیکر آئندہ کے لیے منسوخ کر دیا جائے اور معاوضے میں جو سرمایہ حاصل ہو اسے تخفیف قرضہ کے کام میں لایا جائے لیکن ابھی تک ان دونوں میں سے کوئی تجویز اختیار نہیں کی گئی۔

ظاہر ہے کہ اگر قرضے میں درحقیقت تخفیف کرنا منظور ہے تو کوئی باقاعدہ اور مستقل طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ قرض جس طرح کسی منفرد شخص کے حق میں

بُرا ہے اسی طرح ایک قوم کے لیے بھی وہ ناپسندیدہ ہے۔ اور گو قوم کی دولتمندی میں اضافہ ہونے سے اس کا بار اٹھانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے، تاہم قرضہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو برقرار رکھنے کی خاص طور پر کوشش کی جائے۔ قوم کو اس بات پر مجبور ہونا چاہیے کہ ہر سال قرضہ کی ایک معین مقدار پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہے اور خوشحالی کے زمانے میں قصداً اس طور پر بڑی بڑی رقمیں اس غرض کے لیے علحدہ کی جانی چاہئیں۔ ہر جنگ قرضے میں کچھ نہ کچھ اضافے کی باعث ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جنوبی افریقہ کی جنگ ہی کو لیجیے جس کی بدولت ۱۶۰ ملین پونڈ کا اضافہ ہوگیا۔ تخفیفِ قرضہ میں کچھ مدت کے لیے رکاوٹ پیدا ہوگئی اور سابق میں سال کی تخفیف عملاً مفقود ہو گئی۔ اس قسم کی مجبوریوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات اور بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ امن کے زمانے میں تخفیفِ قرضہ کا کوئی باقاعدہ انتظام کیا جائے۔

۱۲۰ بعض معاشیین کا یہ خیال ہے کہ جب تک ملک میں کوئی نامناسب ٹیکس باقی ہے، اس وقت تک بہ مقابلہ قرض ادا کرنے کے ٹیکس منسوخ کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ٹیکس بہت زیادہ گراں ہے تو بغیر تخفیفِ اخراجات کے کسی مقصد کے لیے بھی مزید ٹیکس حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ ایسی صورت میں طریقِ ٹیکس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ اگر وہ خلافِ انصاف ہے تو اس کو ٹیکس کے مقررہ اصول و قوانین کے مطابق بنانا چاہیے۔ لیکن یہ ایک بالکل جداگانہ معاملہ ہے اور ٹیکس کی غرض و غایت یا اس کی مقدار سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ قرضے کا وجود ہی ٹیکس کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اگر ٹیکس نہ لگایا جائے تو پھر سود کیونکر ادا کیا جائے۔ برخلاف اس کے جب کبھی کسی موقع پر قرضے کی مقدار گھٹے گی تو ادائی سود کے لیے آئندہ ٹیکس لگانے کی ضرورت میں بھی کمی واقع ہوگی۔ چنانچہ اختتام پذیر سالیانوں کا طریقہ جس کی اوپر تشریح کی جا چکی ہے، ایک طرح کی خاص کوشش ہے جو ایک مدت تک جاری رہ سکتی ہے اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرضۂ قومی کا ایک حصہ ناپید ہو جائے۔ بعض لوگوں کی یہ تجویز ہے کہ عام طور پر چندہ کر کے قرض ادا کر دیا جائے

قطعی قابلِ لحاظ نہیں ہے۔ گویا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یا تو تمام قوم چندہ دینے میں شریک ہو جو ایک ناممکن سی بات ہے یا صرف صاحبِ املاک لوگوں پر اس کا بوجھ بار پڑے جو نہ صرف خلافِ انصاف بلکہ ناقابلِ عمل بھی ہے کیونکہ اکثر لوگوں کو اس بات کی ضرورت ہوگی کہ قومی قرضہ کی بابت اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے عارضی طور پر اعلیٰ شرحوں کے ساتھ قرض حاصل کریں۔

طریق تبدیل جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے، تخفیفِ قرضہ کی ایک نہایت موثر ترکیب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ شرحِ سود کی تخفیف کے ساتھ قرض کی مقدارِ متعارفہ میں اضافہ نہ ہو، یا قرض خواہوں کو ادنیٰ شرحِ سود قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے انعامات وغیرہ عطا کرنا نہ پڑیں۔ خود حکومت کا اعتبار اور بازارِ زر کے حالات ہی ایسے ہوں کہ ان کی بدولت ادنیٰ شرح پر تبدیل ممکن ہو سکے اس طرح سود میں کمی واقع ہونے سے جو فائدہ ہاتھ لگے گا وہ ذخیرۂ ادائی میں شامل ہو کر تخفیفِ اصل کے کام آسکے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ذخیرۂ ادائی سے مراد ایک ایسا ذخیرۂ ادائی ہے، جس میں ہر سال ایک معینہ رقم قرض کے اغراض کے لیے شریک کی جاتی ہے۔

مقامی قرضے۔ بلدیات کی عظیم الشان توسیع کی وجہ سے ایک جدید قسم کا قومی قرضہ نمودار ہوا ہے۔ یہ دراصل مجموعہ ہے بہت سے سرکاری قرضوں کا جو مقامی اغراض کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ۱۸۷۵ء کے قانون قرضہائے مقامی کے بعد سے ان قرضوں میں نہایت سرعت کے ساتھ ترقی ہوئی۔ کیونکہ اس قانون کی بدولت مقامی حکومتیں کھلے بازار میں قرض حاصل کرنے کی مجاز قرار دی گئیں۔ ۱۹۰۵ء میں سلطنتِ متحدہ کے اندر ان قرضوں کی مقدار ۵۶۲۶۳۰۰۴ پونڈ سے بھی زیادہ تھی اس میں سے ......۱۳۲ پونڈ سے بھی کچھ زائد رقم دارالسلطنت کے قرضوں کی بابت تھی۔ ۱۹۱۲ء میں سلطنتِ متحدہ کے اندر مقامی اغراض کے لیے جو سرمایہ اکٹھا کیا گیا اس کی کل مقدار ۱۶۹۳۲۵۱۱ پونڈ تھی۔ اس میں سے تقریباً ......۲ پونڈ قرضے کے ذریعے سے حاصل کیے گئے تھے۔ ۱۹۱۲ء سے پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً اس طور پر قانون منظور کر کے شاہی قرضوں سے مقامی حکومتوں کی امداد کرتی ہے۔ مقامی قرضوں کی ادائی میں پہلے جس بے احتیاطی ...

حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک قرضے کی ادائی میں سو سو سال گذر جاتے تھے۔ لیکن ۱۸۷۹ء سے مقامی قرضے مجلس حکومت مقامی کے مقرر کردہ ضوابط کے تحت حاصل کیے جاتے ہیں، جن کی رو سے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جب کبھی کوئی قرضہ حاصل کیا جائے تو ساتھ ہی ایک ذخیرۂ ادائی بھی قائم کیا جائے تاکہ ایک مناسب مدت یعنی بالعموم تیس سال کے اندر قرضہ ادا ہو جائے۔ خزانۂ شاہی نے جس قدر قرضے مقامی اغراض کے لیے حاصل کیے تھے، ۱۸۸۹ء میں انھیں قومی قرضے سے علٰحدہ کرکے تمسکات قرضہائے مقامی کی شکل میں بدل دیا گیا۔ شخصیوں کے تمسکات کا اعتبار بہت بلند ہوتا ہے اور اب وہ قانون سرمایۂ امانت میں شامل ہیں۔ شرح سود (۳) اور ۳½ فی صدی کے درمیان بدلتی رہتی ہے۔

مقامی قرضے کا بہت بڑا حصہ شہری ہے اور بلدیات کی جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ اس کی تقریباً نصف مقدار پیدا آور کاموں میں لگائی گئی ہے، مثلاً آب رسانی، گیس اور برقی روشنی کی فراہمی، بندرگاہیں، گھاٹ، پشتے، ٹریم وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک ذریعۂ آمدنی ہے بلکہ بعض صورتوں میں ان سے منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی کمی واقع ہوتی ہے تو مقامی شرحوں سے اس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ مقامی قرضے کا ایک اور بڑا حصہ نتیجہ ہے چند ایسے کاموں کا جو گو ذریعۂ آمدنی نہیں تاہم سوسائٹی کے لیے نہایت ضروری اور براہ راست نفع بخش ہیں، مثلاً مدارس، شفاخانے، پاگل خانے، محتاجوں کے کارخانے، دفاتر عامہ، حمام، کتب خانے اور آگ بجھانے کے انتظامات۔ بقیہ حصہ افادہ یا صحت عامہ کے دوسرے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ جیسے کہ موریاں، سڑکیں، چمن، پل، کھلے میدان، کم حیثیت دستکاروں کے لیے مکانات وغیرہ۔

قرض گیری کے طریقے سے سرمایہ حاصل کرنا چونکہ بہت آسان ہو گیا ہے لہٰذا ترقیات عامہ پر روپیہ خرچ کرنے کی بہت زیادہ ترغیب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق سے بیجا فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور جس سرعت سے قرضوں میں اضافہ ہو رہا ہے وہ نہایت خوفناک ہے۔ اندیشہ دراصل یہ ہے کہ اس کے تحت فضول خرچی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ اس کا بار مستقبل پر عائد ہوتا ہے لہٰذا

حکام متعلقہ کا رجحان کم و بیش تجنی نوعیت کے کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کی طرف ہوتا ہے
ان میں سے بعض کارو بار صنعتی ہوتے ہیں جنھیں نجائی اصل اور نجانگی خطرات پر چھوڑ دینا
اور ان پر صرف حسب ضرورت سرکاری نگرانی قائم رکھنا زیادہ مناسب ہوتا۔ نتیجہ
یہ ہے کہ اصل وسود کی ادائی کی خاطر بعض مقامات پر نہایت بھاری بوجھ عائد
کردیے گئے ہیں جو ان کی ترقی میں مانع ہوتے ہیں اور جب ان کی صنعتیں دوسرے مقامات کی صنعتوں
سے جہاں اتنے بھاری ٹکس نہیں لیے جاتے مسابقت کرتی ہیں تو وہ گھاٹے میں رہتی ہیں۔

قرض لینے کے طریقے کو بہت احتیاط کے ساتھ عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ اس میں
شک نہیں کہ رفاہ عام کے مناسب کام جو دیرپا قسم کے ہوں ان کے خرچ کو اتنی مدت پر
پھیلا دینا جو ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے درکار ہو ایک بالکل معقول بات ہے
لیکن ساتھ ہی اس مدت کو بہت احتیاط کے ساتھ محدود کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ خرچ کے
نئے نئے مطالبے ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہر نسل کو نئی نئی احتیاجات محسوس ہوتی رہتی ہیں
اور اس کو اپنی آمدنی سے نئے نئے مطالبات پورے کرنا پڑتے ہیں۔

شہروں کے بار کی طرح سود اور واپسی قرض کا بار بھی خاص کر مکانات وغیرہ میں بسنے
والوں پر پڑتا ہے اور کچھ حصہ زمین کے مالکوں پر بھی۔ بھاری ٹکس لگانے سے ممکن ہے کہ بعض
ٹکس ادا کرنے والے جو مقام تبدیل کرسکتے ہیں وہاں سے نکل جائیں اور سارا بار ان
لوگوں پر پڑ جائے جن میں نقل مقام کی کم قابلیت ہے۔ مدت زیادہ طویل نہ کرنے کا
اصول بلدیات پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کہ کم مرفہ آبادیات پر کیونکہ دونوں
ترقیات کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اگر قرض لینے کا اختیار اعتدال کے ساتھ عمل میں
لایا جائے اور اسے ترین اصناف اخراجات پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ
جلد جلد ترقی کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے لیکن اگر وہ ضرورت سے زیادہ تحسینی قسم کے
کاموں کے لیے روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کیا گیا تو پھر اندیشہ ہے کہ
اس علاقے کے وسائل پر بڑا بھاری مالی بار پڑ جائے اور اس طرح اس کی ساری
دولت کا خاتمہ ہو جائے جو بصورت دیگر اس کی ترقی اور نشو و نما کا باعث بنتی۔

آٹھویں فصل

مالیات کے بعض دوسرے نظام

کسی گذشتہ باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹیکس محض ایک مسئلہ تجرد نہیں ہے، بلکہ ہر ملک کا نظام اس کے تاریخی ارتقاء اور موجودہ حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ ٹیکس کے عملی انتظامات کا انحصار بہت کچھ مقامی حالات اور امکانات پر ہے جن کی بدولت متعدد ایسے واقعات نمایاں ہوتے ہیں جو اس خاص حالت کے لیے کم و بیش مخصوص ہوتے ہیں۔ بنیادی اصول تو نہیں متغیر ہوتے اور نہ ٹیکس کے قدیم معیاری قوانین سے بے رخی کی جاتی ہے بلکہ ان کا اطلاق خاص خاص اسباب کے تحت ہوتا ہے جن کا عملدرآمد ہر حالت میں یکساں نہیں ہوتا۔

ہندوستان اور فرانس میں ٹیکس کے جو نظام قائم ہیں، ذیل میں ہم ان کا ایک مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں جس سے مذکورۂ بالا بیان کی کافی تصدیق ہو جائے گی۔

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو وسعت میں تقریباً نصف یوروپ کے مساوی ہے۔ دیسی ریاستوں کو شامل کر کے اس کا کل رقبہ ۱۸ لاکھ تین ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے اور باشندوں کی تعداد ۳۱ کروڑ ۵۰ لاکھ ہے جس میں سے تقریباً ۲ لاکھ پچاس ہزار یوروپی ہیں۔ بقیہ تعداد بہت سی اقوام کا مجموعہ ہے جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ ایک اور اہم خصوصیت جس کا یاد رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ ملک کی دو تہائی آبادی کا مدار محض زراعت پر ہے اور بمقابل یوروپ کے ان کا معیار زندگی بلاشبہ بہت ادنیٰ ہے۔ جہاں تک ان کے کسب معیشت، طریق زندگی اور رعایا کا تعلق ہے، قدیم رسم و رواج، ذات پات اور روایات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہے۔ ۱۴۲-۱۴۳

۱۹۱۶-۱۵ء میں ہندوستان کے مداخل و مخارج حسب ذیل تھے

	خام	خالص
داخل	۸۴۴۱۴۰۰۰ پونڈ	۵۵۹۶۱۰۰۰ پونڈ
مخارج	۸۵۶۰۲۰۰۰ پونڈ	۵۷۱۴۳۰۰۰ پونڈ

خام اور خالص اعداد میں جو فرق نظر آتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ حکومت ہند ملک کی ترقی کی خاطر پیداآور اور کاموں (ریلیں، آب پاشی، نہریں وغیرہ) پر ہر سال بہت بڑی رقم صرف کرتی ہے اور ان کاموں کی وجہ سے جو آمدنی اور اخراجات لاحق ہوتے ہیں، وہ سب خام آمدنی اور خرچ کے تحت نظر آتے ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں اس قسم کے کاروبار خانگی اصول سے چلائے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اصول اور کاروباری قابلیت کی بہت قلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں ترقی کی اُمنگ پیدا کرنے اور ملک کے معاشی حالات کو سدھارنے کی ذمہ داری ملک کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس قسم کے ضروری اور نفع بخش کاروبار کی بابت جس قدر آمدنی اور اخراجات ہوتے ہیں نیز وہ جو افیون کی کاشت اور تیاری سے متعلق ہیں منہا کر دیے جائیں۔ اس کے بعد جیسے مداخل و مخارج کے جو اعداد دستیاب ہوتے ہیں، ان سے ہندوستان کی مالی حالت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

مداخل خالص ۱۹۱۶-۱۵ء

مالگزاری	۲۱۲۶۰۰۰۰ پونڈ
جنگلات	۲۰۶۵۰۰۰ پونڈ
افیون	۷۹۶۰۰۰ پونڈ
	۲۴۰۹۱۰۰۰ پونڈ

محصول:-

نمک	۳۳۷۳۰۰۰ پونڈ
اسٹامپ	۵۳۷۰۰۰۰ پونڈ

آبکاری	۸۴۹۸۰۰۰ پونڈ
صوبہ داری شرحیں	۴۲۰۰۰ پونڈ
کروڑگیری	۵۷۲۰۰۰۰ پونڈ
محصول آمدنی	۲۰۹۰۰۰۰ پونڈ
رجسٹری	۵۱۸۰۰۰ پونڈ
	۲۵۶۱۸۰۰۰ پونڈ
تجارتی کاروبار:-	
ڈاک، تار	۶۳۸۰۰۰ پونڈ
ریلوے کی آمدنی	۳۰۷۵۰۰۰ پونڈ
آب پاشی	۱۰۵۸۰۰۰ پونڈ
	۵۷۷۱۰۰۰ پونڈ
متفرق:-	
دیسی ریاستوں کے خراج	۳۰۴۰۰۰ پونڈ
مسالہ دارالضرب وغیرہ	۸۷۰۰۰ پونڈ
	۳۹۱۰۰۰ پونڈ
جملہ مداخل خالص:-	۵۵۹۶۱۰۰۰ پونڈ

مخارج خالص سنہ ۱۹۱۴-۱۵ء

خدمات قرضہ	۹۴۰۰۰ پونڈ
فوج بحریہ اور فوجی کام	۲۲۲۶۱۰۰۰ پونڈ
تحصیل آمدنی	۶۶۹۸۰۰۰ پونڈ

خدمات دیوانی	۲۶۹۵۹۰۰۰ پونڈ
امداد قحط	۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ
صوبہ واری فاضلات	۱۳۱۰۰۰ پونڈ
	۵۴۱۳۳۰۰۰ پونڈ

---

۱۴۲ مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہے کہ زمین آمدنی کا خاص ذریعہ ہے۔ اس سے تقریباً ۴۰ فی صدی خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ مختلف قسم کے محصولوں سے ۲۵۶۶۲۰۰۰ پونڈ یا ۳۵ فی صدی آمدنی دستیاب ہوتی ہے۔ اور باقی تمام ذرائع سے ۹۲۵۲۰۰۰ پونڈ یا ۱۳ فی صدی۔ آمدنی کا ایک بڑا حصہ ان پیداآور یا تجارتی قسم کے کاروبار کا نتیجہ ہے جنھیں خود حکومت چلاتی ہے۔ تقریباً تمام ریلیں اب حکومت کی ملک ہونی ہیں۔ اور آئندہ جب بڑی بڑی لائنوں کی خریدی مکمل ہو جائے گی تو اس ذریعے سے کثیر آمدنی حاصل ہونے کا قرینہ ہے لیکن اس کے لیے ابھی تقریباً چالیس سال کی مدت درکار ہے۔

خرچ خاص کر دو عنوانوں میں منقسم ہے۔ فوجی ۲۲۲۶۱۰۰۰ پونڈ اور دیوانی ۲۶۹۵۹۰۰۰ پونڈ۔ ملک کی وسعت اور کثیر آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے فوجی اخراجات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ اور جہاں تک دیوانی اخراجات کا تعلق ہے ان میں وہ بے شمار کاروبار شامل ہیں جو حکومت کی غیر معمولی جد و جہد کا نتیجہ ہیں۔

گذشتہ پچاس سال کے دوران میں ہندوستان نے زبردست ترقی کی ہے۔ اور ٹیکس کا بار ہندوستانی قوم پر جس قدر خفیف ہے، غالباً کسی اور مہذب قوم پر نہیں۔ ٹیکس کا اوسط فی کس صرف ۲ شلنگ ۲ پنس ہے۔ اور مالگزاری فی کس مزید ۱ شلنگ ۸ پنس کا باعث ہے۔

نمک، افیون، کروڑگیری، محاصل، ریلوے وغیرہ سے جس قدر آمدنی حاصل ہوتی ہے، وہ شاہی اخراجات کے لیے مخصوص ہے اور زمین، اسٹامپ، آبکاری، چنگی، تشخیص شدہ محصول وغیرہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ شاہی اور

صوبہ واری حکومتوں کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہے۔

زمین ہندوستان میں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لگان یا ٹیکس کی شکل میں اس سے ۲۱۲۶۰۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ رقم ٹیکس نہیں کہلائی جا سکتی بلکہ وہ زمین کا لگان ہے جو کاشتکار سرکار کو ادا کرتے ہیں۔

۱۲۵ زمانۂ قدیم سے حکومت ہی زمین کی اصلی مالک تسلیم کی جاتی ہے اور ملک کے بہت بڑے حصے پر وہی زمیندار بھی ہے۔ برطانوی علاقے کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس آمدنی کی تمام مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے علاوہ رقبۂ کاشت بھی وقتاً فوقتاً وسیع ہوتا گیا۔ یا تو نیا زمینیں قابل کاشت بنائی گئیں یا جو قطعات ابتک کم و بیش ویران پڑے ہوئے تھے ان میں ذرائع آب پاشی مہیا کیے گئے۔ اس طرح بھی زمین کی آمدنی بڑھتی گئی۔ لیکن اس اضافے کے ساتھ ساتھ لگان کی شرحیں میں عام طور پر تخفیف ہوتی گئی چنانچہ زمین کی مجموعی پیداوار کا ۱۰ فی صدی حصہ حکومت کو بطور لگان کے ملتا ہے۔ لگان کے علاوہ زمین پر کچھ مقامی ٹیکس بھی لگائے جاتے ہیں جن سے سڑکوں کی مرمت اور مدارس، شفاخانوں وغیرہ کے اخراجات چلائے جاتے ہیں۔ بلدیات کی آمدنی زیادہ تر آکٹرائے اور زمین، مکانات، گاڑیوں اور جانوروں کے محاصل سے حاصل کی جاتی ہے۔

جنگلات کا کام حکومت ہند نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک کو ایک نہایت قیمتی جائداد حاصل ہو گئی ہے جس کا رقبہ ۲۴۰۰۰۰ مربع میل سے بھی زائد ہے سرکار کے اس کاروبار کی بدولت رعایا کو ایک ضرورت کی چیز دستیاب ہو جاتی ہے اور بہت سے مزدور روزی سے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ بے اعتنائی کے ہاتھوں جنگل کے جنگل تباہ ہو رہے تھے اور ایسی اہم ضرورت کی چیز ملک سے نایاب ہوتی جا رہی تھی۔ ۱۹۱۲-۱۵ء میں جنگلات سے ۲۰۶۵۰۰۰ پونڈ خالص آمدنی حاصل ہوتی تھی۔

افیون حکومت کا ایک اجارہ ہے۔ برطانوی ہند کے صرف تین صوبوں اور وسط ہند کی دیسی ریاستوں میں اس کی کاشت ہو سکتی ہے۔ اس کی فروخت

کے لیے محصول ادا کرنا اور لیسنس حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اور خشخاش کی کاشت کے لیے بھی لیسنس حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ برطانوی علاقے سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے، حکومت کے گماشتے اُسے مقررہ قیمتوں پر خرید لیتے ہیں۔ حکومت کے کارخانوں میں افیون تیار کی جاتی ہے اور کلکتے میں بذریعۂ ہراج فروخت کردی جاتی ہے۔ وسط ہند کی مالوہ والی افیون جب برطانوی علاقے میں داخل ہوتی ہے تو اس پر محصول عبور لگایا جاتا ہے۔ ۱۹۱۰-۱۱ء میں خالص آمدنی ۷۶۶۰۰۰ پونڈ تھی۔ چین پہلے افیون کا خاص بازار تھا۔ گفت و شنید کے بعد بتدریج یہ تجارت روکی گئی تھی حتیٰ کہ ۱۹۱۳ء میں وہ قطعاً موقوف ہوگئی۔

محصول آمدنی سے ۱۹۱۰-۱۱ء میں جو خالص رقم ہاتھ لگی، اس کی مقدار ۲۰۹۰۰۰۰ پونڈ تھی۔ کم سے کم آمدنی جس پر آج کل یہ محصول لگایا جاتا ہے، وہ ایک ہزار روپیہ ہے ۲۰۰۰ روپیہ سے کم آمدنیوں پر شرح ٹکس ۲ فی صدی ہے۔ ۲۰۰۰ روپیہ اور اس سے زائد پر ۲½ فی صدی ہے۔ گویا ادنیٰ شرح کے مطابق انکم ٹکس فی پونڈ ۵ پنس اور اعلیٰ شرح کے مطابق فی پونڈ ۶¼ پنس ہے۔ جن اشخاص کی آمدنی ۵۰۰۰ روپیہ ہو، ان سے ایک زائد ٹکس بھی وصول کیا جاتا ہے جس کی شرح فی پونڈ ۱ شلنگ ۳ پنس اور ۳ شلنگ ۹ پنس کے درمیان ہوتی ہے۔ انکم ٹکس کا اثر زیادہ تر بڑے بڑے زمیندار، تجار، عہدہ داران سرکاری اور علمی پیشہ والوں پر پڑتا ہے۔

محصول نمک بجز اُس خفیف محصول کے جو سوتی چیزوں پر لگایا جاتا ہے، محصولِ نمک ہی ایک ایسا محصول ہے جس کا بار رعایا پر پڑتا ہے۔ ۱۹۱۰-۱۱ء میں اس محصول سے ۳۳۲۷۳۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ نمک کی کچھ مقدار تو باہر سے درآمد ہوتی ہے اور کچھ مقامی طور پر کانوں سے اور بذریعہ تبخیر حاصل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۰-۱۱ء میں اس پر جو محصول کروڑگیری یا محصول چنگی لگایا جاتا تھا، اس کی شرح فی من (۸۰ پونڈ) ایک روپیہ تھی۔ اگر نمک کے سالانہ صرف کا اوسط نکالا جائے تو اس حساب سے شرح محصول فی کس ۳ پنس ہوتی ہے۔ بسا اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ زراعت پیشہ طبقے پر یہ ٹکس بہت گراں ہے۔

فی ہنڈرڈ ویٹ ۴ پنس محصول برآمد لگانے سے ۶۰۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان جس قدر ممکن ہو سکتا تھا، ہندوستان میں تجارتِ آزاد پر عملدرآمد جاری رہا۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں جب روپے کی قدر گھٹ گئی اور اس کی وجہ سے بہت سی مشکلات رونما ہوئیں تو وسائل آمدنی میں توسیع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اسی بنا پر یہ تجویز منظور کی گئی کہ آمدنی کی اغراض کے لیے ایک عام محصول درآمد بشرح ۵ فی صدی عائد کیا جائے۔ ان محاصل کا مقصد ملکی صنعتوں کی تامین نہیں بلکہ محض آمدنی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر ملک کے اندر جو سوتی اشیا تیار ہوتی تھیں، ان پر اسی شرح سے محصول چنگی عائد کیا گیا۔ اس محصول کے لیے صرف سوتی اشیا کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی دیسی صنعتوں میں صرف یہی ایک ایسی صنعت تھی جو بیرونی ممالک سے مسابقت کر سکتی تھی۔ اس کے بعد فوراً ہی سوتی مصنوعات پر جو محصول کروڑگیری اور محصول چنگی لگائے جاتے تھے، ان دونوں میں تخفیف کی گئی اور ان کی شرح ۳½ فی صدی بحساب قیمت قرار پائی۔ لوہے اور فولاد کی درآمد پر ایک فی صدی محصول لگایا جاتا ہے اور مشینری تو زیادہ تر بلا محصول ملک میں داخل ہوتی ہے۔

۴۴ ڈاک اور تار کی خدمات ہندوستان میں نہایت ہی خوبی کے ساتھ انجام دی جاتی ہیں اور ساتھ ہی وہ ارزاں بھی ہیں۔ ۱۹۱۰-۱۱ء میں آمدنی ۴۳ لاکھ ۸۸ ہزار پونڈ اور خرچ ۳۰ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ تھا۔ سرمایۂ خرچ شدہ کی مقدار ۵۸ لاکھ پونڈ تھی۔ ان خدمات کی وجہ سے ہندوستان پر کوئی بار نہیں پڑتا اور ان سے بہت قلیل آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ دستاویزات کی رجسٹری کی بابت جو تھوڑی سی آمدنی حاصل ہوتی ہے، وہ بطور معاوضۂ خدمت کے ہے اور اس کا بار ایک محدود طبقے پر عائد ہوتا ہے۔

ریلیں ہندوستان میں ۳۵۸۳۳ میل کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ بیرونی اصل کی مدد سے جاری کی گئی تھیں اور اب وہ سرکاری ملک ہیں اور سرکار ہی ان کا انتظام کرتی ہے۔ ۱۸۹۹ء تک ان کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی تھی کہ اس سے ان کے اخراجات نکل سکیں۔ لیکن اب ان کی بدولت خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے جس کی مقدار ۱۹۱۰-۱۱ء میں ۳۰ لاکھ ۵۵ ہزار پونڈ تھی۔ واضح رہے کہ یہ مقدار وہ ہے جو

مصارف کاروبار، اصل کا سود، اور ادائی قرض کی مد اتنی رقمیں سنبھالنے کے بعد بچ رہی تھی۔
کل سرمایہ جو ریلوں کی تعمیر میں لگایا گیا ہے، اس کی مقدار ۳۹۱۵۱۵۰۰۰ پونڈ ہے۔

آب پاشی۔ سرکار نے آب پاشی پر بہت بڑی رقمیں صرف کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً ۲ کروڑ ۰۵ لاکھ ایکڑ زمین کاشتکاری کے لیے حاصل ہو سکی ہے۔ اور اس طرح لاکھوں زراعت پیشہ اشخاص روزی کمانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ [illegible] میں آب پاشی سے جو خالص آمدنی حاصل ہوئی اس کی شرح سرمایہ خرچ شدہ (۰۰۰...۱۰ پونڈ) سے لگا کر ... فی صدی تھی۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ [illegible] جن پر نہریں جو فصلیں اگائی جاتی ہیں ان کی مالیت سرمایہ صرف شدہ پر ۰۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہے۔

ہندوستان کا قرضہ۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں ۲۷ کروڑ ۷۴ لاکھ ۲۵ ہزار پونڈ تھا اور حکومت کی دوسری ذمہ داریوں (سیونگ بنک، سرویس فنڈ وغیرہ) کی مقدار ۳ کروڑ ۹۲ لاکھ ۷۲ ہزار پونڈ تھی۔ اس میں سے حکومت نے ۱۵ کروڑ ۳۸ لاکھ ۲۵ ہزار پونڈ ریلوں کی تعمیر میں، اور ۳ کروڑ ۳ لاکھ ۷۴ ہزار پونڈ سرکار نے آب پاشی پر خرچ کیے ہیں۔ یہ مصارف نہ صرف ملک کے نشوونما کا باعث ہوئے ہیں بلکہ ان کی بدولت ملک کے لیے حصول منافع کی ایک صورت نکل آئی ہے اور آمدنی کا ایک دائمی ذریعہ پیدا ہو گیا ہے۔ مزید برآں حکومت نے نقد قیمت ادا کر کے یا سالیانوں کے ذریعے سے ریلیں خریدیں جن پر کمپنیوں کے ۰ کروڑ ۰۸ لاکھ ۹۲ ہزار پونڈ خرچ ہو چکے تھے۔ ۱۴۹
دیسی ریاستوں، بندرگاہی کمشنروں، شخصیوں، اور کاشتکاروں وغیرہ کو جو قرضے دیے گئے ہیں ان کی مقدار ایک کروڑ ۱۵ لاکھ ۰۵ ہزار پونڈ، اور ریلوں کے قرضوں کی مقدار ۰۰ لاکھ ۰۵ ہزار پونڈ ہے۔ سرمایہ ذخیرہ طلا جو انگلستان میں ہے اور نقد فاضلات کی مقدار ۲ کروڑ ۵۵ لاکھ ۰۰ ہزار پونڈ ہے۔ غرض جس قدر سرمایہ ان مختلف صورتوں میں مشغول ہے وہ مجموعی طور پر قرضے کی مقدار سے کچھ زائد ہی ہے اور ان سے جس قدر منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرضے کا سود ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہاں کوئی بے فنڈ (یعنی عارضی) قرضہ نہیں ہے۔ یورپین ممالک کے بڑے بڑے جنگی قرضوں، نیز ان کے بے انتہا جنگی و انتظامی اخراجات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مالیات نہایت قابل اطمینان

حالت میں ہیں۔

ہندوستان کے مخصوص حالات، اس کے مختلف اقوام کی تاریخ اور ان کے خصوصیات، اور ان کے جداگانہ نصب العین اور طرز زندگی، ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر جب وہاں کے موجودہ مالی نظام کے نتائج پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس کا نامناسب و ناموزوں ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہاں حالات برطانیہ عظمیٰ سے بالکل مختلف ہیں، لیکن پھر بھی آدم اسمتھ کے قوانین کی پابندی کی جاتی ہے۔ ایک طرف تو کفایت اور پیداآوری کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف ٹیکس کے بار کو ہر شخص کی استطاعت کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ قانون مساوات کی خلاف ورزی نہ ہو۔

۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے تجارتی مال و اسباب کی برآمد بقدر ...۱۵۱۴۳۱۲ پونڈ اور درآمد بقدر ...۹۶۶۲۱ پونڈ تھی۔ اس کے علاوہ سونے چاندی کی برآمد و درآمد ترتیب وار بقدر ...۳۵۲۶ پونڈ اور ...۱۴۵۴ پونڈ تھی۔ ہندوستان کے ناموافق توازن کی تشریح یہ ہے کہ مصارف حکومت کی بابت ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کو بہت سی رقمیں ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ ہندوستانی ریلوں اور مختلف صنعتوں مثلاً چائے، نیل، روئی، سن وغیرہ میں جو برطانوی اصل لگا ہوا ہے اس پر سود ادا کیا جاتا ہے۔ دوسرے مدات تاجروں، جہازرانوں، اور بنک داروں کے منافع اور ان رقوم پر مشتمل ہیں جو انگریز ملازمین برطانیہ عظمیٰ کو روانہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۵۰

سامان درآمد کا دو تہائی حصہ سلطنت متحدہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ تقریباً ۱۰ فی صدی برطانوی مقبوضات سے، اور بقیہ دوسرے ممالک سے۔

سامان برآمد مندرجہ ذیل اشیا پر مشتمل ہوتا ہے:۔ خام پیداوار یعنی روئی، سن، چمڑے، کھالیں، رنگ کی اشیا، پشم وغیرہ؛ اشیائے خوراک یعنی چاول، گیہوں، چاول وغیرہ؛ مصنوعات دستی یعنی دھاگا، روئی اور سن کی بنی ہوئی چیزیں، اور دوسری اشیا۔

مذکورہ بالا سامان برآمد میں سے تقریباً نصف حصہ ایسا ہے جسے آزاد بازار میسر ہے۔ بقیہ سامان پر ملک درآمد میں محصول عائد کیے جاتے ہیں۔

یہ محصول یا تو آمدنی کی غرض سے لگائے جاتے ہیں جیسے کہ انگلستان میں چائے کا محصول، یا دوسرے ممالک کے تامینی نظام لاگو ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہندوستانی تجارت کا تعلق ہے، ترجیح کا کوئی طریق اس کے لیے مفید نہیں ہو سکتا۔ گیہوں میں تو یہ قابلیت ہی نہیں کہ اس کی تجارت کو بہت زیادہ بڑھا سکیں، البتہ تمباکو اور نیل دو چیزیں ایسی ہیں جو ترجیح سے مستفید ہو سکتی ہیں۔ شہنشاہی کے حدود میں ترجیحی محاصل اختیار کرنے کی بابت حکومت ہند نے جن حالات کا اظہار کیا ہے، ان کا اس طرح خلاصہ کیا گیا ہے (حکومت کی نیلی کتاب نمبری ۱۹۰۳)۔

"ایک تو یہ کہ کسی ایسے طریق کے بغیر ہی ہندوستان کو غیر معمولی طور پر وہ تمام فوائد حاصل ہیں جو درآمد و برآمد کے آزادانہ مبادلے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر خالص معاشی نقطۂ نظر سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی طرف سے شہنشاہی کو بہت زیادہ نہیں بلکہ شاید کسی قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ برخلاف اس کے خود ہندوستان کو اس کے معاوضے میں کوئی فائدہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کو اپنی تجارت کا بہت بڑا حصہ کھو دینا یا اس کو خطرے میں ڈالنا پڑے گا۔

تیسرے یہ کہ غیر اقوام انتقام لینے پر آمادہ ہو جائیں گی اور گو بالآخر وہ کامیاب نہ ہوں، تاہم یہ خطرہ اس قدر اہم اور اس کے نتائج اس قدر تباہ کن ہوں گے کہ اس قسم کا کوئی نیا مسلک اختیار کرنا ہمارے لیے اس وقت تک قرین انصاف نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ اب تک اس مسلک کی جس قدر خوبیاں نظر آتی تھیں ان سے کہیں زیادہ اور یقینی فوائد اس کی بدولت حاصل ہوں گے۔"

فرانس (۱۹۱۳-۱۹۱۴ء)

اب ہم ایک ایسے ترقی یافتہ ملک کے مالی نظام پر نظر ڈالتے ہیں جو متعدد باتوں میں برطانیہ عظمیٰ سے بہت مشابہ ہے لیکن پھر بھی بعض اہم حالات میں اس سے مختلف ہے۔ فرانس کی آبادی تقریباً چار کروڑ ہے۔ اس کا رقبہ ۲۰۷۰۰۰ مربع میل پر

پھیلا ہوا ہے۔ یہ ملک بمقابل برطانیہ عظمیٰ کے زیادہ زراعتی ہے اور جہاں تک غذائی ضروریات کا تعلق ہے تقریباً خود کفیل ہے۔ اس کے معدنی وسائل بہت زیادہ نہیں ہیں، اور اس کی صنعتیں برطانیہ عظمیٰ کی صنعتوں سے چھوٹی ہیں۔ اس کا ساحل اس قدر طویل نہیں ہے جتنا کہ اس کے پڑوسی جزیرے کا۔ گو خارجی تجارت کے لیے اس کے پاس عمدہ بندرگاہیں کافی تعداد میں موجود ہیں اور یورپ کے دوسرے ممالک سے وہ نسبتہً زیادہ قریب بھی ہے۔

۱۹۱۳ء میں فرانس کے مخارج کا تخمینہ ۲۰۷۶۶۵۷۲۳ پونڈ کیا گیا تھا۔ اس میں اور سلطنت متحدہ کے مخارج میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ یہ مخارج پانچ عنوانوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں:۔

(۱) قرضۂ عامہ کا خرچ ۵۱۸۵۹۹۵۷ پونڈ اس میں ایک تو قرضے کا سود اور اس کی بابت دوسرے اخراجات شامل ہیں۔ فرانس کے قرضۂ عامہ کی مقدار ۱۰۱۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہے اور ان کے علاوہ ۱۰۵۸۹۹۴۷ پونڈ فوجی، بحری اور دیوانی وظائف کی بابت شریک ہیں۔ فرانس میں ان وظائف کا شمار قرضۂ عامہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی مقدار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرضۂ عامہ میں سے تقریباً ۳۰ کروڑ پونڈ کی رقم وہ ہے جو فرانس کی ریلوں میں لگائی گئی ہے اور یہ بالآخر حکومت کی ملک بن جائیں گی۔

(۲) حکومت عاملہ کے اخراجات:۔ ۸۰۴۶۵۹ پونڈ۔ اس رقم کو دراصل فرانس کی سیول لسٹ (یا اخراجات شاہی) کہنا چاہیے۔ اس میں پریزیڈنٹ کی تنخواہ، اراکین سینٹ اور ممبران ڈپوٹیز کی تنخواہیں نیز انتظامی اخراجات شامل ہیں۔

(۳) سررشتہ جات سرکاری کے اخراجات ۱۰۸۹۸۰۹۸۳ پونڈ۔ اس میں محکمہ جنگ کی بابت ۳۹۳۲۲۸۹۵۵ پونڈ شریک ہیں، بحریہ کی بابت ۲۲۵۵۵۱۰ پونڈ، تعلیم کی بابت ۱۳۲۳۲۰۵۵ پونڈ، نو آبادیات کی بابت ۴۲۲۱۴ پونڈ، اور تجارت کی بابت ۲۲۰۰۱ پونڈ۔ یہ ایک قابل لحاظ بات ہے کہ نو آبادیات کی بدولت حکومت کو اس قدر مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فوجی تحفظ ان مصارف کا سب سے بڑا جزو ہے۔ تجارت کا محکمہ کئی ابواب پر مشتمل ہے جن سے صنعتی فنون کی امداد کی،

کتان، پٹ سن، اور ریشمی کیڑوں کی کاشت کے انعامات، گھوڑوں کی نسل کشی کے اخراجات، یہ تمام مدیں اسی ایک عنوان میں شامل ہیں۔ تجارتی جہاز سازی، جہازرانی، ماہی گیری، ریشم کی صنعت، ڈاک اور تار رسانی، ان تمام صنعتوں کو وزیر تجارت کی جانب سے بھی انعامات دیے جاتے ہیں جن کی مجموعی مقدار ۱۷۲۲۹۴۳۶ پونڈ ہوتی ہے۔ وزارت تعمیرات نے اس سال ۱۳۶۳۶۲۱۰ پونڈ خرچ کیے جن میں ضمانتیں اور امدادی رقمیں شامل ہیں جو فرانس، الجزائر اور تونس کی ریلوں کو عطا کیے گئے ہیں۔

تحصیل ٹکس

(۴) اجاروں کا انتظام اور تحصیل ٹکس:۔ ۲۲۲۴۵۸۴۰ پونڈ۔ ان میں ڈاک خانے کی بابت ۱۱۹۰۴۰۲۶۲ پونڈ شامل ہیں، اور بقیہ رقم ٹکسوں کے وصول کرنے اور سرکاری صنعتوں (تمباکو، دیا سلائی، بارود) کی بابت ہے۔

۱۵۳

فرانس میں سرکاری آمدنی کی مقدار ۱۳-۱۹۱۲ء میں ۱۰۹۵۵۵۰۰۰ پونڈ تھی۔ مختلف ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے جن میں سے مندرجۂ ذیل خاص طور پر اہم ہیں:۔

(۱) بلاواسطہ ٹکس:۔ اس عنوان میں حسب ذیل ٹکس شامل ہیں:۔

(i) محصول زمین جو لگان پر عائد کیا جاتا ہے۔ (ii) عمارات کا محصول۔ (iii) ذاتی جائداد کا محصول۔ (iv) دروازوں اور دریچوں کا محصول۔ (v) خاص خاص پیشے اختیار کرنے کے لیے لائسنس۔ یہ ٹکس دراصل تجارتی منافع پر لگایا جاتا ہے۔ کاشتکاری تو اس سے مستثنیٰ ہے اور دوسرے تمام پیشے ایک پیچیدہ طریقے پر مرتب کیے گئے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عنوان کے تحت آمدنی، منافع اور لگان پر ٹکس لگائے جاتے ہیں۔ گویا وہ محصول آمدنی اور محصول املاک کے متوازی ہیں۔ ان کی بدولت کل ۲۲۵۰۲۰۳۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی جو مجموعی آمدنی کا ۱۲ فی صدی حصہ ہے۔ متعدد دفعہ یہ تجویز پیش ہو چکی ہے کہ زمین، ذاتی جائداد، دروازوں اور دریچوں سے حاصل کرنے کے بجائے ایک محصول آمدنی جاری کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ اس تجویز کے مطابق باقاعدہ طور پر تمام معاملات کی تحقیق کرنا ضروری ہوگا لہٰذا وہ کبھی منظور نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن ۱۹۱۴ء میں بالآخر محصول آمدنی جاری کر دیا گیا۔

(۲) چند متفرق ٹکس جو بلاواسطہ ہی تصور کیے جاتے ہیں۔ یہ ٹکس دستکاروں،

گھوڑوں، سیکلوں، موٹروں، وزن اور پیمانوں کے پیمانوں، معدنی آمدنیوں اور مذہبی یا دوسرے اداروں کے املاک پر عائد ہوتے ہیں مجموعی طور پر ان سے ۲۴۸۰۷۳۰ پونڈ آمدنی دستیاب ہوتی ہے۔

(۳) رجسٹریشن۔ اس عنوان میں وہ ٹکس شامل ہیں جو افعال و اعمال پر لگائے جاتے ہیں تاکہ سرکاری طور پر ان کا داخلہ ہونے سے وہ قانون کی نظر میں تسلیم کیے جا سکیں۔ فروخت جائداد اور ہبہ اور وراثت، رہن، دیوانی و انتظامی عدالتی کارروائیاں، یہ سب اسی میں شامل ہیں۔ ان کی آمدنی ۲۱۱۳۵۹۵۵ پونڈ تھی جو مجموعی آمدنی کا ۱۶ فی صدی حصہ تھی۔ محاصل وراثت کی ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے جس میں اصول تزائد استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ اصول دو طرح سے منطبق کیا جاتا ہے (۱) ایک تو قرابت داری کے لحاظ سے جس کے سات مدارج مقرر کیے گئے ہیں، اور دوسرے (۲) جائداد کی مالیت کے لحاظ سے جس کے بارہ مدارج قرار دیے گئے ہیں۔ یہ اسکیم برطانیہ کے محاصل موت کی اسکیم سے بہت مشابہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاید برطانیہ کے ۱۸۹۴ء والے قانون مالیات کے نمونے پر بنائی گئی ہے۔

(۴) اسٹامپ سے ۷۶۲۲۲۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ سٹہ بازی کے کاروبار سے ۶۹۸۵۸۰ پونڈ۔ لگان کے سوا دوسرے تمام تمسکات کی آمدنی پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان سے ۴۷۸۳۹۶۰ پونڈ۔ اصولاً یہ شعبہ برطانوی نظام کے کم و بیش ایسے ہی محصول کے مطابق ہے لہٰذا اس پر خاص طور پر رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) کروڑگیری سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ ۲۴۹۰۳۵۸۰۰ پونڈ یا مجموعی آمدنی کا ۱۳ فی صدی حصہ ہے۔ یہ شعبہ ہرگز محض آمدنی کی اغراض کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے ملکی صنعتوں کی تائید بھی مقصود ہے۔ محاصل کی تعداد بہت کثیر ہے اور وہ اشیائے ماکول، پیداوارِ خام، اور مصنوعات پر عائد ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن سے بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو کہ آمدنیوں کو ملک میں داخل ہونے سے روکتے اور اس طرح فرانسیسی صنعت کی ترقی میں مانع ہوتے ہیں۔ آمدنی جو دراصل حاصل ہوتی ہے وہ چند غیر تائیدی محاصل کی بدولت ہے اور ان میں بھی صرف کافی اور مٹی کا تیل ایک بڑے حصہ آمدنی کا باعث ہیں۔ بہت سے محاصل صرف

جو بڑی حد تک پرتالیں ہیں۔ اس طریق میں وہ تمام خامیاں موجود ہیں جو ٹیکس لگا کر ملکی صنعتوں کو محفوظ رکھنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ برطانوی محاصل کروڑگیری کے مقابلے میں فرانس کے محاصل اور وڑگیری کم تغیر پذیر تھے۔ رسد کے اتفاقی تغیرات سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ انھیں وصول کرنے کے مصارف بھی نسبتہً زیادہ ہوتے ہیں اور ان سے ایک بالواسطہ نقصان یہ بھی پہنچتا ہے کہ وہ ملک کی تجارت و صنعت و حرفت میں حائل ہوتے رہیں۔[1]

۵۵۔ اندرونی بالواسطہ ٹیکس (جبکی)۔ اس شعبے میں شراب سازی کے ٹیکس، شراب فروشی کے لیسنس، نمک کا ٹیکس، اور ریلوے کی آمد و رفت کے ٹیکس شامل ہیں۔ ان سے [illegible] پونڈ یا کل آمدنی کا ۱۳ فی صدی حصہ دستیاب ہوتا ہے۔ اشیائے خورد و نوش پر ٹیکس لگانے کا رواج پندرھویں صدی ہی سے موجود ہے۔ لیکن سترھویں صدی میں یہ ٹیکس بہت زیادہ بڑھ گئے تھے اور بالخصوص غریب طبقوں پر ان کا بار نہایت گراں تھا اس کا ایک سبب تو ٹیکسوں کی ٹھیکہ داری کا طریق تھا، دوسرے یہ کہ اعلیٰ طبقے ادائی ٹیکس سے مستثنیٰ تھے اور اس کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے مقامی امتیازات بھی تھے۔ انقلاب عظیم کے موقع پر یہ تمام بالواسطہ ٹیکس منسوخ کر دیے گئے تھے لیکن یہ تنسیخ محض عارضی تھی کیونکہ بعد ازاں وہ دوبارہ عائد کر دیے گئے۔ البتہ ان میں پہلے کی طرح عدم مساوات باقی نہ رہی تھی اس کے بعد سے مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے نہایت وسیع پیمانے پر ان ٹیکسوں کو استعمال کر رہی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں مشروبات کے

---

[1] اس تاریخی مسئلے کا اثر گیہوں کی مثال سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ فرانس میں گیہوں کا اوسط صرف فی کس ۷۰۰ پونڈ سے کچھ زائد ہی ہے۔ محصول درآمد (یعنی سات شلنگ ۲ پنس فی ...) مساوی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گیہوں کی حد تک بجز ان سالوں کے جبکہ فصل خراب ہو جاتی ہے فرانس عملاً خود کفیل ہے۔ ۱۲ سال کے دوران میں درآمد کی مقدار مجموعی رسد کے ۱۱ اور ۲۰ فی صدی کے درمیان بدلتی رہی۔ لیکن جہاں تک قیمت کا تعلق ہے فرانس میں ۱۰۰ کلو کا نرخ ۳۰ شلنگ ۵ پنس تھی اور انگلستان میں صرف ۲۷ شلنگ ۳ پنس۔ (ملاحظہ ہو نیلی کتاب سی ڈی ۶۱۰۷ صفحہ ۳۴۲۔)

محاصل میں پھر تغیر و تبدل کیا گیا جن کی غایت یہ تھی کہ صحت بخش مشروبات (یعنی سائڈر، بیر وغیرہ) کے ٹیکسوں میں تخفیف اور الکحل والے مشروبات کے ٹیکس میں اضافہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشروبات کی مجموعی آمدنی ۱۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ سے تقریباً ۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ صرف الکحل کی فروخت اور الکحل فروشی کے لیسنس سے حاصل ہوئے۔ الکحل سے جو قومی آمدنی حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ مقامی اور بلدیات کے اغراض کے لیے مشروبات سے آکٹرائے کے ذریعے مزید ۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ یا اس سے کچھ زائد ہی وصول کیے جاتے ہیں۔

محصول ریلوے جو مسافروں اور مال پر لگایا جاتا ہے، بہت گراں ہے۔ فرانس میں اس محصول کا بار مسافروں اور تجارت پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اصل پر سود ادا کرنے کی حکومت خود ذمہ دار ہوتی ہے۔ فرانس میں ریلوں کا اس قدر فروغ محض سرکاری مراعات کے تحت نشوونما پا سکا ہے۔ البتہ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان ملک کی تمام ریلیں حکومت کی ملک بن جائیں گی۔ اخراجات تعمیر کا ۲۵ فی صدی حصہ حکومت کی جانب سے شریک کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریلوں کی دیکھ بھال اور حصص کے منافع کی تکمیل کے لیے بھی حکومت ہر سال کچھ نہ کچھ رقمیں بہم پہنچاتی رہتی ہے جو مصارف سرمایہ میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ مراعات کا زمانہ ختم نہ ہو جائے گا اور سرکار خود ریلوں کی مالک نہ بن جائے گی۔

(۷) محصولِ شکر سے ۱۹۱۳ء میں ۳۲۶۰۷۸۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ ۱۹۰۲ء کے برسلز والے سمجھوتے سے قبل مصنوعی طور پر انعامات دے دے کر شکر کی پیداوار کو ابھارا جاتا تھا۔ فرانس اور اس کی نوآبادیات کی مجموعی پیداوار سالانہ تقریباً ۱۱۰۰۰۰ فرانسیسی ٹن ہوتی تھی۔ اس میں سے ۴۴۰۰۰ ٹن شکر تو خود فرانس میں صرف ہوتی تھی، اور بقیہ مقدار کو انعامات دے دے کر ملک سے باہر روانہ کیا جاتا تھا لیکن جب انعامات کا طریقہ متروک کر دیا گیا، اور ۱۹۰۳ء میں محصولِ چنگی میں تخفیف کر دی گئی تو برآمد کی مقدار گھٹ گئی۔ فرانس میں شکر زیادہ صرف ہونے لگی اور عام طور پر مصنوعات ترقی کرنے لگیں۔ شکر بھی انہی مصنوعات کا ایک جزو ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انعامات کی بچت سے فرانس کو خاص معاشی فائدہ حاصل ہوا۔

۱۵۶

شکر معدان اور پہلے سے زیادہ تعداد میں استعمال ہونے لگی اور جن صنعتوں میں شکر سے
کام لیا جاتا تھا ان کی بھی بالواسطہ طور پر بہت افزائی ہوئی۔

(۸) سرکاری اجارے اور خدمات سے ۵۱۲۶۲۷،۰۸۳ پونڈ آمدنی
حاصل ہوئی جس میں سے ۴-۹۰۰۰۵۱ پونڈ تمام آمدنی ڈاک خانہ تار اور ٹیلیفون کی بابت
تھی۔ لیکن اس شعبہ کا ایک دلچسپ جزو وہ آمدنی ہے جو مختلف صنعتوں سے حاصل
ہوتی ہے۔ ان صنعتوں کا کاروبار حکومت خود بطور قومی اجاروں کے چلاتی ہے۔
برطانوی انتظام میں اس قسم کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ ان اجاروں میں تمباکو سے
۶۵۰۷۰۹۹۱ پونڈ اور دیاسلائی اور بارود سے عمومی طور پر ۹۲۰۷۴۲ پونڈ آمدنی ۱۵۰
حاصل ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ آمدنی ان صنعتوں کے معمولی منافع سے دستیاب
نہیں ہوتی بلکہ اس کا باعث وہ قیمت اجارہ ہے جو طلب و رسد کے اثر سے پیدا
نہیں ہوتی بلکہ مصنوعی طور پر مقرر کی جاتی ہے۔ گویا در اصل وہ ایک طرح کا ٹیکس
ہے جو ایک خاص طریقے پر عائد کیا جاتا ہے۔ سرکاری اہتمام سے پیدائش کا کام
چلانے پر معاشی نقطہ نظر سے جو اعتراضات لاحق ہوتے ہیں ان پر کسی گذشتہ
باب میں بحث کی جا چکی ہے۔ جہاں تک تمباکو کا تعلق ہے اس پر بمقابل ضروریات
کے یہ اعتراضات کم عائد ہوتے ہیں۔ تاہم مسابقت کے رک جانے سے کچھ نہ کچھ
نقصان اس میں بھی ضرور ہے۔ اور یہ نقصان محض اس وجہ سے رفع نہیں
ہو جاتا کہ حکومت کا مقصد ٹیکس وصول کرنا ہے۔ بہ ہر حال ٹیکس وصول کرنے کا یہ طریقہ
فرانس میں ایک طویل مدت سے رائج ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا
بہت دقت طلب ہوگا۔

(۹) سرکاری اراضی سے ۵۴۰۰۶۲۷ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے جنگلات
اور ان کا اس میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ مصارف انتظام کی مقدار ۱۲۲۵،۰۰۵ پونڈ
ہے۔ بقیہ آمدنی کی تحصیل دوسرے متفرق املاک سرکاری کی فروخت یا ٹھیکوں سے
اور ایسی زمینوں سے ہوتی ہے جن کا کوئی دعویدار نہ ہو۔ مقامی حکومت کے اغراض
کے لیے فرانس کو چھوٹے چھوٹے علاقوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو کمیون کہلاتے ہیں۔
تعداد میں بہت کثیر ہیں اور بہ لحاظ رقبہ و آبادی ایک دوسرے سے بہت

مختلف ہیں۔ ان میں سے اکثروں میں (جن میں تمام بڑے بڑے شہر شامل ہیں) محصول آمدنی کا مسلمہ طریق یہ ہے کہ جب خور و نوش کی چیزیں شہروں میں داخل ہوتی ہیں تو اس وقت ان سے آکٹرے یا محصول داخلہ وصول کیا جاتا ہے۔ یہ محاصل زیادہ تر مشروبات پر لگائے جاتے ہیں اور ان میں بھی خاص طور سے مشروبات پر جن میں الکحل کا جزو شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ [illegible] چند جنس، چارہ اور خام پیداواروں پر بھی وہ عائد ہوتے ہیں۔ [illegible] اس کے [illegible] اشارات مقامی ٹکس کے باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ مقامی آمدنی کا ایک دوسرا خاص ذریعہ ہے۔ زمین اور ذاتی جائداد، تجارتی لیسنس، دروازے اور دریچے، گاڑی، گھوڑے اور سیکلوں وغیرہ سے براہ راست جو ٹکس وصول کیے جاتے ہیں، ان میں مقامی حکومت کا بھی حصہ شامل ہوتا ہے۔ مرکزی حکومت کے ٹکسوں کے ساتھ ساتھ مزید سانٹیم[1] کے نام سے یہ ٹکس عائد کیے جاتے ہیں اور مختلف ڈپارٹمنٹ اور کمیونوں میں ہر ایک کی خاص ضروریات کے لحاظ سے تقسیم کیے جاتے ہیں۔

فرانسیسی مالی نظام کے اس مختصر خاکے سے یہ بات کافی طور پر نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس میں اور برطانوی نظام میں کونسی باتیں خاص طور پر مقابلے کے لائق ہیں، ہر ایک کی خاص خوبیاں کیا ہیں اور کیونکر تاریخی اور سیاسی حالات کے اختلاف سے ٹکس کے طریقوں میں بھی اختلافات رونما ہوتے ہیں۔

---

[1] ایک فرانسیسی سکہ۔

نویں فصل

مقامی ٹیکس

مقامی محصولوں کا مضمون بہت ہی پیچیدہ ہے۔ مقامی اغراض کے لیے حصولِ آمدنی کے سب سے زیادہ پیداآور اور مبنی بر انصاف طریقے کیا ہیں، اور موجودہ نظام کے تحت شرح کا حقیقی بار کس پر عائد ہوتا ہے، ان دونوں سوالات کے متعلق زبردست اختلافاتِ رائے ہے۔

مقامی اغراض کے لیے جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں وہ اصطلاحاً شرح کہلاتے ہیں اور ان کی وجہ تسمیہ ان کا طریق تشخیص ہے۔ یہ ٹیکس جائداد غیر منقولہ (زمین، مکانات اور کاروباری عمارات و اراضی) پر لگائے جاتے ہیں۔ خاص لگان کی بنا پر ان کی جو مالیت قرار پاتی ہے، اسی لحاظ سے ان کی شرح متعین ہوتی ہے۔ مقامی حکومتوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ محدود رقبوں کے اندر اس قسم کے ٹیکس عائد کریں۔ جن رقبوں میں یہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں وہ بہ لحاظ وسعت اور جائداد کی مالیت کے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات میں مختلف شرحیں دکھائی دیتی ہیں۔ شاہی اغراض کے لیے اغلباً ٹیکس لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک مصرف میں آنے والے جزو سے محصول وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک مقامی ٹیکس کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل الٹ دیا جاتا ہے۔ یہاں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجموعی طور پر کس قدر مقدار مطلوب ہے۔ بعد ازاں اس رقبہ کی کل جائداد کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور ان دونوں مقداروں میں جو نسبت قرار پاتی ہے، اسی تناسب سے فی پونڈ شرح مقرر کی جاتی ہے۔

اور اسی شرح کے مطابق ہر شخص اپنی جائداد کی تشخیص شدہ مالیت پر ٹکس ادا کرتا ہے۔

شاہی ٹکسوں کی طرح شرح بھی ایک قسم کا جبری چندہ ہے جو عام خدمت کے معاوضے میں وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن شاہی اور مقامی ٹکسوں میں اس قدر فرق ضرور ہے کہ آخر الذکر ایک محدود رقبے کے لیے مخصوص کر دیے جاتے اور اس کے حق میں نمایاں طور پر فیض رساں ہوتے ہیں۔ یہ افادہ دیگران کا مقصد زیادہ واضح ہوتا ہے اور ان کے نتائج مقامی باشندوں کے لیے مختلف سہولتوں کی شکل میں بدیہی طور پر نظر آتے ہیں۔ سڑکیں، حفظان صحت، روشنی، چمن بندی، ٹاؤن ہال وغیرہ، ان سہولتوں کی چند مثالیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ مقامی ٹکس بمقابل قومی ٹکس کے اصولِ معاوضۂ خدمت کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ اداکنندہ کو اس ایثار کے معاوضے میں ایک بدیہی خدمت میسر ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ضلع کی آمدنی کا کچھ حصہ ایسی خدمات کی انجام دہی پر صرف کیا جاتا ہے جو قومی نوعیت کے ہوتے ہیں اور جن کا افادہ زیادہ عام ہوتا ہے، مثلاً پولس، تعلیم اور امداد محتاجاں کے انتظامات۔ اس قسم کے فرائض عامہ کا مسلک تو خود حکومت طے کرتی ہے بلکہ بعض اوقات معیاری کارگزاری بھی وہی معین کر دیتی ہے۔ البتہ کفایت کے خیال سے عملی انتظامات مقامی حکومتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ لیکن مرکزی حکومت کی ان پر ضرور نگرانی ہوتی ہے۔ چونکہ ان خدمات سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ بالکل مقامی نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی تمام قوم کے حق میں مفید ہوتے ہیں، لہذا مرکزی حکومت شاہی ٹکسوں کی آمدنی سے کچھ امداد عطا کرتی اور اس طرح خود بھی ان خدمات کے مصارف میں شریک ہوتی ہے۔

شرح لگانے کا اصول خاص کر ۱۶۰۱ء کے قانون محتاجاں کے بعد سے موجود ہے۔ چونکہ پہلے ہی سے شاہراہوں کے انتظامات ہر پیرش کے تفویض تھے لہذا اسی قانون کے مطابق پیرش ہی کو مقامی اکائی قرار دیا گیا۔ مابعد میں جوں جوں حکومت اور بلدیات کی جد و جہد میں توسیع ہونے لگی مقامی حکومتوں پر نئے نئے فرائض عائد کیے گئے اور شرح لگانے کے متعلق ان کے اختیارات میں

توسیع کی گئی۔ اس طرح گذشتہ پچاس سال کے دوران میں اس طریقے کو بہت ترقی ہوئی، بالخصوص شہری اضلاع میں جہاں آبادی سرعت کے ساتھ بڑھ گئی ہے اور اصلاحات متواتر جاری ہیں۔

۱۹۱۳ء میں انگلستان اور ویلز کے مقامی خرچ کی مقدار ۱۱۴۲۲۵۰۱۱۴ پونڈ تھی۔ اس میں سے ۱۲۷،۶۱۵۰ پونڈ یا ۴۲ فی صدی حصہ شرح سے حاصل کیا گیا تھا، ۱۱۹،۰۰،۱۹۰ پونڈ یا ۱۲ فی صدی قرضوں سے، ۲۲،۶۱،۲۴۶ پونڈ یا ۱۳۰ فی صدی مرکزی حکومت نے شاہی آمدنی سے عطا کیا تھا، ۸،۶۹،۵۵۱ پونڈ یا ۹ فی صدی حصہ مختلف کاروبار کی زائد آمدنی کا نتیجہ تھا، بقیہ ۲۶،۸۵۶،۳۹ پونڈ یا ۲۲ فی صدی حصہ نفع بخش کاروبار کے منافع سے دستیاب ہوا تھا۔ (ٹرامویز، گیس، برقی قوت، آب رسانی اور شخصیہ کی جائداد کا لگان، اس قسم کے کاروبار کی مثالیں ہیں)۔

مقامی خرچ نہایت سرعت کے ساتھ بڑھتا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں اس کی مقدار ۰۰۰،۲۲،۳۵ پونڈ تھی۔ ۳۱ سال کی مدت میں یہ مقدار سہ گنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور شرح میں بھی ۳ شلنگ $\frac{1}{4}$۳ پنس سے ۶ شلنگ ۸۰۸ پنس تک (۱۹۱۴ء) اضافہ ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابتداءً شرح لگانے کا یہی مقصد تھا کہ ہر جگہ کے باشندے مقامی محتاجوں کی امداد اور دوسرے مقامی اخراجات کے لیے اپنی اپنی استطاعت یا وسائل کے تناسب سے چندہ ادا کریں۔ خیال یہ کیا جاتا تھا کہ ہر شخص کے زیر قبضہ املاک اس کے اراضی اور مکانات اس کی استطاعت کا صحیح معیار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانے کے سیدھے سادے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اصول اور اس کا معیار دونوں مبنی بر انصاف تھے۔ لیکن زمانۂ موجودہ میں ٹیکس کے اس بنیادی اصول کی تکمیل بہت دقت طلب ہے باوجود اس کے کہ قومی ٹیکسوں میں نظریۂ معاوضۂ خدمت کا مطلق لحاظ نہیں کیا جا سکتا ہے پھر بھی محض انکم ٹیکس کے ذریعے سے استطاعت کا ٹھیک اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن مقامی ٹیکس میں تو استطاعت کا معیار اور بھی کم مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں

مقامی باشندے اور جائدادوں کے مالک ٹیکس سے بہت کچھ براہ راست فیض یاب ہوتے ہیں اور ان سے ہمیشہ نئے نئے ٹیکسوں کا مطالبہ جاری رہتا ہے تاکہ ایک نہ ایک جدید اصلاح کی جائے یا کوئی مزید سہولت بہم پہنچانے کا انتظام ہو سکے۔

بعض لوگوں کی یہ تجویز ہے کہ مقامی اخراجات کے لیے انکم ٹیکس کے ذریعے سے آمدنی بہم پہنچائی جائے۔ لیکن زمانہ موجودہ میں ایک اعلیٰ ترقی یافتہ ملک کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انکم ٹیکس کا طریقہ اس بات کے لیے کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ مقامی اصلاحات[1] کے مخصوص فوائد کا اس کے ذریعے سے معاوضہ وصول کیا جائے۔ مقامی اخراجات کی بدولت باشندوں کو جو فیوض حاصل ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ آمدنی کے ذریعے سے ان کا صحیح اندازہ ہو سکے کیونکہ بسا اوقات آمدنیاں ایسے ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں جن کا اس مقام سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مزید براں ہفتہ وار اجرت پانے والے طبقوں کی ایک بڑی تعداد سے محصولِ آمدنی وصول کرنا بہت دقت طلب ہوگا، حالانکہ متعدد مقامات میں یہی لوگ آبادی کا بہت بڑا عنصر ہوتے ہیں اور مقامی اخراجات کے فوائد سے روزانہ مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا مقامی ٹیکس کے لیے کوئی معیار تلاش کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ ہم مقامی اخراجات کی نوعیت اور ان کے نتائج پر غور کریں اور یہ پتہ لگائیں کہ کون کون ان کے فوائد سے مستفید ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے تمام اخراجات خاص طور پر مقامی ہوتے ہیں اور مقامی باشندوں ہی کی رضامندی پر ان کی مقدار کا انحصار ہوتا ہے۔

ممالک یورپ میں مقامی آمدنی حاصل کرنے کا ایک عام ذریعہ مقامی محصولِ کروڑگیری یا اکٹرائے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محصولات کروڑگیری نیز محصولات چونگی

---

[1] بعض یورپی ممالک اور برطانوی نوآبادیات میں مقامی اغراض کے لیے انکم ٹیکس کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ پروشیا اور ہالینڈ میں قومی اور مقامی انکم ٹیکس ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اونٹیریو اور ماسیچوسٹس میں تو وہ محض مقامی اغراض کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

گو قومی آمدنی کا کچھ حصہ حاصل کرنے کے لیے نہایت موزوں ہیں، تاہم چھوٹے چھوٹے قصبوں کے لیے وہ قطعاً نامناسب ہیں۔ ایک تو ان کا وصول کرنا بہت تکلیف دہ اور مصارفِ کثیر کا باعث ہوتا ہے، دوسرے ان کا عقدہ یہ بھی خلافِ مساوات ہوتا ہے کیونکہ یہ ٹیکس بالعموم ضروریاتِ زندگی پر لگائے جاتے ہیں لہٰذا غریب خریداروں پر ان کا بار بہت سخت ہوتا ہے۔ مزید براں تجارت میں بھی ان کی بدولت رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

چونکہ مقامی خرچ کا اصلی مقصد مقامی فائدہ ہوتا ہے اور چونکہ شروع کا ایک بڑا حصہ ایسی خدمات پر صرف ہوتا ہے جن سے باشندوں کو ایک خاص معاوضہ مل جاتا ہے مثلاً سڑکوں، گلی کوچوں کی صفائی، روشنی، آب رسانی، چمن بندی وغیرہ، لہٰذا ضروری ہے کہ ان مصارف کا بار انہی لوگوں پر عائد ہو جو ان خدمات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح سب سے پہلا نمبر تو مقامی باشندوں کا ہے جو وہاں رہتے بستے اور وہاں طرح طرح کے کاروبار چلاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ کرایۂ مکان بطور معیارِ تشخیص کے اختیار کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مکان ہر شخص کے اخراجات کا ایک بہت ہی نمایاں جزو اور اس بات کا کم و بیش اچھا معیار ہوتا ہے کہ مقامی فوائد سے وہ کس درجے مستفیض ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک قومی اخراجات کا تعلق ہے وہ "استطاعت" کا اسی قدر اچھا معیار نہیں ہے۔ چنانچہ انہی اسباب کی بنا پر لارڈ گوشن نے ۱۸۷۱ء میں یہ کوشش کی تھی کہ محصولِ مکان مقامی ٹیکسوں میں شامل کر دیا جائے، لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

لیکن مقامی خرچ سے جو لوگ سب سے زیادہ دائمی فائدہ اٹھاتے ہیں وہ غالباً مالکانِ زمین ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جائداد کے مالک ہیں جو سب سے زیادہ دیرپا اور غیر منتقل پذیر ہے۔ مقامی اصلاحات کی بدولت ان کی جائداد کی مالیت بڑھتی ہے۔ آبادی جوں جوں پھیلتی جاتی ہے، کرایے چڑھتے جاتے ہیں، کاروبار میں توسیع ہوتی ہے، زمین کی طلب زیادہ ہوتی ہے، اور اس کے لگان میں آئندہ ہمیشہ کے لیے اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مقامی ٹیکسوں کا بار ان لوگوں پر

پڑنا چاہیئے جو اس قسم کی جائداد کے مالک ہوں کیونکہ وہی مقامی حکومت کے اخراجات اور اس کی جدوجہد سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔ جس قدر وہ مقامی فوائد سے مستفید ہوتے ہیں، اسی تناسب سے مقامی اخراجات کی فراہمی میں ان کی شرکت ضروری ہے۔

ان کے علاوہ کارخانے دار، تجار، دکان دار، اور مزارعین، یہ سب بھی اچھی سڑکوں، شاہراہوں، بدررَوں اور دوسرے تجاویز سے منتفع ہوتے ہیں جن کی بدولت اپنے بازار تک پہنچنے میں انھیں بے حد سہولت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو ان کے مصارف میں تخفیف ہو جاتی ہے اور دوسری طرف ان کے کاروبار میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان تمام فوائد کے عوض وہ بھی مقامی ترقیات کے مصارف میں شریک ہوں۔

برعکس، پیسے کاموں کے لیے وصول کیے جاتے ہیں جن سے اداکنندے کو کوئی بدیہی فائدہ نہیں پہنچتا، وہ اصطلاح میں "بے فیض" کہلاتے ہیں۔ اس قسم کی خدمات سے جو فوائد رونما ہوتے ہیں، وہ زیادہ عام، بالواسطہ اور منتشر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم، امدادِ محتاجاں، اور حفظانِ صحت کے انتظامات، ان خدمات کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ترقی یافتہ اور روشن خیال اقوام میں رائے عامہ کے اثر سے لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اس قسم کے کاموں پر خوب روپیہ خرچ کریں اور ایک مقررہ معیارِ کارگذاری سے گرنے نہ پائیں۔ اس غرض سے جس قدر قوانین بنا دیے جاتے ہیں، مقامی جماعتیں ان کی نگرانی کرتی اور مرکزی حکومت سے امداد کی طالب ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ مصارف کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کل قوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ۱۴-۱۹۱۳ء میں سرکار نے شاہی ٹکسوں کی آمدنی سے ۲۲۶۱۷۴۴۶ پونڈ (یعنی شروع کا ۱۳ فی صدی حصہ) کی کثیر رقم انگلستان اور ویلز کی مقامی حکومتوں کو ان اغراض کے لیے عطا کی تھی۔ امدادی رقمیں عطا کرنے کا یہ طریقہ ۱۸۳۵ء میں شروع کیا گیا۔ پارلیمنٹ ہر سال خاص مجوزہ اغراض کے لیے مدّاتی قرضے سے رقوم عطا کرکے مقامی حکومتوں کی امداد کرتی تھی۔ ابتدا میں یہ رقمیں تعزیری کارروائیوں، ومجلسوں کے اخراجات

چلانے کے لیے دی جاتی تھیں۔ لیکن بعد ازاں ان میں توسیع کی گئی اور ان کے
ساتھ متعدد دوسرے فرائض بھی شامل کر دیے گئے مثلاً پولیس کے انتظامات،
غربا کے لیے مدارس اور پاگل خانے، حفظان صحت کا انتظام، رجسٹریشن وغیرہ۔
۱۸۸۸ء میں جب ان عطیوں کی مجموعی مقدار بہت زیادہ ہو گئی تو اس طریقے میں کچھ
تبدیلی کی گئی۔ عطیات کی ایک کثیر تعداد موقوف کر دی گئی اور ان کے معاوضے میں
چند چنگی کے لیسنس (جن کی مقدار ان عطیات سے نسبتاً زیادہ ہوتی تھی) مقامی
حکومتوں کے سپرد کر دیے گئے۔ اور اس کے علاوہ مزید امداد کے لیے محصول ثبوت وصیت کی
نصف آمدنی بھی انھیں ملا دی گئی۔ ۱۸۹۴ء میں اس محصول کی بجائے محصول جائداد
جاری کیا گیا۔ ۱۸۹۰ء میں دو زائد محاصل چنگی اور کروڑگیری کی آمدنی ان کے
ساتھ اور شامل کر دی گئی[۱]۔ ایک تو بیر پر بحساب ۳ پنس فی بیرل اور دوسرے
اسپرٹ پر بحساب ۶ پنس فی گیلن[۲]۔ ۱۸۹۶ء میں ایک زرعی شرح کا قانون
جاری کیا گیا۔ زرعی زمین پر جو مقامی ٹکس لگایا جاتا تھا اس کی امداد میں
محصول جائداد کی آمدنی سے اس قانون کے مطابق ایک مزید عطیہ دیا گیا۔
بعض حالات میں یہ عطیہ نصف شرح کے مساوی ہوتا ہے۔ ۱۹۰۳-۰۲ء میں
سلطنت متحدہ کے اندر اس کی مقدار ۱۵۰۹۰۳ پونڈ ہوتی تھی[۳]

۱۔ ان زائد محصولات کا ۔۔۔ فی صدی حصہ انگلستان کو دیا گیا، ۔۔۔ فی صدی اسکاٹ لینڈ کو، اور ۔۔۔ فی صدی آئرلینڈ کو۔
سلطنت متحدہ کی عام آمدنی میں ان تینوں ملکوں کی شرکت کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کے حصے تناسب سے مذکورہ بالا
تقسیم کی گئی ہے۔ یہ محصولات فی الحال مجلسوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں تاکہ متعدد دوسرے کام کیے جاتے ہیں۔
۲۔ محصول موت، بیر اور اسپرٹ کے زائد محصولات، یہی چند کٹوتیوں کے بعد مجلسوں میں تقسیم کر دیے
جاتے ہیں۔ ہر مجلس کے سابق عطیات کا تخمینہ کر کے اسی تناسب سے اس کا حصہ معین کیا جاتا ہے۔
۳۔ زراعت، ریلیں اور نہریں ان سب کا کاروبار چلانے کے لیے غیر معمولی طور پر زمین کے
بڑے بڑے قطعوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لیکن عام شرح ضلع کے اغراض کے لیے جب ان کی
تشخیص کی جاتی ہے تو ان کی مالیت کا صرف ایک چوتھائی حصہ پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ معمولاً ان کی صحت
مقامی حفظان صحت کے اخراجات سے مستفید ہونے کا معیار نہیں سمجھی جاتی۔

مقامی مجلس کی امداد میں شاہی آمدنی سے روپیہ عطا کرنے کے متعلق بہت کچھ بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک طرف تو یہ خیال ہے کہ اس قسم کا طریقہ جاری کرنا سخت خطرناک ہے کیونکہ اس کی بدولت سرکاری خزانے پر مقامی حکومتوں کی طرف سے بڑے بڑے مطالبات ہونے لگیں گے۔ مزید برآں مقامی اخراجات پر پارلیمنٹ کی نگرانی موثر نہیں ہو سکتی اور نہ کفایت شعاری کا کوئی یقین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عطیات بلا کسی ایثار کے دستیاب ہوتے ہیں وہ بہت بے دردی کے ساتھ اڑا دیے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ٹھیک طور پر یہ پتہ لگانا کہ کون کون سے کام اس امداد کے مستحق ہیں یا قطعی طور پر یہ تعین کر دینا کہ مختلف خدمات اور مقامات کی امداد کس معیار اور تناسب سے کی جائے ناممکن ہے۔ برخلاف اس کے دوسری طرف یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سی خدمات کی انجام دہی پارلیمنٹ کی طرف سے مقامی حکومتوں پر لازم گردانی جاتی ہے اور ان کا تعلق زیادہ تر رعایا کی عام فلاح و بہبود سے ہوتا ہے۔ غرض ان کی بدولت جو کچھ خرچ عائد ہوتا ہے وہ "بے فیض" ہوتا ہے اور اسی لیے کسی نہ کسی طرح شاہی امداد سے اس کی تکمیل ہونی چاہیے۔ سرکار مقامی حکومتوں کو جو عطیات دیتی ہے "اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ شرح ادا کرنے والوں کی حالت کو قابل رحم سمجھتی ہے بلکہ وہ ایک قسم کی ذمہ داری ہے جس کا بار تمام محصول ادا کنندوں پر عائد ہونا چاہیے"۔ اب رہا یہ سوال کہ مقامی حکومتوں کی مدد کرنے کا طریق کیا ہو آیا پارلیمنٹ ہر سال از سر نو ان عطیات پر غور کر کے انھیں منظور کرے یا خاص خاص ذرائع آمدنی کو مقامی اغراض کے لیے مخصوص کر دے، نیز یہ کہ مقامی مجلسوں اور سرکاری امداد میں کیا تناسب ہونا چاہیے، ان مسائل پر بھی بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔[1]

---

[1] مقامی محاصل کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے جو شاہی کمیشن بٹھایا گیا تھا اس کی اکثریت نے اپنی رپورٹ میں یہ سفارش کی تھی کہ "جہاں تک ان خدمات کا تعلق ہے جن کا فیض "بے فیض" ہوتا ہے جن کا انتظام گو مقامی [illegible] تاہم جن کی نوعیت قومی ہوتی ہے حکومت کو چاہیے کہ ایک مقررہ مقدار سے ان کی امداد کرے لیکن اس کے علاوہ کسی اور قسم کے خرچ کے متعلق کسی طرح کی امداد نہ دی جائے دوسرے یہ کہ اس قسم کی امداد کی مجموعی مقدار قومی خدمات کے نصف خرچ سے زائد نہ ہو۔"

مقامی حکومتوں کے اختیارات مرکزی حکومت کے عطا کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ آخر الذکر ہی ان کے لیے دستور بناتی ہے اور وقتاً فوقتاً ان پر نئے فرائض عائد کرتی اور دوسری طرف شرح لگانے کے متعلق انھیں نئے نئے اختیارات عطا کرتی ہے۔ پارلیمنٹ نے متعدد عام قوانین کے ذریعے سے قواعد وضوابط مقرر کر دیے ہیں جن کے مطابق مقامی حکومتیں اپنے کام انجام دیتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری صورتوں میں قواعد وضوابط بنانے کا کام حکومت کے ایک خاص سر رشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات خاص خاص اغراض کے لیے شرح لگانے پر قانونی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں۔ عام کتب خانوں کا قیام اور اعلیٰ تعلیم کا انتظام اس کی مثالیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مقامی حکومت اور اس کے اخراجات پر جو سرکاری نگرانی رکھی جاتی ہے، اس سے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس کی بدولت بڑے بڑے قومی اہم معاملات کے متعلق لوگوں کے خیالات میں یگانگت اور انتظامات میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی مقامی خصوصیات کے اثر سے مختلف مقامات کے طریقوں میں جو تغیر پذیری موجود ہونی چاہیے، اس کے لیے بھی کافی گنجائش رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکزی حکومت اس بات پر اصرار کر سکتی ہے کہ تمام مقامات میں حساب وکتاب کا ایک ہی طریق اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے مقامی موازنوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور قومی اعداد و شمار جمع کیے جا سکتے ہیں۔ مرکزی حکومت کی نگرانی کی بدولت جو قابل قدر نتائج برآمد ہوئے ہیں، اس کی بہترین مثال قانون محتاجان کے عملدرآمد سے دستیاب ہوتی ہے۔

مزید براں محاصل خواہ کسی قسم کا ہو، قومی رضامندی اس کے ساتھ شامل ہونی چاہیے۔ خرچ کرنے اور شرح لگانے کے معاملات میں مقامی حکام کو کس قدر آزادی ملنی چاہیے، یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے لیکن اس میں تو شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل رہنا چاہیے کہ وہ مقامی اخراجات کو حدود معینہ سے متجاوز نہ ہونے دے، تاکہ مقامی حکومتوں کی ناتجربہ کاری اور ناعاقبت اندیشی سے جس فضول خرچی کا اندیشہ ہے، وہ واقع نہ ہو سکے اور سرکاری کاروبار کے

چلانے میں خاص خاص لوگوں کے مفاد کی بیجا طرفداری نہ کی جا سکے۔ انہی اسباب کی بنا پر مناسب ہے کہ پارلیمنٹ مقامی حکومتوں کے اختیارات قرض گیری پر بھی اپنا اقتدار رکھے۔ مقامی قرضوں کی اجرائی پر نگرانی کرنے کا کام زیادہ تر لوکل گورنمنٹ بورڈ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ مقامی حکومتوں کا فرض ہے کہ قرضوں کی تمام تجاویز منظوری حاصل کرنے کی غرض سے اس سررشتے میں پیش کریں۔

مقامی شرح کا تعدیہ۔ مقامی شرح کے حقیقی تعدیے کا پتہ چلانا اور اس کی وجہ سے جو مدمہ سادات . . . نما ہوتی ہے، اس کا مناسب علاج تجویز کرنا علمی معاشیات کا غالباً کوئی مسئلہ ان سے زیادہ پیچیدہ اور تکلیف دہ نہیں ہے۔ شرح ادا کرنے سے تین خاص طبقوں کے مفاد متاثر ہوتے ہیں: مالک زمین، مالک مکان اور قابض مکان۔ ان کے علاوہ اور جن لوگوں کے مفاد پر اثر پڑتا ہے وہ مکانات کے درمیانی مالک یعنی پٹے دار اور صارفین اشیا اور قوم کے عام افراد ہیں۔ ابتدائی بار تو قابضین پر پڑتا ہے، بجز اس صورت کے جبکہ چھوٹے چھوٹے کمرے تھوڑے تھوڑے لگان پر قلیل میعاد کے لیے کرایے پر دیئے جائیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ ان کا مالک مجموعی طور پر خود شرح ادا کر دے اور پھر اسے بہ شکل لگان کرایہ جزءً وصول کرے۔ لیکن جہاں تک آخری تعدیے کا تعلق ہے، یہ مسئلہ اس وجہ سے بہت مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ شرح کا بار منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے کئی اسباب ہیں، مثلاً درمیانی مفاد واغراض کی تعداد، پٹوں اور ذیلی پٹوں کی مختلف میعادیں، ان کے معاہدات کے مختلف شرائط (جرمانے، مرمت، بڑھوتریاں وغیرہ)، ناکمل مسابقت، معاشی تصادم کے ناموافق اثرات، رسم ورواج، جہالت اور بے پروائی کا اثر، کاروباری ہردلعزیزی کی پیدا کردہ رکاوٹیں، نقل وحرکت کی دقت اور اس کے اخراجات، شرح کے مختلف رقبے اور ان رقبوں کے مختلف حالات۔ پس تعدیے کے متعلق کوئی عام مسئلہ قطعی نہیں ہو سکتا، بلکہ ان مختلف اسباب کی وجہ سے اس میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ضرور واقع ہوگا۔ لیکن باوجود

۱۶۸

ان پریشان کن اثرات کے جن میں سے بعض کے متعلق اکثر مبالغہ آمیزی کی جاتی ہے، شرح کے معاشی وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ ان کا عام رجحان معاشی اصول کے مطابق ہو۔ اور اگرچہ بعض انفرادی صورتوں اور عارضی حالات میں ان اصول سے کافی تشفی نہ ہوتی ہو، تاہم اگر مضمون پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو وہ ضرور ہماری کچھ نہ کچھ رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک طویل مدت کو پیش نظر رکھیں تو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے اسباب آپس میں ایک دوسرے کے اثر کو کم و بیش زائل کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کے پریشان کن نتائج خود بخود محو ہو جاتے ہیں۔ دراصل جو باتیں مدامی رجحان پر اپنا اثر ڈالتی ہیں، وہ معاشی عامل ہیں جو ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور جنہیں مکمل طور پر تسلیم کرنا تعدیہ کے نظریے کے لیے ضروری ہے۔

۱۲۶ مسئلۂ تعدیہ کی تحقیق کرتے وقت چار جداگانہ صورتیں ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہیں۔

(۱) زرعی زمین۔ اس صورت میں شرح اُس کسان سے وصول لیے جاتے ہیں جو زمین پر قابض ہوتا ہے اور جس کے حق میں زمین دولت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن کاشتکاری میں اصل پر کوئی خاص ٹکس نہیں لگایا جا سکتا، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اپنا اصل بجائے کاشتکاری کے دوسرے زیادہ نفع بخش کاروبار میں لگائیں گے۔ لہذا عشور کی طرح شرح کا بھی یہی اثر ہے کہ اس کی بدولت لگان میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کسان جب یہ اندازہ کرنے کے لیے بیٹھتا ہے کہ میں کس قدر لگان ادا کر سکوں گا تو صرف اصل اور نگرانی کا معمولی معاوضہ اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے حسابات میں اُن شروح کا بھی لحاظ کرتا ہے جو اسے مقامی حکومت کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ "اعلیٰ شروح ادنیٰ لگان کا باعث ہیں" یہ ایک مشہور مقولہ ہے جو اسی واقعہ کو ظاہر کرتا ہے۔ زرعی زمین پر جو شروح عائد کیے جاتے ہیں، وہ غلے کے خریداروں پر بھی منتقل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جس مسابقت کے اثر سے پیداوار کی قیمت معین ہوتی ہے وہ اس قدر وسیع

رقبے پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے کہ اس میں دور دراز مقامات کے بے شمار باز ارشامل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ زرعی شروح زیادہ تر لگان سے ادا کیے جاتے ہیں لیکن اس اصول کے عملدر آمد میں کبھی کسی قدر ردّو بدل بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اگر معاہدے کی میعاد کے اندر شروح میں اضافہ یا تخفیف ہوجائے تو اس کی بدولت جو کچھ نقصان یا فائدہ ہوگا اس کا اثر کسان پر پڑے گا۔ حتیٰ کہ جب پیٹے کی تجدید کا موقع آئے گا تو وہ پھر حسب ضرورت ردّو بدل کرلے گا۔ دوسرے یہ کہ کھیتوں میں سکونتی مکانات اور دوسرے اراضی بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک زرعی مکانات کا تعلق ہے، زراعتی شروح اُسی قاعدے کے مطابق ہوں گے جو معمولی سکونتی مکانات کے لیے متعین ہے یعنی اُن کا بار ان اشخاص پر پڑے گا جو مکانات میں رہتے بستے ہوں گے۔ کسان کے لیے بھی خواہ وہ زراعت کرتا ہو یا کسی اور پیشے میں رہے، ایک نہ ایک مکان میں رہنا ضروری ہے، لہٰذا اس تناسب سے (جس کا تخمینہ ۵ یا ۶ فی صدی کیا گیا ہے) شروح کا بار اس پر بھی پڑتا ہے۔

زراعت کے پیشے کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے، اور اس کے اندر مسابقت میں کچھ اس قدر دقتیں پیش آتی ہیں کہ شروح کے تغیرات اور قیمت پیداوار کی تبدیلیوں کا لگان پر بہت دیر میں اثر پڑتا ہے۔ لیکن اگر ایک کافی طویل مدت ہمارے پیش نظر ہو تو زراعتی شروح کا بار بالآخر لگان ہی پر پڑتا ہے۔ اگر دوسرے تمام حالات بدستور فرض کرلیے جائیں تو ایسی صورت میں شروح کے اضافے سے لگان میں تخفیف ہوگی۔ اور شروح کی تخفیف سے لگان میں اضافہ ہوگا۔ اس استدلال کا اطلاق اگر ۱۸۹۶ء والے زراعتی شروح کے قانون پر لیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ باوجود قانون کی اس کوشش کے کہ مکان میں۔ بسنے والا شروح کا صرف نصف حصہ ادا کرے، معاشی قوتوں کے عمل سے جلد یا بدیر مالک ہی کو فائدہ پہنچے گا یا تو لگان میں اضافہ ہوجائے گا یا اگر کوئی تخفیف ہونے والی ہوگی تو وہ اس کی بدولت رک جائے گی۔

(۲) **معمولی سکونتی مکانات**۔ یہاں تین مختلف شخصوں کے

مفاد ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ ایک تو مکان میں رہنے والا دوسرے مالک مکان تیسرے مالک زمین۔ شرح تو مکان میں رہنے والے سے وصول کیے جاتے ہیں اور جس حد تک وہ تمام اور یکساں ہوتے ہیں اسی پر ان کا بار باقی رہتا ہے۔ گویا جس طرح وہ روٹی صرف کرتا ہے اسی طرح وہ مکان بھی استعمال کرتا ہے۔ دونوں اس کی ابتدائی ضروریات ہیں جن کی طلب میں تغیر پذیری کی صفت بہت کم ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے غذا اور مکان دونوں ناگزیر ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں پر جو کوئی ٹکس لگایا جائے اس کا بار صارف یا استعمال کرنے والے پر پڑے گا۔ لہذا معمولی سکونتی مکانات پر جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا بار ان مکانات میں رہنے والوں پر عائد ہوتا ہے۔ جہاں تک مکان بنانے والے یا مالکِ مکان کا تعلق ہے وہ شرح کے اثر سے علیحدہ رہتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تعمیرِ مکانات دراصل شغل اصل کی ایک صورت ہے جس پر معمولی شرح کے مطابق وسط منافعہ حاصل ہونا چاہیئے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دوسرے کاروبار کو ترجیح دیں گے اور مکانات کی تعمیر کے لیے کافی اصل میسر نہ ہوگا۔ اگر اضافہ شرح کی بدولت عمارات کا کرایہ کم نفع بخش ہو جائے تو اس کی وجہ سے جدید مکانات کی تعمیر رک جائے گی حتیٰ کہ طلب و رسد میں پھر توازن قائم ہو جائے۔ برخلاف اس کے اگر مکانات کی قلت واقع ہو تو ان کا کرایہ بڑھ جاتا ہے اور لوگوں کو یہ ترغیب ہوتی ہے کہ جدید مکانات تعمیر کروائیں، حتیٰ کہ ان کی اس قدر کثرت ہو جاتی ہے کہ منافعہ پھر اپنی سابقہ معمولی شرح پر آجاتا ہے۔ غرض جس طرح بیر کا ٹکس شراب بنانے والوں سے ہمیشہ نہیں وصول کیا جا سکتا اسی طرح شرح بھی بالآخر مالک مکانات سے نہیں حاصل کیے جا سکتے۔ اگر معاشی قوتوں کو اپنا پورا اثر دکھلانے کا وقت مل جائے تو مالکِ مکان کو اس کا منافعہ حاصل ہو جائے گا۔ اور مکان میں رہنے والا بطور ایک استعمال کی چیز کے اس کی مالیت پر شرح ادا کرے گا۔ اب جہاں تک مالکِ زمین کا تعلق ہے، جو سطح زمین کا لگان پاتا ہے وہ شرح کا اس قدر حصہ ادا کرے گا جو کم از کم اس کی زراعتی مالیت کے شرح کے مساوی ہو۔ غرض معمولی مکانات کا

یہی رجحان ہے مگر اس میں یہ مفروضہ مخفی ہے کہ قانونِ مسابقت کا عملدرآمد جاری ہے، یعنی ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تعمیری اغراض کے لیے زمین کی نہایت افراط ہے اور اس کی کوئی خاص قدرِ اجارہ نہیں ہے۔

(۳) موقع محل کی قدرِ اجارہ۔ اگر کسی عمارت کا موقع محل سکونتی اور کاروباری اغراض کے لیے خاص طور پر مفید ہو تو بوجہ قلت کے اس کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اس کی بدولت لگان میں اضافہ ہو جاتا ہے جو بعض اوقات بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ قدرِ اجارہ محض موقع محل سے متعلق اور مختلف قسم کے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے مثلاً کثرتِ آبادی، فیشن، کاروبار کے خاص مواقع (جیسے کہ شہرِ لندن یا بونڈ اسٹریٹ میں حاصل ہوتے ہیں) یا صحت افزا آب و ہوا وغیرہ۔ ایسی تمام صورتوں میں خام لگان (یعنی مکان و زمین کا ملکر) تو بے انتہا بڑھ جاتا ہے، لیکن عمارتی لگان یا مکان کا کرایہ حسب سابق ہی رہتا ہے اور مالیت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے، وہ سب موقع محل کے لگان میں چلا جاتا ہے۔ جوں جوں یہ اجارہ قوی ہوتا جاتا ہے، زمین کی مالیت بھی لگان کے تناسب سے بڑھتی جاتی ہے اور مقامی حکومت کی طرف سے شروح میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جس کا بار مالکِ زمین پر عائد ہوتا ہے کیونکہ شروح لگان ہی سے منہا کیے جاتے ہیں۔ اس واقعہ کو ہم ایک مثال کے ذریعے سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ کسی مقام پر ایک مکان کا کرایہ سالانہ ۱۰۰۰ پونڈ ہے جس میں سے ۲۰۰ پونڈ ادائی شروح میں لگ جاتے ہیں۔ ۴۰۰ پونڈ عمارت کا لگان اور ۴۰۰ پونڈ زمین کا لگان ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ شروح منسوخ کر دیے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ کیا مکان کا کرایہ گھٹ کر صرف ۸۰۰ پونڈ ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ موقع محل کے فوائد کی بنا پر اور مسابقت کے اثر سے اس مکان کا کرایہ سالانہ ۱۰۰۰ پونڈ مقرر ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسابقت اب بھی پہلے کی طرح جاری رہے گی اور شروح کے منسوخ ہو جانے سے لوگوں کی طلب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لہٰذا وہ اب بھی ۱۰۰۰ پونڈ سالانہ کرایہ دینے پر آمادہ ہوں گے۔ علاوہ اس کے مکان کی تعمیر میں جو اصل صرف

۱۷۲

کیا گیا ہے، اس پر سو دبھی حسب سابق ہی ادا ہو گا کیونکہ کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے عمارات کے منافعے میں اضافہ ہو۔ لہٰذا شروح کی تنسیخ سے جو کچھ فائدہ ہو گا، وہ مالکِ زمین کے حصے میں آئے گا۔

پس معلوم ہوا کہ موقع محل کے اجارے پر جو شروح لگائے جاتے ہیں، وہ لگان سے منہا کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ شروح نہ ہوتے تو زمیندار کو اس کا فائدہ پہنچتا۔ لہٰذا ان کا بار بھی موقع محل کے مالک ہی پر پڑتا ہے۔ کرایہ دار صرف اس قدر حصہ ادا کرتا ہے جو اس سے معمولی حالات میں بوجہ عمارت استعمال کرنے کے وصول طلب ہوتا ہے۔ اور موقع محل کے اجارے سے شروح میں جو کچھ اضافہ ہوتا ہے مالکِ زمین پر اس کا بار پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مالکِ زمین کو خاص خاص حالات کی وجہ سے ایک "حاصل غیر مکتسب" دستیاب ہوتا ہے جو ایک بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ لیکن جہاں تک اضافۂ شروح کا تعلق ہے، اس کا اثر تو یہی ہے کہ لگان میں جو اضافہ ممکن تھا اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۴) **تجارتی عمارات اور دکانیں** ۔ اگر شروح تمام مقامات میں عام اور ہر جگہ یکساں طور پر عائد کیے جاتے ہوں تو اس صورت میں وہ کاروبار کے مصارف میں شامل سمجھے جاتے ہیں اور بشکل قیمت چیزوں کے خریداروں پر منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ اگر موقع محل خاص طور پر مفید ہو اور اس کی وجہ سے مسابقت میں تخفیف اور قدرِ اجارہ نمودار ہو جائے تو لگان میں لازمی اضافہ ہو گا اور اضافۂ مالیت کی بنا پر جو شروح عائد کیے جائیں گے، ان کا بار لگان حاصل کرنے والوں درمیانی پٹے دار، یا مالکِ زمین) پر پڑے گا۔ اگر مقامی شروح غیر معمولی طور پر اعلیٰ ہوں جس کی وجہ سے اس خاص صنعت میں کام کرنے والوں کو اپنے حریفوں کے مقابلے میں نقصان پہنچے یا اگر دور دراز مقامات (مثلاً شہر کے بڑے بڑے گوداموں) سے مال آکر مقامی قیمت کو گھٹا دے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اس صنعت میں کام کرنے والوں کا منافعہ گھٹ جائے گا بلکہ ممکن ہے کہ اعلیٰ مقامی شروح کی بدولت اس صنعت کا وہاں

بالکل خاتمہ ہو جائے۔ انھی نتائج کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ شرح جگہ جگہ مختلف نہ ہوں بلکہ بڑے بڑے وسیع رقبوں کے اندر وہ تمام مقامات میں یکساں ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قریب قریب مقامات میں جہاں حالات ایک ہی قسم کے ہوں شرح کا مساوی ہونا نہایت پسندیدہ ہے لیکن جو اضلاع ایک دوسرے سے بہت دور دور واقع ہوں، یا جن میں پیدائش دولت کے حالات مختلف ہوں، یا جہاں مقامی خرچ کی نوعیت اور مقدار کے متعلق لوگوں کے خیالات میں اختلاف ہو، وہاں مساوات شرح کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو مساواتِ شرح کے اصول کا صرف انھی رقبوں پر اطلاق ہونا چاہیئے جو ایک ہی مقامی حکومت کے تحت ہوں اور جہاں تمام باشندوں کے مفاد مشترک ہوں۔ مثلاً وہ تمام رقبہ جو دارالسلطنت میں شامل ہے لیکن اس صورت میں نہ صرف شرح ہی عام ہوں بلکہ حکامِ بااختیار بھی مشترک ہوں۔ جدید ذرائع آمد و رفت اور طرز زندگی کا رجحان ان معاشرتی اکائیوں کی توسیع کی طرف ہے۔ وہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ان رقبوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا جائے۔ لیکن اگر محض شرح کے انتشار کی غرض سے مختلف اضلاع کو متحد کر دیا جائے تو نتیجہ نا انصافی اور اسراف ہوگا۔ ایک ضلع کی فضول خرچی اور ادنیٰ کارگذاری کی وجہ سے دوسرے ضلع کو خواہ مخواہ ٹکس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ یہ گویا ایک طرح کی تاوین ہوگی جس کی بدولت اعلیٰ مقامات کی کارگذاری میں تخفیف ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

؎۔ اس قسم کی مصیبت کی ایک نہایت موزوں مثال مسٹر یارو کا وہ فیصلہ ہے جو انھوں نے اپنی جہاز سازی کی صنعت کو دریائے ٹیمس سے منتقل کرنے کی بابت کیا تھا۔ منجملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بیان کیا گیا تھا کہ پاپلار کے اعلیٰ مقامی شرح دنی پونڈ ۱۲ شلنگ ہے اسی وجہ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ شمال کی جہاز سازی کی صنعتوں کا مقابلہ کر سکیں جہاں ارزاں مصارفِ زندگی کے باعث اجرتیں بھی ادنیٰ ہیں۔

کیا گیا ہے، اس پر سود بھی حسب سابق ہی ادا ہوگا کیونکہ کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے عمارات کے منافعے میں اضافہ ہو۔ لہذا شروح کی تنسیخ سے جو کچھ فائدہ ہوگا، وہ مالکِ زمین کے حصے میں آئے گا۔

پس معلوم ہوا کہ موقع محل کے اجارے پر جو شروح لگائے جاتے ہیں، وہ لگان سے منہا کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ شروح نہ ہوتے تو زمیندار کو اس کا فائدہ پہنچتا۔ لہذا ان کا بار بھی موقع محل کے مالک ہی پر پڑتا ہے۔ کرایہ دار صرف اس قدر رقم ادا کرتا ہے جو اُس سے معمولی حالات میں بوجہ عمارت استعمال کرنے کے وصول طلب ہوتا ہے۔ اور موقع محل کے اجارے سے شروح میں جو کچھ اضافہ ہوتا ہے مالکِ زمین پر اس کا بار پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مالک زمین کو خاص خاص حالات کی وجہ سے ایک "ماحصل غیر مکتسب" دستیاب ہوتا ہے جو ایک بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ لیکن جہاں تک اضافۂ شروح کا تعلق ہے، اس کا اثر تو یہی ہے کہ لگان میں جو اضافہ ممکن تھا اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۴) **تجارتی عمارات اور دکانیں** ۔ اگر شروح تمام مقامات میں عام اور ہر جگہ یکساں طور پر عائد کیے جاتے ہوں تو اس صورت میں وہ کاروبار کے مصارف میں شامل سمجھے جاتے ہیں اور بشکل قیمت چیزوں کے خریداروں پر منتقل کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر موقع محل خاص طور پر مفید ہو اور اس کی وجہ سے مسابقت میں تخفیف اور قدرِ اجارہ نمودار ہو جائے تو لگان میں لازمی اضافہ ہوگا اور اضافۂ مالیت کی بنا پر جو شروح عائد کیے جائیں گے، ان کا بار لگان حاصل کرنے والوں (درمیانی پٹے دار یا مالکِ زمین) پر پڑے گا۔ اگر مقامی شروح غیر معمولی طور پر اعلیٰ ہوں جس کی وجہ سے اس خاص صنعت میں کام کرنے والوں کو اپنے حریفوں کے مقابلے میں نقصان پہنچے یا اگر دور دراز مقامات (مثلاً شہر کے بڑے بڑے گوداموں) سے مال آ کر مقامی قیمت کو گھٹا دے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس صنعت میں کام کرنے والوں کا منافعہ گھٹ جائے گا بلکہ ممکن ہے کہ اعلیٰ مقامی شروح کی بدولت اس صنعت کا وہاں

بالکل خاتمہ ہو جائے [1] انھی نتائج کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ شروح جگہ جگہ مختلف نہ ہوں بلکہ بڑے بڑے وسیع رقبوں کے اندر وہ تمام مقامات میں یکساں ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قریب قریب مقامات میں جہاں حالات ایک ہی قسم کے ہوں شروح کا مساوی ہونا نہایت پسندیدہ ہے لیکن جو اضلاع ایک دوسرے سے بہت دور دور واقع ہوں، یا جن میں پیدائش دولت کے حالات مختلف ہوں، یا جہاں مقامی خرچ کی نوعیت اور مقدار کے متعلق لوگوں کے خیالات میں اختلاف ہو، وہاں مساواتِ شروح کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو مساواتِ شروح کے اصول کا صرف انھی رقبوں پر اطلاق ہونا چاہیئے جو ایک ہی مقامی حکومت کے تحت ہوں اور جہاں تمام باشندوں کے مفاد مشترک ہوں۔ مثلاً وہ تمام رقبہ جو دارالسلطنت میں شامل ہے لیکن اس صورت میں نہ صرف شروح ہی عام ہوں بلکہ حکامِ بااختیار بھی مشترک ہوں۔ جدید ذرائع آمدورفت اور طرزِ زندگی کا رجحان ان معاشرتی اکائیوں کی توسیع کی طرف ہے۔ وہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ان رقبوں میں روزافزوں اضافہ ہوتا جائے۔ لیکن اگر محض شروح کے انتشار کی غرض سے مختلف اضلاع کو متحد کر دیا جائے تو نتیجہ ناانصافی اور اسراف ہوگا۔ ایک ضلع کی فضول خرچی اور ادنی کارگذاری کی وجہ سے دوسرے ضلع کو خواہ مخواہ ٹکس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ یہ گویا ایک طرح کی تامین ہوگی جس کی بدولت اعلیٰ مقامات کی کارگذاری میں تخفیف ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

[1] اس قسم کی مصیبت کی ایک نہایت موزوں مثال مسٹر س یارو کا وہ فیصلہ ہے جو انھوں نے اپنی جہاز سازی کی صنعت کو دریائے ٹیمس سے منتقل کرنے کی بابتہ کیا تھا۔ منجملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بیان کیا گیا تھا کہ پاپلار کے اعلیٰ مقامی شروح دنی پونڈ ۱۲ شلنگ ہی کی وجہ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ شمال کی جہاز سازی کی صنعتوں کا مقابلہ کر سکیں جہاں ارزاں مصارفِ زندگی کے باعث اجرتیں بھی ادنیٰ ہیں۔

۱۰۴ اگر دوران معاہدے میں یا پٹے کی میعاد ختم ہونے سے پیشتر کسی مقامی اصلاح پر سرمایہ خرچ کیا جائے اور اس کی وجہ سے شرح میں اضافہ ہو تو اس کا بار مکان میں رہنے والے پر پڑے گا۔ جب تک کہ معاہدے کی میعاد ختم نہ ہولے، وہ خود پر سے اس بار کو جزءً یا کُلاً منتقل ہی نہیں کرسکتا۔ اور ختم مدت کے بعد ممکن ہے کہ لگان میں اور اضافہ ہو جائے کیونکہ اُس اصلاح کی بدولت جس کے اخراجات میں وہ شریک ہو چکا ہے، جائداد کی مالیت بڑھ جائے گی۔

پٹے کی بقیہ مدت کے لیے تو جائداد کی اصلاح کے فائدے سے مالک مکان یا درمیانی زمیندار مستفید ہوگا۔ لیکن بالآخر یہ فائدہ مالک زمین کو پہنچے گا جن کرایہ داروں کی میعاد صرف ایک ایک سال ہوتی ہے، ان کی حالت کسی قدر بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی شرح میں اضافہ ہو تو وہ اپنی سکونت بدل سکتے ہیں، بشرطیکہ انھیں ادنیٰ مالیت کے مکانوں میں رہنا منظور رہو۔ لیکن نقلِ مکان میں بڑی مشکلات حائل ہوتی ہیں مثلاً کسی دوسرے مناسب مکان کی تلاش، نقل و حرکت کے اخراجات، تبدیلِ پتے کی دقتیں، تساہل، تکلیف اور تضیع اوقات وغیرہ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثر تعداد یہی مناسب خیال کرتی ہے کہ اس قدر مصیبتیں جھیلنے اور نقصان اٹھانے کی بجائے تھوڑے سے اضافے کا بار ہی برداشت کرلے۔ اس طرح معاشی تصادم کی بدولت جب کبھی کوئی نئی شرح جاری کی جاتی ہے یا پرانی شرح ہی میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا کچھ بار مکان کے موجودہ رہنے والوں پر پڑتا ہے۔ اور اس قدیم مقولے کی ایک اور مثال دستیاب ہوتی ہے کہ "شروح جہاں ایک مرتبہ عائد ہوتے ہیں، ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ وہیں جمے رہیں"۔ اب جہاں تک اس کی برعکس صورت کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ وہ بالکل صحیح ہے، یعنی اگر معاہدے کی میعاد کے اندر شروح میں تخفیف ہو جائے تو اس کا فائدہ کرایہ دار کو پہنچتا ہے۔ لیکن یہ کسی عملی تجربے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض ایک علمی مسئلہ ہے جس کی صداقت بالکل بدیہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ شروح میں شاذ و نادر ہی تخفیف ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے اصولِ مساوات کی خاطر اس بات کی حمایت کی ہے کہ

انگلستان اور ویلز میں شرح مالک مکان اور مکان میں رہنے والے کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوں۔ اسکاچستان اور آئرستان میں تو یہ طریقہ پہلے ہی سے جاری ہے۔ اگر معاشی قوتوں کا عمل بلا روک ٹوک فرض کر لیا جائے تو اوپر مختلف صورتوں کی جو تشریح کی گئی ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابتدائی تعدیے کے متعلق اس طور پر انتظام کرنے سے آخری تعدیے پر کوئی قابل لحاظ اثر پڑے گا۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے ایک بدیہی ناانصافی رفع ہوجائے اور اس طرح لوگوں کی بے چینی میں تسکین ہو اور اس حد تک اس میں شک نہیں کہ وہ قابل لحاظ بھی ہے۔ لیکن ایک معاشی عمل کی حیثیت سے شرح اور لگان کے باہمی تصفیے پر اس کا کوئی زیادہ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر مساوی تقسیم کی بدولت مکان میں رہنے والے کو شرح کا نسبتہً کم حصہ ادا کرنا پڑے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مکانات کی طلب کے اثر سے بتدریج اس کے لگان میں اسی نسبت سے اضافہ ہو جائے گا، گو اس میں شک نہیں کہ اس نقل پذیری کی رفتار بہت سست اور اس کا عملدرآمد بہت ہی تدریجی ہوگا۔ اور اسی اثنا میں معاشی تصادم کے اثر سے مکان میں رہنے والے کو کسی قدر فائدہ حاصل ہوگا لیکن جو بات زیادہ کفایت پر مبنی اور باعثِ سہولت ہے، وہ یہ ہے کہ شرح یکمشت ادا ہوں، اور مختلف اسباب کی بنا پر بہترین صورت یہ ہے کہ وہ مکان میں رہنے والے سے وصول کیے جائیں الا اُس حالت کے جہاں کمرے بہت ارزاں ہوں، کرایہ دار بار بار بدلتے رہتے ہوں، اور اس وجہ سے شرح جمع کرنا بہت دقت طلب ہو۔ ایسی صورت میں تو پھر زیادہ آسانی اسی میں ہے کہ طریق مرکب اختیار کیا جائے جس کے مطابق مالک کل جائداد پر، عام ازیں کہ وہ کرایہ پر دی گئی ہو یا محض خالی پڑی ہوئی ہو، شرحِ امدادِ مفلسین ادا کرتا ہے جس کے معاوضے میں اس کے لیے ۱۰ سے ۲۰ فی صدی تک تخفیف کر دی جاتی ہے۔

مشینوں پر شرح لگانے سے مصارفِ پیدائش میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کا بار زیادہ تر اشیا کے خریداروں پر پڑتا ہے۔ مشینوں پر شرح لگانے کی اس لیے حمایت کی جاتی ہے کہ سڑکوں، موریوں وغیرہ پر جو سرمایہ

خرچ کیا جاتا ہے، اس سے مقامی صنعتوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے، لہذا یہ ایک قرینِ عقل بات ہے کہ وہ بھی ان مصارف کی فراہمی میں شریک ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ مقامی صنعتوں کو اس طرح جو فائدہ پہنچتا ہے، اس کا کیونکر تخمینہ کیا جائے۔ واضح رہے کہ خود مشینوں کی مالیت ان فوائد کا ایک بہت ہی نامکمل پیمانہ ہے اور مقامی خدمت کی مالیت کے ساتھ اسے کوئی خاص نسبت نہیں۔ مزید براں مشین ایک طرح کا اصل اور کاروبارِ پیدائش کا ایک اہم عامل ہے۔ لہذا اندیشہ ہے کہ اعلیٰ شرح کی وجہ سے مقامی صنعتوں پر نقصان عائد ہو اور وہ اپنے حریفوں کے مقابلے میں کمزور ہو جائیں۔ آلاتِ پیدائشِ دولت پر کوئی خاص ٹکس لگانا اصول کفایت کے خلاف ہے۔ اس کی بدولت پیدائش میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور مزدور پیشہ طبقوں کو بے کاری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ٹکس عام ہو تو اس کے بار کا کچھ حصہ آگے منتقل ہو جاتا ہے اور اضافہ قیمت کی شکل میں خریداروں پر عائد ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے طلب محدود ہو جاتی ہے اور اس طرح کچھ حصہ پیچھے بھی منتقل ہوتا ہے، یعنی ان چیزوں کے بنانے والوں پر اس کا بار پڑتا ہے۔ بالآخر اُنھی اعلیٰ قیمت پر طلب و رسد کے درمیان توازن قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ٹکس مقامی ہو تو اس مقام کی صنعتیں دوسرے مقامات کی صنعتوں کے ساتھ مسابقت میں نقصان اٹھاتی ہیں۔ بعض اوقات صرف غیر منقولہ مشینوں پر ٹکس لگانے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس قسم کا امتیاز پیدا کرنا از روئے منطق کچھ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ منقولہ اور غیر منقولہ مشینوں کے درمیان کوئی بنیادی نہیں بلکہ ایک مصنوعی فرق ہے۔ اصلی حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں اصل میں شامل ہیں، ایک انجن تو وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ پر قائم رہ کر انسان کے لیے کارآمد ہوتا ہے، دوسرے ریلوں اور جہازوں کے انجن ہوتے ہیں جو جگہ جگہ مال واسباب لاتے لے جاتے ہیں۔ گو ان میں سے ایک منقولہ اور دوسرا غیر منقولہ ہوتا ہم ان میں کوئی اہم بنیادی فرق نہیں ہے۔ دونوں انسان کی صنعت کے آلے اور

مزدوروں کو کام پر لگانے کے ذرائع ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ بندرگاہ کے ایک حمالے پر تو ٹکس لگایا جائے اور ایک دخانی جہاز کو اس سے مستثنیٰ کردیا جائے، حالانکہ آخرالذکر ہی حمالے کے وجود کا باعث ہے۔ غرض مقامی ٹکسوں کو تقسیم کرنے کے لیے مشینوں پر ٹکس لگانے کا طریقہ خاص طور پر خلاف کفایت معلوم ہوتا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ اگر یہ طریق اختیار کرلیا جائے تو ٹکس کا تعدیہ مضرت رسیاں ثابت ہوگا۔

فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے ملکوں میں مقامی آمدنی کا بہت بڑا حصہ اُن ٹکسوں سے حاصل کیا جاتا ہے جو آکڑاسے کہلاتے ہیں۔ عام استعمال کی چیزیں (غذا، مسکرات، ایندھن، اور عمارتی سامان) جب شہروں میں داخل ہوتی ہیں تو اُن پر یہ محصول لگائے جاتے ہیں۔ فرانس میں زمانہ قدیم سے آکڑاسے کا طریق جاری ہے۔ پہلے اس کی آمدنی کا نصف حصہ بادشاہِ وقت کو ادا کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں محصولِ آکڑاسے مع دوسرے بالواسطہ ٹکسوں کے منسوخ کردیا گیا تھا۔ لیکن ۱۷۹۹ء میں مقامی اغراض کے لیے وہ پھر جاری کردیا گیا۔ چنانچہ اب پیرس میں بلدیے کی نصف آمدنی آکڑاسے ہی پر مشتمل ہے اور دوسرے اضلاع نے بھی کثرت کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے۔ آکڑاسے درحقیقت ایک طرح کا مقامی محصول کروڑگیری ہے جو ایک طرف تو نہایت ہی تکلیف دہ اور بھونڈا، اور دوسری طرف مصارفِ کثیر کا باعث ہے۔ چونکہ وہ زیادہ تر ضروریاتِ زندگی پر لگایا جاتا ہے، لہٰذا غریب طبقوں پر اس کا بار بہت گراں ہوتا ہے۔ اس کی بدولت مصارفِ زندگی بڑھ جاتے ہیں اور ٹکس کا بار ہرگز اسی نسبت سے تقسیم نہیں ہوتا جس سے کہ مقامی اخراجات کے فوائد منقسم ہوتے ہیں۔ تاہم جہاں جہاں لوگ اس سے رواجاً مانوس ہوگئے ہیں، وہاں اس کی جگہ کوئی اور ٹکس جاری کرنا دقت طلب ہے۔

انگلستان میں سڑکوں کی تعمیر اور دوسرے مقامی اخراجات کے لیے جب سرمایہ فراہم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہاں بھی پہلے آکڑاسے کا طریق ہی

اختیار کیا جاتا تھا بلکہ کوئلے کے محصولات کی شکل میں وہ اب بھی چند شہروں میں موجود ہے۔[1] لندن میں کوئلے کے محصولات جب ۱۸۸۹ء میں منسوخ ہوئے ہیں تو ان سے ۵۰۰،۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ ان محصولات کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔ ابتدا ان کی یوں ہوئی کہ لندن میں جس قدر کوئلہ داخل ہوتا تھا (اس وقت سمندر کی راہ سے) اس پر ۱۵۹۰ء میں فی ٹن ۴ پنس کے حساب سے ایک ٹکس لگایا گیا۔ یہ ٹکس دریائے ٹیمز کے محافظین کو اس غرض سے ادا کیا جاتا تھا کہ وہ بندرگاہ کو کھلا رکھیں۔ ۱۶۹۴ء میں اس محصول میں فی ٹن ۸ پنس کا اضافہ کیا گیا تاکہ اس سے شخصیے کا قرضہ ادا کیا جا سکے اور ۱۸۰۸ء میں ایک پنی اور بڑھا دی گئی تاکہ کوئلے کے بازار کی از سر نو تعمیر ہو سکے۔ غرض فی ٹن ۱۳ پنس کا یہ مجموعی ٹکس تمام دار السلطنت کے رقبے پر ۱۸۸۹ء تک جاری رہا۔ آخر میں تقریباً ۲۵ مقامات پر حکام شہر اسے وصول کرتے تھے۔ اسی اثنا میں کوئلہ زیادہ تر ریل کے ذریعے سے داخل ہونے لگا۔ اس کی آمدنی خاص کر بڑی بڑی اصلاحات عامہ (مثلاً ہوبورن کا پل اور دریائے ٹیمس کا پشتہ) پر خرچ کی جاتی تھی۔

معاشی نقطۂ نظر سے کوئلے کے محصولات کی حمایت نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ اس بنا پر وہ منسوخ کر دیے گئے۔ ان کی بدولت استعمال کی ایک ضروری چیز کے مصارف بڑھ جاتے تھے، غریب طبقوں پر وہ بالخصوص بہت زیادہ گرانبار تھے، اور لندن میں جس قدر صنعتیں جاری تھیں، انھیں اپنے حریفوں کے مقابلے میں سخت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ مزید برآں یہ طریقہ حالات موجودہ میں بالکل ناموزون تھا۔ اس میں دار السلطنت کے

۱۸۸

[1] شہر اِن ورنس میں مقامی اغراض کے لیے سالانہ ۸۰۰ پونڈ ایک طرح کے اکٹرائے ہی سے وصول کیے جاتے ہیں۔ یہ محصول ان اشیا پر لگایا جاتا ہے جو یا تو خشکی کے راستے سے یا نہر کیلیڈونیا سے داخل ہوتی ہیں۔ لیکن جو چیزیں سمندر کی راہ سے آتی اور بندرگاہی محصولات ادا کرتی ہیں، وہ اس محصول سے مستثنیٰ ہیں۔ اکثر حصہ تو کوئلہ، وسکی شراب اور مویشی سے وصول کیا جاتا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بھی کثیر التعداد چیزیں جن میں سوڈا اور شطاہو الوا بھی شامل ہیں۔ یہ محصول ادا کرتی ہیں۔

نشو و نما کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ مقامی حکومت کی ترقی کا۔ ایک محدود ضلع کی منتخب شدہ جماعت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ تمام رقبہ دارالسلطنت کے طول و عرض میں زندگی کی ایک ضروری چیز پر ٹکس عائد کرے اور اس طرح جو آمدنی حاصل ہو اس کے خرچ پر بھی اپنا پورا اقتدار رکھے۔

اضافۂ مالیت :۔ گذشتہ تیس سال کے دوران میں دارالسلطنت کے اندر بڑے بڑے کارہائے عامّہ انجام پا چکے ہیں جن کی بدولت اراضی کی مالیت میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ اس اضافے کا نتیجہ یہ ہے کہ مالیاتِ مقامی کا ایک جدید مسئلہ نمودار ہوا ہے جو اضافۂ مالیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح دو طرح پر استعمال ہوتی ہے :۔ ایک معنی کے لحاظ سے تو وہ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مقامی اصلاحات پر عوام کا روپیہ خرچ کرنے سے خانگی جائدادوں کی مالیت میں اضافہ ہوتا ہے مثلاً کسی نئی شاہراہ کا کھلنا۔ دوسرے مفہوم کے مطابق وہ اس اصول کو بیان کرتی ہے کہ جب کبھی خانگی جائدادوں کی مالیت میں اس طرح اضافہ واقع ہو تو مقامی حکومت کو چاہیئے کہ مالکانِ جائداد پر کوئی خاص ٹکس عائد کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ یا تو سالانہ لگان پر ٹکس لگایا جائے یا جائداد کی مالیت پر یکشت کوئی رقم تشخیص کی جائے۔ انگلستان میں تو صرف لندن کی مجلس ضلع نے اضافۂ مالیت کا اصول اختیار کیا ہے۔ لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ میں "تشخیص خاص" کے نام سے اس اصول پر ایک زمانۂ دراز سے عمل ہو رہا ہے۔ پروفیسر سیلگمین کا بیان ہے کہ امریکہ نے ابتدا میں انگلستان ہی سے اس طریقے کی تقلید کی۔ لندن کی عظیم آتش زدگی کے بعد جب شہر کی دوبارہ تعمیر ہوئی تو اس سلسلے میں متعدد خاص صلاحات کی گئیں اور ان کا بار ان اشخاص پر ڈالا گیا جن کی جائدادوں کو اصلاحات مذکور کی بدولت فائدہ پہنچا تھا[1]۔ امریکہ میں "تشخیص خاص" کا جو اصول جاری ہے وہ یہ ہے کہ افادۂ عامّہ کی غرض سے سرکار جو سرمایہ خرچ کرتی ہے اگر اس کی بدولت کسی

[1] ملاحظہ ہو "پے پی کی ڈائری" ۳ ستمبر ۱۶۶۶ء جس میں اس مضمون پر ایک نوٹ تحریر کیا گیا ہے۔

خانگی جائداد کی بازاری مالیت میں اضافہ ہو جائے تو بلا انصاف کا خون کیے ہوئے مالکِ جائداد سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس سرمائے کی فراہمی میں کچھ یکمشت رقم ادا کرے۔ اس قسم کی ادائی اور مقامی شرح میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر صورت میں یکمشت رقم ادا کردی جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اس اصلاح کے مطالبے سے نجات مل جاتی ہے جلقۂ اصلاح کے اندر جو جائداد واقع ہوتی ہے حکام متعلقہ یہ تشخیص کرتے ہیں کہ اصلاح کی بدولت اس کو کس قدر فیض پہنچا اور یہ تشخیص چند مسلّمہ معیار پر مبنی ہوتی ہے مثلاً بازاری قیمت کا اضافہ، جائداد کی وسعت، سامنے والے حصے کی مقدار وغیرہ۔ اس طریق کے حامی اس بات کے مدعی ہیں کہ اس پر نہایت عمدگی سے ساتھ عملدرآمد ہوتا ہے کیونکہ اس کی بدولت فوراً ایک ایسا مطالبہ پیش کردیا جاتا ہے جو بہ صورتِ دیگر ناحصل غیر مکتسب کی شکل اختیار کرلیتا۔ دوسرے یہ کہ اس کی وجہ سے بہت جلد دامی طور پر معاملہ طے ہو جاتا ہے۔

۱۸۹۵ء والے قانون ٹاور برج پر نظر ڈالنے سے ہمیں اصول اضافۂ مالیت کے دوسرے پہلو کی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ لندن کی مجلس ضلع نے اس اصول پر عمل کرنے میں "یکمشت رقم" کی بجائے سال بسال ٹکس لگانے کا طریق اختیار کیا۔ لیکن اس صورت میں جو اخراجات لاحق ہوتے تھے، وہ اس قدر کثیر تھے کہ تقریباً تمام آمدنی انھی میں لگ جاتی تھی۔ اضافۂ مالیت کا رقبہ معیّن کرنے اور اس رقبے میں ہر جائداد کو کس قدر فائدہ پہنچا، اس کا تخمینہ کرنے میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایک اور بات جو اس سلسلے میں نمودار ہوتی ہے وہ "تخفیفِ مالیت" کا مسئلہ ہے۔ جو تبدیلیاں اضافۂ مالیت پیدا کرتی ہیں، ان کی وجہ سے بعض اوقات جائداد کو نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ مسئلۂ تخفیفِ مالیت اسی نقصان کے معاوضے سے متعلق ہے۔ تخفیفِ مالیت کی بنا پر جو مطالبات کیے جاتے ہیں ان کا اسی وقت لحاظ کیا جاتا ہے جبکہ نقصان ایک ہی جائداد کے کسی دوسرے حصے کو پہنچا ہو۔ لیکن اگر یہ مطالبات اس لیے کیے جائیں کہ ان تبدیلیوں سے دوسرے رقبوں یا دوسری جائدادوں کو نقصان پہنچا ہے تو ان پر کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ بات تسلیم

کر لی گئی ہے کہ اصلاحات عامّہ کی بدولت بالعموم تمام ضلع کی نوعیت بدل جاتی ہے اور اس کی معاشی قدر میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔
جس طرح کنٹے میں پتھر پھینکنے سے لہریں نمودار ہو کر پھیلتی جاتی ہیں، اسی طرح ۱۸۰
مفید اور فیض رساں اثرات کا حلقہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ بتدریج تمام رقبہ اُن سے متاثر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ پبلک کے بڑے بڑے تعمیری کاموں سے بعض جائدادوں کو عارضی طور پر نقصان اٹھانا پڑے، تاہم اس اصلاح کی بدولت کل علاقے کو بہ حیثیت مجموعی جو دائمی فائدہ پہنچتا ہے، اس سے وہ جائدادیں بھی بالآخر مستفید ہوتی ہیں۔ اصول اضافۂ مالیت کے اطلاق میں جو عملی دقتیں پیش آتی ہیں، ان کو رفع کرنے کے لیے بعض اوقات ایک دوسرا اصول اختیار کیا جاتا ہے جو اصول تلافی کہلاتا ہے۔
مراد اس سے یہ ہے کہ جس ضلع میں اس قسم کی اصلاح کرنا مقصود ہوتا ہے، وہاں مقامی حکومت ایک بہت بڑا رقبہ خود خرید لیتی ہے اور اس کی مالیت میں اصلاح کی بدولت جو اضافہ نمودار ہوتا ہے، اس سے اپنی اصلاحات کے کل مصارف یا ان کا بہت بڑا حصہ وصول کر لیتی ہے۔
اصلاح کے بعد اگر مقامی حکومت چاہے تو جائداد کو زیادہ قیمت پر دوبارہ بیچ دے، یا جو صورت اس سے بہتر سمجھی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان مواقع کو اپنے ہی قبضے میں رکھے اور عمارتیں بنانے کے واسطے خاص خاص میعادوں کے لیے انھیں پٹے پر دے دے۔ اس طرح زمین کے لگان کی شکل میں اضافۂ مالیت کا معاوضہ وصول ہو جائے گا۔ البتہ اس طریق میں تخمین کا جزو ضرور شامل ہے۔

لندن کی مجلس ضلع نے اسٹرینڈ کی وسیع اصلاحات کے موقع پر یہ اصول اختیار کیا تھا۔ اس وقت کہا یہ جاتا تھا کہ یہ تجویز قوم کے لیے بالآخر نفع بخش ثابت ہوگی کیونکہ ایک طرف تو زمین کے آئندہ لگان اور اس سود کا کوئی مقابلہ نہیں جو زرِ مقروضہ پر ادا کرنا پڑے گا، دوسری طرف زائد جائداد کو حکومت عمارتی پٹوں پر دے سکتی ہے اور ختم میعاد پر حق عود اپنے لیے

محفوظ کر سکتی ہے۔[1]

۱۸۱ اگر اسٹرینڈ کے تجربے سے یہ توقعات بجا ثابت ہو جائیں تو اس طرح شہری اصلاحات کے لیے اصول تلافی اختیار کرنے کی حمایت میں گویا ایک دلیل ملجائے گی۔[2] گذشتہ چند سال سے مقامی ٹکس خوفناک طریقے پر بڑھ رہے ہیں اور ساتھ ہی شہری اراضی کی مالیت میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لگان بڑھتے جاتے ہیں اور جب کبھی عمارت کے لیے زمین فروخت ہوتی ہے تو اس کی خوب قیمت اٹھتی ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جنھوں نے شہری اراضی کے اجارے کے مسئلے کی طرف پبلک کو متوجہ کر دیا ہے اور انھی کی بدولت اب مقامی ٹکس کے

---

[1] مسٹر سی، ایف، شا لفیر نے ۲۹ر اپریل ۱۹۰۵ء کو اخبار ٹیمس کے نام ایک خط روانہ کیا تھا جس میں سے مندرجۂ ذیل اقتباس تحریر کیا جاتا ہے:-

"اس بڑی جائداد کو حاصل کرنے اور اس کی بدولت مزدوری پیشہ طبقے کے جو ۳۸۰۰ اشخاص بے خانماں ہو جائیں گے انھیں پڑوس میں دوبارہ آباد کرنے کے اخراجات کا تخمینہ ۳۰۰۰ ۹۸۴ پونڈ کیا گیا تھا۔ دوسری طرف رقبۂ تلافی کی مالیت کا تخمینہ حسب معمول کیا گیا تو ۴۰۱۶۴... پونڈ اس کی مقدار ہوئی، یعنی اگر زائد زمین کو فروخت کیا جائے تو اس کے لگان کا لحاظ کرتے ہوئے بازار میں اسی قدر قیمت اٹھے گی۔ اس طرح اس اسکیم کے خالص مصارف کا تخمینہ ۵۴۷... پونڈ ہوا۔ اب ممکن ہے کہ جائداد کو خریدنے کے بعد اس کو پٹے پر دینے تک جو وقفہ گذرے، اس میں سرکار کو نقصان اٹھانا پڑے اور ظاہر ہے کہ اس نقصان کی مقدار لازمی بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن مندرجۂ بالا تخمینے میں اس نقصان کا کوئی شمار نہیں ہے۔

"مگر مجلس اس بات پر مجبور نہیں ہے کہ اپنی اراضی کو فروخت کر دے۔ وہ مجاز ہے کہ بطور ذخیرۂ ادائی کی ضمانت کے انھیں اپنے ہی قبضے میں رکھے۔ مجلس کی رائے کے مطابق اس قسم کی اسکیم کے مصارف کا صحیح پیمانہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ہم یہ معلوم کریں کہ زمین کے آئندہ لگان، اور مندرجہ قرض کے سود میں کیا فرق ہوگا۔"

[2] تقریباً دس سال تک خالی رہنے کے بعد مشرقی کنارہ حکومتِ آسٹریلیا کو کرایہ پر دیا گیا اور اکتوبر ۱۹۱۱ء میں مغربی کنارہ بھی سالانہ ۵۵۰۰۰ پونڈ کرائے پر ایک مرتفے کو جس ایک کرہ فرخت اور کرہ نمائش بھی شامل ہیں دیدیا گیا۔

بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے مختلف تجاویز پیش ہونے لگی ہیں۔ انھی میں سے ایک وہ
تحریک ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ زمین یا موقع محل کی مالیت پر ٹکس لگا کر سرکاری
آمدنی حاصل کی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ عمارتوں کے لیے جو موقع محل درکار ہوتے ہیں
بجام ازیں کہ وہ خالی ہوں یا زیرِ استعمال، ان پر کسی نہ کسی شکل میں ٹکس لگا کر زمین کا
ماحصلِ غیر مکتسب" وصول کر لیا جائے، بالخصوص شہروں میں جہاں اضافۂ لگان کی
شکل میں یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ زمین کی مالیت ہمیشہ کے لیے
کس قدر بڑھ گئی ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مالیت میں اس طرح جو اضافہ
واقع ہوتا ہے وہ مالکِ زمین کی جد و جہد یا اس کے ذاتی خرچ کا نتیجہ نہیں ہے
بلکہ اس کا اصلی سبب سوسائٹی اور وہ سرکاری سرمایہ ہے جو سڑکوں، حفظانِ صحت
کے انتظامات، کھلے میدانوں وغیرہ پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ بات بالکل
۱۸۲
قرینِ انصاف ہے کہ اس ذریعے سے جو کچھ فائدہ نمودار ہو، اس میں عوام الناس کو
بھی کچھ حصہ ملے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اراضی کی اعلیٰ قدر اجارہ محض
اس بات کا نتیجہ ہے کہ آبادی روز افزوں بڑھتی اور کثیر تعداد میں شہروں کے
اندر جمع ہوتی جاتی ہے۔ تجارتی چہل پہل بھی ایک خاص مرکز کے قرب و جوار میں
محدود ہو جاتی ہے اور اصل بھی کثیر مقدار میں وہیں جمع ہوتا جاتا ہے۔ اس وجہ سے
مجموعی دولت بھی اُسی جگہ بڑھتی جاتی ہے اور پیداوار جد و جہد ایک خاص
رقبے کے اندر محدود ہو جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کثیر دولت میں سے
جو مالکِ جائداد کی کسی جد و جہد کے بغیر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اور جس کی
توسیع کی کوئی حد و انتہا ہی نظر نہیں آتی، سرکار کیونکر اپنا حصہ نکال سکتی ہے
یہ مسئلہ بار بار نمودار ہوتا رہا ہے۔ جے ایس مل نے اس کو حل کرنے کی
کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ بعد ازاں ٹکس مفرد کے حامیوں نے
اُس کو از سرِ نو تازہ کیا۔ مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور وسیع ہے کہ یہاں اس پر
بحث ناممکن ہے اور پورے طور پر اس کی جانچ پڑتال کرنا ہمارے موجودہ
مقصد سے غیر متعلق۔ البتہ یہاں صرف چند مشکلات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔
زمین کی قدر پر خاص طور پر ٹکس لگانے کی حمایت میں سب سے بڑی

دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اجارۂ زمین اور دوسرے اجاروں میں ایک بہت بڑا
امتیاز موجود ہے۔ وہ یہ کہ زمین پیدائش دولت کے ہر کاروبار میں ایک نہایت
اہم عامل ہے۔ بقائے وجود کے لیے سب سے پہلے اسی کی ضرورت ہے اور
مقدار میں وہ قطعی طور پر محدود ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر
زمین کی خاطر خواہ ترقی منظور ہو تو مصلحت اسی میں ہے کہ وہ خانگی افراد کی
ملک میں چھوڑ دی جائے۔ اسی اصول کی بدولت نئے نئے ممالک آباد ہوتے ہیں
اور وہی قدیم ممالک میں زراعت کی کامیابی کا خاص سبب ہے۔ دوسرے
یہ کہ اگر لگانوں میں اضافہ ہوا ہے تو ساتھ ہی شرح بھی اسی نسبت سے
بڑھ گئے ہیں اور اس کا بار مالکانِ زمین ہی پر عائد ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ پتہ
کیونکر لگایا جا سکتا ہے کہ زمین کی مالیت کا کس قدر اضافہ مالکِ زمین کی
مآل اندیشی، حسنِ انتظام اور سرمائے کا نتیجہ ہے اور کس قدر دوسرے اسباب کا۔
اس کے علاوہ اکثر زراعتی زمینوں کا لگان اس قدر نہیں ہوتا کہ مالکوں نے اُن پر
جو سرمایہ صرف کیا ہے اُس کا انھیں کافی معاوضہ مل سکے۔ اور شہری زمینوں کے
متعلق یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ وہ جلد جلد فروخت ہوتی ہیں اور ہر موقع پر خریدار
اضافۂ لگان کی پوری پوری مالیت بشکل قیمت ادا کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں
پھر اس اضافے کو وصول کرنا ایک طرح کی ضبطی اور صریحاً سر خلافِ انصاف ہے۔
لہٰذا اب سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ آخر ان تمام اعتراضات کا کس طرح جواب
دیا جائے۔ مِل نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک مرتبہ عام تشخیص کر لی جائے اور
بعد ازاں کسی تاریخِ مقررہ سے حصولِ اضافے پر عمل شروع کیا جائے۔ لیکن
اس تجویز سے مشکل حل نہیں ہوتی بلکہ صرف ملتوی ہو جاتی ہے۔ موجودہ تجویز
یہ ہے کہ مختلف اراضی کی مالیت بلحاظ ان کے موقع محل کے تشخیص کر لی جائے
اور اس کے بعد مخصوص طور پر شرح لگائے جائیں۔ اب یہ معلوم کرنا مشکل
ہے کہ بلا لگان کا حوالہ دیے ہوئے کیونکر اس تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے،
یا موقع محل پر ٹکس لگانے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس مالیت کو ضبط نہ کیا جائے
جو بوقتِ خرید پوری طور پر ادا کی جا چکی ہے۔

۱۸۴

مزید برآں زمین "ماحصل غیر مکتسب" کی متعدد شکلوں میں سے صرف ایک شکل ہے۔ قرانے کے تمام نفع بخش کاروبار، تمسکات کی مالیتوں کے اضافے، نیز وہ تمام تخمینی کاروبار جن کا وسامنا فع زائد از معمول ہو، یہ سب "ماحصل غیر مکتسب" ہی کی صورتیں ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ضرور ایسے افراد ملتے ہیں جو اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں زیادہ کماتے ہیں لیکن ان کا اس طرح زیادہ کمانا محض ان کی "خوش قسمتی" کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ ان کی ذاتی کوششوں یا قابلیت کا۔ ایک اور دقت یہ ہے کہ اضافوں کی طرح بعض اوقات تخفیف بھی واقع ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان صورتوں میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ کیا اصول مساوات یہ اجازت دیتا ہے کہ اضافہ تو فوراً وصول کر لیا جائے اور جب تخفیف واقع ہو تو اس سے بے اعتنائی کی جائے۔ مزید برآں جہاں تک جائداد کا تعلق ہے بہت سے لوگوں کے مفاد اس سے متعلق ہوتے ہیں اور متعدد قانونی ذمہ داریاں اس پر موجود ہوتی ہیں۔ تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مضمون کس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس کو منصفانہ طور پر حل کرنے میں کس قدر وقت اور مصارف درکار ہوں گے۔ اگر ان مشکلات کو پیش نظر رکھکر ہم فی الحال اس مسئلے کو ٹالنا چاہیں تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اس کا فوراً کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ شہر اور اس کے سواد میں جوں جوں اراضی کے موقع محل کی مالیت بڑھتی جاتی ہے، شہروں اور مقامی قرضداری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ شہروں کی توسیع کی کوئی حد ہی نظر نہیں آتی اور اس توسیع کے ساتھ ساتھ شرح ادا کرنے والوں پر بار روز افزوں بڑھتا جاتا ہے۔ مزید براں اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے کہ متعدد اہم تصفیہ طلب مسائل نمودار ہو گئے ہیں مثلاً افلاس، اجرت، لگان، فراہمی مکانات، صنعتوں کی نقل و حرکت وغیرہ۔ متعدد شاہی کمیشنوں نے تحقیقات کرکے رپورٹیں شائع کیں، حتیٰ کہ اب اس مضمون نے ایک نہایت اہم اور مشکل معاشرتی مسئلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔[1] لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ

[1] موقع محل کے ٹکسوں کی موجودہ حالت اور مجوزہ طریقوں کی ایک نہایت واضح کیفیت معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو اے، ولسن فاکس کی کتاب "زمین کی مالیت کے شرح"۔

کوئی مبنی بر انصاف طریقہ ایسا سوچا جائے جس کی بدولت قوم اپنے نشو و نما سے متعلقہ اخراجات کو مالیتوں کے اُس اضافے سے ادا کرسکے جو اسی نشو و نما کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ موقع محل کی مالیتوں پر محصول لگا کر مقامی ٹکس کے بار کو دوبارہ تقسیم کیا جاسکے، یہ ضروری ہے کہ جو مشکلات یہاں بیان کی گئی ہیں انھیں حل کیا جائے اور ایک ایسی قابلِ عمل اسکیم بنائی جائے جس کی بدولت اصولِ مساوات کے مطابق مختلف لوگوں کے مفاد کا لحاظ کیا جاسکے۔

معاشی نقطۂ نظر سے زمین کی مالیت پر ٹکس لگانے کا تقریباً پورا بار لگان حاصل کرنے والوں پر پڑے گا۔ (اگر ہم یہ فرض بھی کریں کہ ایسا ٹکس انصافاً صرف اختلافی قدرِ اجارہ پر لگایا جاسکتا ہے)۔ بالواسطہ طور پر یہ ٹکس کچھ خفیف سا منتقل ہو تو ہو، ورنہ دراصل وہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ٹکس کی وجہ سے عمارتی اغراض کے لیے زمین کی رسد میں کچھ نہ کچھ تخفیف واقع ہو تو ایسی صورت میں ٹکس کے کچھ حصے کا بار بشکل اضافۂ لگان مکانات میں رہنے والوں پر عائد ہوگا۔ کیونکہ بہ نسبت پہلے کے سکونتی مکانات کی قلت محسوس ہونے لگے گی۔ لیکن ٹکس کے اکثر حصے کا بار تو ہمیشہ لگان حاصل کرنے والوں پر ہی رہے گا۔

۱۸۵

۱۹۱۴ کے بعد کی تبدیلیاں

اس کتاب کی گذشتہ (۱۹۲۴ والی) اشاعت میں اُن تبدیلیوں کا جو ۱۹۱۴ء کے بعد واقع ہوئیں، متن کے اندر کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ صرف چند تشریحی نوٹ اور حوالے دے دیے گئے تھے۔ اور جنگ کے زمانے میں نیز جنگ کے بعد ۱۹۲۱ء کے موازنے تک مالیات سے متعلق جو اہم تدبیریں اختیار کی گئی تھیں، انھیں ضمیموں کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اب ان ضمیموں کی جگہ اس نئے باب کا اضافہ کیا جاتا ہے جس میں ۱۹۲۹ء تک کی مالیاتی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

ٹکس جو جنگ کے زمانے میں لگائے گئے

اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ چھڑنے کے ساتھ ہی موسمِ خزاں میں ایک اور موازنہ منظور کیا گیا جو کہ ایک بہت ہی غیر معمولی بات تھی۔ انکم ٹکس اور زائد ٹکس اُسی سال کے بقیہ چار مہینوں کے لیے دوگنے کر دیے گئے۔ اس طرح ۱۹۱۴-۱۵ء کے مالیاتی سال میں بہ حیثیت مجموعی ایک تہائی کا اضافہ ہوا اور اوسط شرح ایک شلنگ آٹھ پنس پڑی۔ لیکن سالِ آئندہ یعنی ۱۹۱۵-۱۹۱۶ء سے دگنی شرح یعنی ۲ شلنگ چھ پنس پر پورا محاصل آمد شروع ہونے والا تھا۔ اس کے علاوہ شراب اور چائے کے محصولوں میں بھی اضافہ کیا گیا اور یہ تخمینہ کیا گیا کہ ایک سال تمام میں ان سب تدبیروں کی بدولت

کل ۶۱ ملین پونڈ حاصل ہوں گے۔

مئی ۱۹۱۵ء میں ۱۹۱۶-۱۵ء کا موازنہ پیش ہوا جس میں کوئی ایسی تجویز نہیں تھی جو جنگی ٹکسوں کے اس نظام اصل میں مزید اضافے کا موجب ہو۔ لیکن جب دن گذرتے گئے اور جنگ کی وسعت زیادہ واضح ہونے لگی تو مزید مالیاتی ایثار کی ضرورت تسلیم کی گئی اور مسٹر میکینا نے جو مسٹر لائڈ جارج کی جگہ وزیر مالیات مقرر ہوئے تھے، موسمِ خزاں میں پھر ایک درمیانی موازنہ پیش کیا۔

۱۰۶

بالواسطہ محصولوں میں شکر کا محصول فی ہنڈرڈویٹ ایک شلنگ دس پنس سے بڑھا کر ۹ شلنگ چار پنس کر دیا گیا (ایک پنی فی پونڈ) اور تمباکو کا محصول اور بعض دوسرے محاصل میں بہ قدر نصف اضافہ کیا گیا۔ مالیاتی اصول کے نقطۂ نظر سے زیادہ قابلِ لحاظ تبدیلی یہ تھی کہ تامینی نوعیت کے بعض نئے محاصل عائد کیے گئے۔ پیل اور گلیڈسٹون نے آزاد تجارت کا جو سخت مسلک قائم کر دیا تھا، اُس سے انحراف کی اب تک صرف ایک مثال سنہ ۱۹۰۱ء کے عارضی محصولِ غلہ کی شکل میں موجود تھی (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۰)۔ ۱۹۱۵ء کی حکومت ایک متفقہ حکومت تھی جس میں تامینِ تجارت کے حامی قدامت پسند شامل تھے۔ لیکن خود مسٹر میکینا نے، باوجود آزاد تجارت کے حامی اور جدت پسند ہونے کے، ان محاصل کی تائید اس بنا پر کی کہ وہ محض ایک جنگی تدبیر ہے اور جنگ کے زمانے میں غیر ضروری اشیا کی درآمد کو روکنا بہت اہم ہے۔

یہ تامینی محاصل جو اُس وقت سے عام طور پر محاصلِ میکینا کے نام سے موسوم ہیں، ۳۳ ⅓ فی صد بحساب مالیت کی شرح سے موٹروں، سیکلوں، آلاتِ موسیقی، گھڑیوں اور سینما کی تصویروں پر عائد کیے گئے تھے۔

لیکن مسٹر میکینا کی زیادہ اہم تدبیریں وہ تھیں جن کا تعلق بلاواسطہ محصولوں سے تھا۔ چنانچہ انکم ٹکس فی پونڈ ۲ شلنگ ۶ پنس سے ۳ شلنگ تک بڑھا دیا گیا۔ آٹھ ہزار پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر زائد ٹکس میں اضافہ کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۱۳)۔ انکم ٹکس کی حدِ استثنا ۱۶۰ پونڈ سے گھٹا کر ۱۳۰ پونڈ کر دی گئی۔ اور چھ سو پونڈ تک کی آمدنیوں پر تخفیفات کی مقداریں بھی گھٹا دی گئیں۔

اس زمانے میں زرِ افراط جاری ہونے سے قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجرتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اب جو حدِ استثنا گھٹا دی گئی تو جسمانی محنت کرکے اجرت کمانے والوں کی کثیر تعداد انکم ٹکس کی مد کے اندر داخل ہوگئی اور ہر تماہی پر ان لوگوں کی آمدنیاں مشخص کرنے کے لیے خاص انتظامات کرنے پڑے۔ ۱۹۱۱-۱۲ء میں جسمانی محنت کرکے اجرت کمانے والوں کی آمدنیاں بہ قدر ۲۰۰ ملین پونڈ مشخص کی گئیں اور ۱۹۲۰-۲۱ء میں وہ ۸۰۰ ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہوگئیں۔ لیکن حال میں چند سال سے قیمتیں اور اجرتیں اُن بلند سطحوں سے جہاں وہ افراطِ اجرا کے دوران میں پہنچ گئی تھیں، گر گئی ہیں اور اسی وجہ سے ان آمدنیوں کی مقدار بھی گھٹ کر ۲۰۰ ملین پونڈ سے کچھ زائد رہ گئی ہے۔ طریقِ تخفیف کی وجہ سے ان آمدنیوں کے پانے والے ٹکس کی جو واقعی مقدار ادا کرتے ہیں وہ تھوڑی ہے۔ اگر ہمارے انکم ٹکس کے اس حصے کا مقابلہ جرمنی کے اسی حصے سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جرمنی میں اجرت کمانے والوں کی اکثریت انکم ٹکس کے تابع ہے۔ اور اس ٹکس کی مجموعی آمد کا خاصا بڑا جزو یہ لوگ مہیا کرتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں اجرتوں پر کامیابی کے ساتھ انکم ٹکس لگانے کا انحصار آجروں کی امداد اور ذمہ داری پر ہے۔ انگلستان میں آجر ضروری معلومات مہیا کرتے ہیں اور جرمنی میں تو وہ اجرت سے ٹکس کی مقدار وضع کر لیتے ہیں اور وضع شدہ مقدار کے مطابق اسٹامپ چسپاں کر دیتے ہیں۔

ایک اور اہم تبدیلی جو مسٹر میکینا نے آغاز کی، یہ تھی کہ قبضۂ زمین سے جو منافع حاصل ہو، اس پر انکم ٹکس لگانا شروع کیا۔

جب سے انکم ٹکس کی ابتدا ہوئی، اسی وقت سے زرعی منافعوں کی تشخیص کا (شڈول ب) ہمیشہ یہ دستور رہا کہ ٹکس اصلی منافع پر نہیں بلکہ لگان کے ایک فرضی جزو پر لگایا جاتا تھا۔ یہ جزو بہ قدر ایک تہائی مقرر تھا۔ لیکن اس طور پر جو مقدار نکلتی تھی، وہ اکثر و بیشتر صورتوں میں اصلی منافع سے بہت کم ہوتی تھی اور یہ کمی جنگ کے دوران میں قیمتیں بڑھ جانے سے اور بھی زیادہ نمایاں ہوگئی تھی۔ کیونکہ قیمتوں کے اس اضافے کا اثر نہ تو لگان کی حقیقی مقداروں پر پڑا تھا اور نہ زمینوں کی اس مالیت پر جو بحسابِ لگان انکم ٹکس کے اغراض

کے لیے کی جاتی تھی۔ مسٹر میکینا کی تجویز کے مطابق منافع کل لگان کے مساوی سمجھا جانے لگا نہ کہ صرف ایک تہائی لگان کے۔ لیکن کسان کو ہمیشہ سے یہ حق حاصل تھا اور وہی اب بھی برقرار رہا کہ اس کا ٹکس حقیقی منافع کی بنا پر (تین سالہ اوسط کے حساب سے) مشخص کیا جائے بشرطیکہ وہ مفصل حساب کتاب رکھے لیکن بہت کم کسانوں نے اپنے اس اختیار سے کبھی فائدہ اٹھایا ۱۹۱۹ء میں زرعی منافع کی تشخیص میں اضافہ کرکے اسے لگان کے دو چند قرار دیا گیا۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں جب قیمتوں کا عارضی اضافہ ناپید ہوگیا تو پھر اسے لگان کے ہم قدر قرار دیا گیا۔ ۱۸۸

۱۹۱۵ء کی تمام تدبیروں میں سب سے زیادہ قابل لحاظ محصولِ منافعہ زائد کی تدبیر تھی۔ ہر کاروبار کے متعلق یہ دیکھا جاتا تھا کہ جنگ کے پہلے اس کا سالانہ منافعہ بہ اغراضِ انکم ٹکس کس قدر مشخص کیا گیا تھا۔ اب جو منافعہ اس مقدار سے زائد حاصل ہو، اس پر یہ محصول لگایا جاتا تھا۔ ٹکس ادا کرنے والے کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ۱۹۱۱-۱۹۱۳ء ان تین سالوں میں سے جو سب سے زیادہ نفع بخش سال ہو، اسی کو اس غرض کے لیے منتخب کرے۔ اب رہے وہ کاروبار جو ۱۹۱۴ء کے بعد سے جاری کیے گئے ہوں، ان کے متعلق یہ فرض کرلیا گیا کہ انھیں اپنے سرمائے پر کسی مجوزہ شرح کے حساب سے منافعہ حاصل ہو رہا ہے۔

اس طور پر حساب کرنے سے جو زائد منافعہ برآمد ہوتا، اس پر ۵۰ فی صدی محصول لیا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ شرح ۱۹۱۶ء میں ۶۰ فی صدی اور ۱۹۱۷ء میں ۸۰ فی صدی تک بڑھا دی گئی۔

یہ ٹکس کئی وجوہ سے نکتہ چینی کے قابل تھا۔ اول تو وہ کاروبار کے زائد منافعہ پر عائد ہوتا تھا نہ کہ ٹکس ادا کرنے والے کی زائد آمدنی پر۔ گویا یہ ممکن تھا کہ کسی شخص کو محصولِ منافعۂ زائد ادا کرنے والے کسی کاروبار سے اپنی آمدنی کا کوئی جزو حاصل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی دوسرے ذرائع گھٹ جانے کے باعث اس کی آمدنی درحقیقت پہلے سے کم ہوگئی ہو۔ مزید براں علمی پیشوں کی فیس یا تنخواہوں کی شکل میں جو آمدنیاں حاصل ہوتی تھیں ان کے اضافے اس محصول سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ محصولِ منافعۂ زائد ادا کرنے والے کاروبار کو بلاوجہ

اپنے مصارف بڑھانے کی ترغیب ہوتی تھی۔ مثلاً یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اشتہاروں پر مزید دس ہزار پونڈ خرچ کردے یا تجدید یا توسیع کی بعض ایسی تدبیروں پر خرچ کرے جو انکم ٹکس کے اغراض کے لیے تو چالو اخراجات میں شمار ہو سکیں لیکن جن سے درحقیقت کاروبار کی کارگذاری میں اضافہ ہو جائے۔ اب ایسا شخص بہ قدر آٹھ ہزار پونڈ محصول منافعہ زائد سے اور بقیہ دو ہزار پونڈ پر انکم ٹکس (نیز اگر وہ دولتمند تھا تو زائد ٹکس) ادا کرنے سے بچ سکتا تھا۔ گویا صرف ڈیڑھ ہزار پونڈ خرچ کرکے یا اس سے بھی کم صرفہ سے وہ دس ہزار پونڈ کے ہم قدر اخراجات اپنے کاروبار کے لیے مہیا کر سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس ٹکس کے عملدرآمد میں متضاد باتوں کا پیدا ہونا، مشکلات کا پیش آنا اور ناانصافیوں کا نمودار ہونا لازمی تھا۔ ۱۸۹

مگر ان تمام باتوں کے باوجود اُس وقت کے حالات میں وہ آمدنی کا ایک بہت قابلِ قدر ذریعہ تھا۔ چھ سال تک اُس پر عملدرآمد جاری رہا اور اس عرصے میں تقریباً ۱۲۰۰ ملین پونڈ اس سے حاصل ہوئے۔ اس میں سے کوئی نصف رقم تو جنگ کے دوران میں وصول ہوئی اور بقیہ نصف انتہائی مالی تنگی کے ایام میں جو جنگ کے بعد ہی شروع ہوئے۔ یہ زمانہ متواترا اور روزافزوں افراطِ اجرائے زر کا زمانہ تھا اور قیمتیں چڑھ جانے سے غیر معمولی منافعہ تجارت پیشہ اشخاص کے ہاتھ لگ رہا تھا۔ لوگ "منافعہ بازوں" کی خوش حالی پر سختی سے نکتہ چینی کر رہے تھے اور معاشری نقطۂ نظر سے واقعی یہ حالت خلافِ انصاف تھی۔ لیکن یہ خوش حالی خود ان اشخاص کی حرص و طمع کا نتیجہ نہ تھی بلکہ وقتی حالات کی بدولت وہ اُن پر زبردستی نازل ہو گئی تھی۔ محصولِ منافعہ زائد نے ایک تو اس ناانصافی میں براہ راست تخفیف کی، دوسرے اس کی بدولت ایک ایسا ذریعہ آمدنی مہیا ہو گیا جو حصول زر کے اُن طریقوں کا جو افراطِ اجرائے زر پر مبنی ہوتے ہیں تنہا بدل تھا۔

اس کے بعد تین اور موازنے اثنائے جنگ میں پیش ہوئے:۔ ایک ۱۹۱۶ء میں دوسرا ۱۹۱۷ء میں اور تیسرا ۱۹۱۸ء میں۔ متواتر اضافوں کی بدولت شکر کا محصول ۲۵ شلنگ ۸ پنس فی ہنڈرڈویٹ (۲ ¾ پنس فی پونڈ) تک اور تمباکو کا محصول ۸ شلنگ ۲ پنس فی پونڈ تک پہنچ گیا۔ نئے بالواسطہ محصول بھی لگائے گئے مثلاً

تفریحات کا محصول اور دریا سلائی کا محصول۔ ۱۹۱۴ء کے بعد سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۸ء میں الکوہل والے مشروبات کے محاصل بڑھائے گئے۔ بیئر شراب کا محصول ۱۹۱۴ء میں ۷ شلنگ ۹ پنس سے بڑھا کر ۲۵ شلنگ فی بیرل کر دیا گیا تھا لیکن جہاں تک اسپرٹ والی شرابوں کا تعلق ہے ان پر چودہ شلنگ نو پنس فی گیلن کا جو محصول جنگ سے پہلے موجود تھا وہ الکوہل کے جزو کی نسبت سے بیئر کے محصول سے بہت زیادہ تھا۔ اور ۱۹۱۰ء میں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ محصول میں اضافہ کرنے کی وجہ سے مجموعی آمدنی پہلے سے گھٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسپرٹ کی ۱۹۰ شرابوں پر ٹکس لگا کر نفع حاصل کرنے کی انتہائی حد پر پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء تک ان پر کوئی مزید محصول نہیں لگایا گیا۔ بجز اس کے کہ غیر پختہ اسپرٹ کی شرابوں کے خلاف کچھ امتیاز کیا گیا جس سے تحریک اعتدال پسندی کی حمایت مقصود تھی۔

لیکن ۱۹۱۸ء میں حالات بالکل بدل گئے تھے۔ اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ شراب کشی میں اناج کا استعمال بہت گھٹا دیا جائے تاکہ اشیائے خوراک کفایت سے استعمال کی جا سکیں۔ لہٰذا اسپرٹ کی پیداوار بہر صورت اس کی طلب کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی اور اس لیے اضافۂ محصول کا یہ اثر کہ اس کی بدولت طلب رک جائے گی، ایک حد تک نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

مزید براں زربہ افراط جاری ہونے سے اس کی قوت خرید بہت گھٹ گئی تھی قیمتوں کی سطح دگنی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ چودہ شلنگ نو پنس کا محصول اصلی دولت کی شکل میں قبل جنگ کے سات شلنگ سے زیادہ نہیں تھا۔ لہٰذا محصول دگنا کر دیا گیا لیکن اس وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جبکہ قدیم محصول عائد کیا گیا تھا، یہ تیس شلنگ کا نیا محصول درحقیقت اس کے برابر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہی خیالات بیئر کے متعلق بھی صحیح تھے بلکہ اس صورت میں وہ اور زیادہ قوی ہو گئے تھے کیونکہ یہاں یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ ۱۹۱۴ء کا محصول پیدا آوری کی انتہائی حد پر پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا وہ محصول بھی دگنا کر دیا گیا اور فی بیرل پچاس شلنگ کا نیا محصول پچیس شلنگ کے محصول سے جس وقت کہ وہ

عائد کیا گیا تھا، زیادہ گراں بار نہ تھا۔

محصول منافعۂ زائد میں جو متواتر اضافے ہوئے، ان کا حال ہم پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں۔

انکم ٹکس ۱۹۱۶-۱۵ء میں پانچ شلنگ تک بڑھا دیا گیا اور ساتھ ہی ۲۵۰۰ پونڈ سے نیچے کی آمدنیوں کے لیے تخفیفات کا ایک پیچیدہ پیمانہ تیار کیا گیا (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ نوٹ)، ۱۹۱۸-۱۷ء میں یہ شرح چھ شلنگ کر دی گئی اور زائد ٹکس میں بھی اضافہ کیا گیا۔ اثنائے جنگ کے متواتر موازنوں کا عام اثر اس مقدارِ آمدنی سے ظاہر ہوتا ہے جو مختلف ٹکسوں سے سال بہ سال حاصل ہوئی۔

۱۹۱

سال	ٹکس والی آمدنی	بے ٹکس آمدنی	میزان (ملین پونڈ میں)
۱۹۱۴-۱۳ء	۱۶۳٫۰	۳۵٫۲	۱۹۸٫۲
۱۹۱۵-۱۴ء	۱۸۹٫۳	۳۷٫۴	۲۲۶٫۷
۱۹۱۶-۱۵ء	۲۹۱٫۰	۴۵٫۸	۳۳۶٫۸
۱۹۱۷-۱۶ء	۵۱۴٫۱	۵۹٫۳	۵۷۳٫۴
۱۹۱۸-۱۷ء	۶۱۳٫۰	۹۴٫۲	۷۰۷٫۲
۱۹۱۹-۱۸ء	۷۸۴٫۳	۱۰۴٫۷	۸۸۹٫۰

باوجود اس کے ۱۹۱۸-۱۷ء میں ۱۹۸۸ ملین پونڈ اور ۱۹۱۹-۱۸ء میں ۱۶۹۰ ملین پونڈ قرضہ لینے سے ملک محفوظ نہ رہ سکا۔

ٹکس جو جنگ کے بعد لگائے گئے

---

۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو جرمنی کے ساتھ صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ لیکن پھر بھی ۱۹۲۰-۱۹۱۹ء پر بہت زبردست بوجھ موجود تھا جو کچھ تو جنگی ذمہ داریوں پر اور کچھ ان عظیم الشان مصارف پر مشتمل تھا جو فوجوں کو برخواست کرنے اور ملک کو دوبارہ ٹھیک ٹھاک کرنے میں لاحق ہوتے ہیں۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں کیفیت موازنہ کے اندر مصارف کا پیشگی اندازہ بہ قدر ۱۴۳۴ ملین پونڈ کیا گیا۔ اور واقعی خرچ

۲۶۶ ملین پونڈ ثابت ہوا۔ دوسری طرف بے ٹکس محاصل کے زیر عنوان ایک بہت بڑی رقم علامت کے کثیر اثاثوں کی فروخت سے وصول ہوئی۔ اثنائے جنگ میں صنعت وحرفت، تجارت اور نقل و حمل کی تقریباً ہر شاخ پر حکومت کا تسلط ہو جانے سے یہ تمام اثاثے اس کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس مد سے ۱۲۰ ملین پونڈ کا پیش اندازہ کیا گیا تھا لیکن دراصل اس سے ۲۶۵ ملین پونڈ دستیاب ہوئے لیکن پھر بھی ۳۰۰ ملین پونڈ کے خالص خرچ کی محض مداخل سے سربراہی نہیں کی جا سکتی تھی۔

موجودہ ٹکسوں کی آمدنی بڑھ رہی تھی۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء میں اُن پر عملدرآمد شروع ہو چکے۔ ایک سال ہو چکا تھا قیمتیں بھی پہلے سے اور زیادہ چڑھ گئی تھیں۔ لہذا ٹکسوں میں مزید اضافے عائد کیے گئے۔ اسپرٹ کا محصول فی گیلن تیس شلنگ سے پچاس شلنگ اور بیر کا محصول فی بیرل پچاس شلنگ سے ستر شلنگ کر دیا گیا۔ پندرہ ہزار پونڈ کے اوپر والی تمام جائدادوں پر محصولِ جائداد بڑھا دیا گیا اور دو ملین پونڈ سے متجاوز جائدادوں پر تو وہ ۴۰ فی صدی تک پہنچ گیا۔ ۱۹۲

اس کے برعکس محصولِ منافعۂ زائد کو گھٹا کر ۸۰ سے ۴۰ فی صدی کیا گیا۔ اس محصول سے ہر سال کوئی ۳۰۰ ملین پونڈ وصول ہو رہے تھے لیکن اس تخفیف سے صرف ۵۰ ملین پونڈ نقصان کی توقع کی گئی۔ جنگی منافعے اب ایک گئی گذری بات تھے اور قیمتوں کے گرنے اور کاروبار سست پڑ جانے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مگر چونکہ یہ محصول جس سال کے منافع پر مشخص کیا جاتا ہے اُس کے ختم ہونے کے ایک کافی طویل وقفے کے بعد عملاً وصول کیا جاتا ہے، اس لیے مداخل کے نقصان کا کوئی اثر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء پر نہ پڑتا۔

ان تمام تدبیروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقدر ۹۹۸,۶۰۰,۰۰۰ پونڈ محاصل ٹکس سے وصول ہوئے یعنی سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء کے محاصل ٹکس سے بقدر ۲۰۰ ملین پونڈ اور موازنے کے پیش اندازے سے بقدر ۶۰ ملین پونڈ متجاوز ہو گئے۔ افراطِ اجرائے زر کے پھر قدم جم گئے تھے اور قیمتیں پھر تیزی کے ساتھ چڑھ جانے سے ٹکس کی پیداوار بہت بڑھ گئی تھی۔

سنہ ۱۹۲۰ء کا موازنہ افراطِ اجرا کی انتہائی حالت میں پیش کیا گیا۔

انگلستان جنگ کی شرح اسی وقت ۶۰ فی صدی تک بڑھا دی گئی تھی لیکن صورت حال صاف بتلا رہی تھی کہ حکومت کو اپنا خرچ بذریعہ ٹیکس چلانا چاہیے۔ چنانچہ بیئر اور Spirits کے محصولوں میں اور اضافہ کیا گیا اور پہلے کی شرح فی بیرل سو شلنگ اور دوسرے کی فی گیلن ۷۲ شلنگ ۶ پنس تک پہنچ گئی۔ محصول منافعۂ زائد بھی ۸۰ فی صدی کر دیا گیا۔ زائد ٹیکس کی شرحیں بلند کی گئیں۔ نیز شراب، اسٹامپ اور موٹروں کے محصولوں میں اضافے کیے گئے۔

یہ دیکھ کر کہ محصول منافعۂ زائد ایک غیر معمولی اور عارضی نوعیت کا ٹیکس ہے، یہ ضروری سمجھا گیا کہ آئندہ کے لیے اس کی جگہ پر ایک زیادہ مستقل ٹیکس مہیا کیا جائے۔ ۱۹۳
چنانچہ محصول منافع کمپنیاں کی شکل میں ایسا ٹیکس دستیاب ہو گیا۔ یہ ٹیکس ہر محدود ذمہ داری والے کاروبار پر بہ شرح ایک شلنگ فی پونڈ مقرر کیا گیا۔

مصارف جنگ کی سربراہی کے لیے ٹیکسوں میں جو اضافے کیے گئے، وہ سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے اور اسی سال ان کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ غیر معمولی مصارف اب بھی جاری تھے۔ مگر دوسری طرف خاص محاصل "بھی مل رہے تھے جو حکومت کے اثنائے جنگ میں حاصل کیے ہوئے وسیع اثاثوں سے، نیز مختلف دوسرے وسائل سے حاصل ہو رہے تھے اور ان دونوں مدوں میں عملاً توازن سا پیدا ہو گیا تھا۔ ٹیکس کے محاصل اپنی انتہائی مقدار یعنی ۳۱،۲۵،۰۰،۰۰۰ پونڈ پر پہنچ گئے۔

جنگ کے بعد والے دو سال یعنی سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء اور سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مالیاتی مسلک کے اندر چند قابل ذکر تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

ایک یہ کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں انکم ٹیکس میں تخفیفات کا طریقہ بالکل نئی طرز پر قائم کیا گیا اور اس میں سادگی پیدا کی گئی۔

۱۹۲۰ء سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ چھوٹی آمدنیوں پر (یعنی ۷۰۰ پونڈ تک) تخفیفات کی اجازت تھی اور اس کی یہ صورت تھی کہ آمدنی کا ایک خاص حصہ ٹیکس کے عمل سے خارج رہتا تھا۔ چنانچہ چار سو پونڈ تک کی آمدنی والے صرف ۱۲۰ پونڈ سے

متجاوز حصے پر ٹکس ادا کرتے تھے، چار سو اور پانچ سو پونڈ کے درمیان والے ۱۵۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر، پانچ سو اور چھ سو پونڈ کے درمیان والے ۱۲۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر اور چھ سو اور سات سو پونڈ کے درمیان والے ۷۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر۔

یہ طریقہ انتظامی سہولت کی وجہ سے اختیار کیا گیا تھا۔ انکم ٹکس کا بڑا حصہ "ماخذ پر وضعات" کے ذریعے سے جمع کیا جاتا ہے۔ لگان، سود، مقسوم اور بعض حالات میں تنخواہوں کی رقمیں، یہ سب ٹکس وضع کر لینے کے بعد لوگوں کو ادا کی جاتی ہیں۔ ٹکس یکساں شرح سے وضع کیا جاتا ہے اور اکثر صورتوں میں تخفیفات کا عمل یوں ہوتا ہے کہ ٹکس کی پہلے سے وضع شدہ رقم بعد کو واپس کر دی جاتی ہے۔ اب مجلدر آمدنی میں اس طریقے کی سادگی واضح ہے کیونکہ تخفیف کی رقم کا انحصار تخنیف مقدارِ آمدنی پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ آمدنی چند وسیع حدود کے مابین واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۴

۱۹۰۷ء میں ایک نئی بات یہ اختیار کی گئی کہ کمائی آمدنیوں پر جو ۲۰۰۰ پونڈ سے متجاوز نہ ہوں، (صفحہ ۵۷) تخفیف عطا کرنے کے لیے ادنیٰ شرح ٹکس کی صورت اختیار کی گئی۔ ۱۹۱۴ء میں ۲۵۰۰ پونڈ تک کی کمائی آمدنیوں کے لیے ایک تدریجی پیمانہ اختیار کیا گیا۔

اثنائے جنگ میں انکم ٹکس میں اضافے ہوتے رہے اور یہی طریقہ برقرار رہا لیکن جب کمائی آمدنیوں کے لیے جو پانسو اور دو ہزار پونڈ کے مابین ہوں تدریج بذریعۂ تخفیفات کے علاوہ تدریج بذریعۂ شرح کا بھی عمل ہونے لگا۔ اس کا پیمانہ صفحہ ۵۷ پر بتایا گیا ہے۔ مزید براں خود تخفیفات میں بھی کمی کر دی گئی۔

تخفیف کی ایک اور شکل ۱۹۰۹ء میں جاری کی گئی تھی، اور وہ یہ تھی کہ ہر زیر پرورش بچے کے لیے قابلِ ٹکس آمدنی میں سے دس پونڈ کم کر دیے جاتے تھے۔ اس مقدار میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۹ء میں پہلے بچے کے لیے چالیس پونڈ اور باقی ہر بچے کے لیے تیس پونڈ کم کیے جانے لگے اور دوسرے زیر پرورش متعلقین کے لیے بھی اس کا عمل ہونے لگا۔ اس تخفیف کا اطلاق پانچ سو پونڈ تک کی آمدنیوں پر ہوتا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں یہ حد سات سو پونڈ تک بڑھا دی گئی۔

۱۹۲۰ء کے قانون مالیات کی اہم اصلاحات نے اُن پیچیدہ پیمانوں کا خاتمہ کردیا جن کے مطابق تخفیفات کا انحصار آمدنی کی مقدار پر ہوتا تھا۔ اس کے بجائے ہر ٹکس ادا کرنے والے کے لیے، خواہ اس کی کچھ ہی آمدنی ہو، ایک معینہ رقم یعنی ۱۳۵ پونڈ کی تخفیف منظور کی گئی اور اس کے علاوہ ایک بیوی کے لیے نوّے پونڈ پہلی اولاد کے لیے ۳۶ پونڈ اور بعد کی ہر اولاد کے لیے ستائیس پونڈ کی مزید تخفیف منظور ہوئی۔ اور ان میں سے کسی صورت میں مقدار آمدنی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جانے لگا۔ ان تخفیفات کی رقم نکال لینے کے بعد جو آمدنی بچے، اُس پر پہلے ۲۲۵ پونڈ کی حد تک نصف معیاری شرح سے اور بقیہ پر سالم معیاری شرح سے ٹکس لیا جانے لگا۔

کمائی آمدنیوں کی خاطر پہلے جو شرح ٹکس میں فرق کیا جاتا تھا، اس کے بجائے اب کمائی آمدنی کے دسویں حصے کے برابر تخفیف کی جانے لگی بشرطیکہ ایسی آمدنی پندرہ سو پونڈ سے متجاوز نہ ہو۔ ۱۹۵

یکساں تخفیفات کے اس طریقے سے انتظام میں سادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اب مجموعی آمدنی دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر نوبت پر شرح ٹکس میں تدریج کا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے آمدنیاں بڑھنے لگتی ہیں شرح میں تدریج کا اثر کمتر ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار پونڈ کی آمدنی پر چند سو پونڈ کے تخفیفات دے دیے جائیں تو اس سے شرح ٹکس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اعلیٰ آمدنیوں میں تدریج کا اثر زائد ٹکس کے ذریعے سے پیدا کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے مسٹر لائڈ جارج نے اپنے ۱۹۰۹ء کے مشہور موازنے میں زائد ٹکس کی تجویز پیش کی جو دارالامرا نے مسترد کر دی۔ لیکن دستور پر ایک نازک مرحلہ گذرنے کے بعد وہ منظور ہو گئی۔ اُس وقت اس ٹکس کا اطلاق صرف اُن آمدنیوں پر ہوتا تھا جو سالانہ پانچ ہزار پونڈ سے زائد ہوتی تھیں اور وہ بحساب چھ پنس فی پونڈ مزید انکم ٹکس کے طور پر صرف اُس حصۂ آمدنی پر لگایا جاتا تھا جو تین ہزار پونڈ سے متجاوز ہوتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ سے پہلے جو آخری موازنہ پیش ہوا اُس میں تین ہزار پونڈ سے زائد تمام آمدنیوں پر یہ ٹکس لگایا گیا اور وہ اس طور پر کہ ڈھائی ہزار پونڈ سے

متجاوز آمدنیوں کے لیے حسب ذیل تدریجی پیمانہ بنایا گیا۔ پہلے پانچ سو پونڈ پر ۵ پنس فی پونڈ اس کے بعد والے ایک ہزار پونڈ پر ۷ پنس فی پونڈ اس کے بعد والے ایک ایک ہزار پونڈ پر بہ ترتیب ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۵ پنس فی پونڈ اور بقیہ یعنی زائد از آٹھ ہزار پونڈ پر ۱۶ پنس فی پونڈ۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں جو جنگی موازنہ پیش ہوا تو ان شرحوں میں بہ تعداد ایک تہائی اضافہ کیا گیا اور ۱۹۱۵ء میں یہ شرحیں دوگنی ہو گئیں۔ ۱۹۱۱ء میں تدریج کا طریقہ دس ہزار پونڈ تک پھیلا دیا گیا اور انتہائی شرح ۳ شلنگ ۶ پنس تک پہنچ گئی۔ ۱۹۱۱ء میں وہ ڈھائی ہزار پونڈ سے زائد آمدنیوں پر عائد کیا گیا اور تدریجی پیمانے کا اطلاق دو ہزار پونڈ سے زائد پر ہونے لگا۔ پہلے پانسو پونڈ پر فی پونڈ ایک شلنگ سے شروع ہو کر اس کی شرح دس ہزار پونڈ سے متجاوز آمدنیوں پر فی پونڈ چار شلنگ چھ پنس تک پہنچ گئی۔

۱۹۲۰ء کے قانون مالیات کی بدولت سات ہزار پونڈ تک کی آمدنیوں پر شرح ٹکس میں ۶ پنس کا اضافہ کیا گیا اور سات ہزار سے دس ہزار پونڈ تک کی آمدنیوں پر ایک شلنگ کا۔ آٹھ ہزار سے بیس ہزار پونڈ تک شرح ٹکس (بجائے ۴ شلنگ اور پھر ۴ شلنگ ۶ پنس کے) پانچ شلنگ تھی، بیس ہزار سے تیس ہزار پونڈ تک ۵ شلنگ ۶ پنس اور تیس ہزار پونڈ سے متجاوز آمدنی پر ۶ شلنگ۔ پس جس وقت انکم ٹکس کی شرح ۶ شلنگ تھی، اس وقت تیس ہزار پونڈ سے متجاوز آمدنیوں پر بارہ شلنگ فی پونڈ یا ۶۰ فی صدی ٹکس لیا جا رہا تھا۔ ۱۹۶

۱۹۲۰ء کے موازنے کا ایک اور قابل لحاظ واقعہ یہ ہے کہ مشہور مالیت زمین کے محصول منسوخ کر دیے گئے۔ ۱۹۱۰ء کی دستوری کشمکش کا سب سے نمایاں سبب یہی محصول تھے۔ (ملاحظہ ہو صفحات ۱۳۲-۱۳۳) ان محصولوں کی وجہ سے یہ ضرورت پیش آئی کہ گراں مصارف برداشت کر کے جامع طور پر سلطنت کی تمام زمین کی مالیت دریافت کی جائے۔ اور اس کے علاوہ بے شمار قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ٹکس جمع کرنے کا خرچ بڑھ گیا اور اس کی پیدا آوری گھٹ گئی۔ اب یہ محصول نہ صرف منسوخ کیے گئے بلکہ ان کے دس سالہ عملدرآمد میں جو رقمیں وصول ہوئی تھیں، وہ ٹکس ادا کرنے والوں کو واپس دے دی گئیں۔ البتہ

معدنی حقوق کا محصول اس تنسیخ میں نہیں شامل کیا گیا کیونکہ وہ دراصل معدنی آمدنیوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

یہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ۱۹۱۵ء میں پہلی حکومت متفقہ نے بعض تامینی محصول جاری کیے تھے۔ اب دوسری حکومت متفقہ نے اس اصول کو اور آگے بڑھایا۔

پہلی بات تو یہ کہ شاہی ترجیح کا اصول ۱۹۱۹ء میں شروع کیا گیا۔ برطانوی شہنشاہی کی پیداواروں پر ممالک غیر کی پیداواروں کے مقابلے میں ادنیٰ شرح سے محصول لگانا قرار پایا۔ ترجیح کا اطلاق شکر، چائے، اور تمباکو جیسے بڑے بڑے مالی محصولوں پر کیا گیا اور ۱۹۱۵ء کے تامینی محصولوں سے تو برطانوی شہنشاہی کی پیداواریں پورے طور پر مستثنیٰ کی گئیں۔ برطانیہ میں کوئی عام محصول یا تامینی طریق تو مروج تھا نہیں اس لیے جس ترجیح کا اس طور پر آغاز کیا گیا وہ بہ لحاظ اپنے نتائج کے کوئی باقاعدہ چیز نہ تھی۔ اس کا فائدہ تقریباً پورے طور پر صرف چند برطانوی مقبوضات کے حصے میں آیا جن کا مفاد شکر سے وابستہ تھا اور جن کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ چائے کی ترجیح کا تو کوئی اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ پہلے ہی سے اس کی رسد کا بہت بڑا حصہ ہندوستان اور سیلون سے آتا تھا۔ دوسرے یہ کہ چینی چائے اور ہندوستانی چائے کے درمیان خاصیت اور قیمت کا فرق بہت نمایاں تھا۔ ۱۹۷

۱۹۲۱ء کے قانونِ محافظتِ صنعت کی شکل میں گویا تامین کی ایک اور قسط پیش کی گئی۔ اس کی بدولت بعض ایسی اشیا پر تامینی محصول لگائے گئے جن کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ خاص سلوک کی مستحق ہیں۔

سب سے پہلے کلیدی صنعتوں کی پیداواریں اس کے تحت آئیں۔ یہ وہ پیداواریں تھیں جن کی رسد کے لیے بیرونی ذرائع پر انحصار کرنا ملک کے مفاد کے لیے نامناسب خیال کیا گیا۔ اس کی یا تو یہ وجہ تھی کہ ایسی پیداواریں جنگ کے زمانے میں درکار ہوتی ہیں یا یہ کہ کسی اور بہت بڑی صنعت کا کام جاری رکھنے کے لیے ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

دوسرے، بعض ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ ہمارے بیرونی حریف اپنے زر کے اتار سے مسابقت میں بیجا فائدہ اٹھا رہے تھے کیونکہ اس کی وجہ ان کے مصارف پیدائش انگلستان کے مقابلے میں گھٹ گئے تھے۔ (اترے ہوئے زر کا محصول)۔
تیسرے، یہ اختیار حاصل کیا گیا (گو بعد کو یہ ثابت ہوا کہ یہ اختیار کبھی استعمال ہی نہیں ہوا) کہ باہر سے جو اشیا بھر مار کی جائیں (یعنی وہ اشیائے درآمد جو مصارف سے کم قیمت پر فروخت ہوں) ان پر محصول لگائے جائیں۔

ٹکس کی معافیاں (۱۹۲۱-۱۹۲۵ء)

۲۱-۱۹۲۰ء میں جو ٹکس لگائے گئے، وہ ایک غیر معمولی کوشش کا نتیجہ تھے۔ کوئی ۲۳۰ ملین پونڈ کا حقیقی سر حاصل حکومت کے ہاتھ لگا۔ اور اس سے قرضے کی تخفیف کا کام لیا گیا۔ افراط اجرا والی مالیات کا اب خاتمہ ہو رہا تھا۔ ۱۹۲۰ء کے موسم بہار میں تحدید اعتبار کا کامیابی کے ساتھ آغاز کیا گیا تھا لیکن اب وہ تدبیر ایسی سخت ثابت ہونے لگی کہ مشکل سے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ اشیا کی قیمتیں یک لخت گریں اور کساد بازاری کا دور شروع ہوا۔
۲۲-۱۹۲۱ء میں محصول منافعۂ زائد منسوخ کیا گیا، لیکن کوئی ادعا اہم رعایت ٹکس ادا کرنے والوں کے ساتھ نہیں کی گئی۔ حقیقت میں خود محصول منافعۂ زائد کی خوبی زائل ہو چکی تھی۔ کیونکہ قیمتیں گرنے سے منافعۂ زائد ناپید ہو رہا تھا۔ بعض کاروبار جو محصول منافعۂ زائد ادا کر چکے تھے، بعد کو انھیں اتنے نقصانات اٹھانے پڑے کہ وہ محصول واپس پانے کے مستحق قرار دیے گئے۔ محصول کو ختم کرنے کا عمل کئی سال تک جاری رہا اور ایک سے زائد مرتبہ تو ایسا اتفاق ہوا کہ واپسیوں کی رقم وصول شدہ بقایا کی رقم سے بڑھ گئی، گویا اس محصول کی پیداآوری ایک منفی مقدار کے برابر تھی۔
۱۹۲۲ء کے موازنے میں کچھ معمول کے سے حالات نظر آنے شروع ہوئے۔

۱۹۸

اور جنگی ٹیکسوں کی معافیوں کا در اصل آغاز ہوا۔ چنانچہ انکم ٹیکس کی شرح فی پونڈ ۶ شلنگ سے گھٹ کر پانچ شلنگ (۱۹۲۲ء) ساڑھے چار (۱۹۲۳ء) اور چار شلنگ (۱۹۲۵ء) تک پہنچ گئی۔ چائے کا محصول ایک شلنگ فی پونڈ سے گھٹ کر ۸ پنس (۱۹۲۲ء) اور پھر ۴ پنس (۱۹۲۴ء) ہوگیا۔ شکر کا محصول ۲۵ شلنگ ۸ پنس فی ہنڈرویٹ (۱/۴ ۲ پنس فی پونڈ) سے گھٹ کر ۱۱ شلنگ ۸ پنس (۱/۴ ۱ پنس فی پونڈ) ہوگیا۔

بیئر شراب کا محصول بھی گھٹا دیا گیا اور اس طور پر گھٹایا گیا کہ ہلکی شرابوں کو زیادہ فائدہ پہنچے۔ موجودہ محصول بحساب ۵ پونڈ فی معیاری بیرل قائم رہا۔ معیاری بیرل ایک ایسا پیمانہ ہے جس کا انحصار خود بیئر کی مقدار پر نہیں بلکہ اُس کے اندر الکوہل کی مقدار پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک "بلک بیرل" میں ۳۶ گیلن شراب سماتی ہے گر اس پر جو محصول لگایا جائے گا، وہ اسی نسبت سے جو اُس کے الکوہل کی مقدار اور معیاری بیرل کے الکوہل کی مقدار میں قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہلکی بیئر پر ۵ پونڈ فی بلک بیرل سے بہت کم محصول ادا کیا جائے گا۔ ۱۹۲۳ء میں جو تخفیف منظور کی گئی، اس نے یہ صورت اختیار کی کہ مقدارِ محصول سے فی بلک بیرل بیس شلنگ وضع کیے جانے لگے (بہ شرطیکہ شرحِ محصول ۲۴ شلنگ فی بلک بیرل سے نیچے نہ اتر جائے)۔

محصول تفریحات گھٹا دیا گیا (۱۹۲۴ء) اور جہاں فیس داخلہ ۶ پنس سے زائد نہ ہو، وہاں وہ بالکل معاف کر دیا گیا۔ محصولِ منافعۂ کمپنیاں بہ قدر نصف گھٹا دیا گیا (۱۹۲۳ء) اور بعد ازاں (۱۹۲۴ء) بالکل منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں محصول مکان سکونہ کی تنسیخ عمل میں آئی جو کسی قدر تاریخی دلچسپی کی حامل ہے (صفحات ۷۷ - ۸۱)۔

۱۹۹ ۱۹۲۳ء کے انتخاب عام میں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حامیِ آزادی طبقے کی تائید سے مزدور حکومت برسرِ اقتدار آگئی، من جملہ اور مسائل کے ایک مسئلہ قدامت پسند حکومت کا وہ طرزِ عمل تھا جو اُس نے تا مین تجارت کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں متفقہ حکومت کا خاتمہ ہو جانے کے بعد سے قسم قسم کی تدبیریں پیش کی گئیں (جن میں شاہی ترجیح کے بعض توسیعات

خاص طور پر قابل ذکر ہیں)۔ لہٰذا ۱۹۲۳ء میں ملک سے جو اپیل کی گئی اُس کا منشا یہ تھا کہ حکومت کو اُن وعدوں سے بری کر دیا جائے جو ۱۹۲۲ء میں سابقہ انتخاب کے موقع پر اُس نے کیے تھے اور جو اُس کی آزادی عمل میں حائل تھے۔

تدامت پسندوں کو تو شکست ہوگئی، اور مزدور حکومت نے سامانی محصول جو میکینا محصولوں کے نام سے موسوم اور ۱۹۱۵ء سے جاری تھے، منسوخ کر دیے اور اترسے ہوئے زر کا محصول بھی متروک ہوگیا۔

دولت پر حصۂ رسدی لگانے کی تجویزیں

جنگ کے بعد یہ قومی قرضے کا بوجھ بہت خوفناک ہوگیا، چنانچہ ۱۹۱۹ء کے ختم پر اس کی انتہائی مقدار ۲ ۸ ہزار ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔ اسی وجہ سے تخفیف قرضہ کا سوال اٹھا اور ذخیرۂ ادائی کے طول عمل کے مقابلے میں لوگ کسی زیادہ تیز طریقے کے امکان پر غور کرنے لگے۔ دو تجویزیں اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ ایک کل دولت پر حصۂ رسدی لگانا، دوسرے دولت کے اثنائے جنگ والے اضافوں پر حصۂ رسدی لگانا۔

دولت پر حصۂ رسدی سے مراد ایک ایسا ٹکس ہے جو ہر فرد کی مجموعی دولت پر مشخص کیا جائے، گویا وہ ایک ایسا محصول جائداد ہے جو زندوں پر عائد کیا جائے۔ اس میں جس طریقے سے چاہو، تدریج پیدا کی جا سکتی ہے اور معمولی جائدادیں اس سے مستثنیٰ کی جا سکتی ہیں۔ انتظام میں بھی یوں سادگی پیدا کی جا سکتی ہے کہ ٹکس سے ایسے املاک خارج کر دیے جائیں جن کا پتہ لگانا یا جن کی مالیت دریافت کرنا بہت مشکل ہو۔

اس تجویز پر بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں، مختلف وجوہ سے اس پر اعتراض کیے گئے۔ اگر اس دعوے کو مان لیا جائے کہ اس سے کئی ہزار ملین پونڈ کی توقع کی جا سکتی ہے، تب بھی ادائی ٹکس کے عمل ہی سے طریق اعتبار میں سخت بے ترتیبی پیدا ہو جائے گی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ادائی بہ شکل نقد

درکار نہ ہوگی بلکہ پیشل تمسکات اس کی اجازت ہوگی۔ مگر اس جواب سے اُس خوف کی پوری تشفی نہ ہوئی۔

مگر اہم اعتراض تو یہ تھا کہ ایسا ٹیکس دولت ضبط کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ ایک مرتبہ عائد کرنے کے بعد اُسے پھر دُہرایا جا سکے گا۔ حقِ ملکیت پر پھر کسی کو بھروسہ ہی نہیں رہے گا، اور پس اندازیِ دولت کی محرک قوتیں کمزور ہو جائیں گی۔ ان اسباب کی بنا پر حملہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکیین اس تجویز کی حمایت کرنے لگ گئے، اور قدامت پسندوں کی مخالفت بہت شدید ہو گئی۔

دوسری تدبیر یعنی دولت کے اثنائے جنگ والے اضافوں پر حصۂ رسدی لگانا، یہ ان اعتراضات سے نسبتۃً بری تھی کیونکہ اس کی نوعیت ایک مناجی تدبیر کی سی تھی۔ لیکن اثنائے جنگ والے اضافوں کا اکثر و بیشتر حصہ محصولِ منافعۂ زائد کی شکل میں پہلے ہی حاصل کر لیا گیا تھا اور جو کچھ باقی رہا تھا وہ زیادہ تر نتیجہ تھا سطحِ قیمت کے بلند ہو جانے کا۔ اور اس وجہ سے جو اضافے واقع ہوئے تھے، وہ قطعاً حقیقی اضافے نہ تھے بلکہ اس پیمانے کے گھٹاؤ کا نتیجہ تھے جس کے ذریعے سے دولت کا حساب کیا جاتا ہے۔ ان برائے نام اضافوں کے مقابلے میں بہت سے نقصانات بھی تھے مثلاً وہ جو تمسکات کی قیمتیں اُتر جانے سے واقع ہوئے تھے۔ پس یہ واضح ہو گیا کہ اس اصول پر جو ٹکس لگایا جائے گا، وہ نہ مطابق انصاف ہوگا اور نہ بہت پیداآور ہوگا۔

۱۹۱۹ء میں مسٹر آسٹین چیمبرلین نے (جو اب سَر کا خطاب پا چکے ہیں) بہ حیثیت وزیر مالیات کے اس تجویز کی تحقیق کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل متروک کر دی گئی۔

۱۹۲۳ء کے انتخاب کے بعد مزدور حکومت برسرِ اقتدار آئی تو پھر یہ توقع پیدا ہوئی کہ شاید دولت پر حصۂ رسدی عائد کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ حکومت کا انحصار آزادی پسند جماعت کی تائید پر تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ خود مزدور جماعت کے رہنما اس کی طرف مائل نہ تھے۔ البتہ ۱۹۲۴ء کے ختم پر حکومت سے ہٹنے کے بعد

مزدور جماعت نے بجائے اس حصۂ رسدی کے چند اور تجویزیں اختیار کی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ اشغال اصل سے جو آمدنیاں حاصل ہوتی ہیں اُن پر مزید ٹکس لگایا جائے۔

مالیاتی تدبیریں ۱۹۲۵-۱۹۲۹ء

دسمبر ۱۹۲۴ء میں قدامت پسند حکومت عہدے پر آئی اور اس کا پہلا موازنہ معافی ٹکس کے دور ہی سے متعلق ہے۔ ۱۹۲۵-۲۶ء کے لیے ۶۶۰۰۰۰۰ پونڈ سرحاصل کا پیش اندازہ کیا گیا۔ لیکن انکم ٹکس میں ۴ سے ۴ شلنگ تک جو تخفیف کردی گئی، اس میں یہ سرحاصل تقریباً ختم ہوگیا (پورے سال بھر کے لیے اس کا خرچ ۳۲ ملین پونڈ ہوتا لیکن پہلے سال میں صرف ۲۴ ملین پونڈ کی ضرورت پڑتی تھی)۔ اس کے علاوہ اضافہ و تخفیف، دونوں قسم کی اور بھی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ زائد ٹکس اور محصول جائداد کے پیمانوں میں ترمیم کی گئی۔ پہلے میں تخفیف اور دوسرے میں اضافہ کیا گیا اور وہ بھی اس طریقے پر کہ محاصل کی پیش اندازہ کمی اور زیادتی ایک پورے سال کے اندر ٹھیک ایک دوسرے کے برابر ہوجائیں۔ دو ہزار پونڈ سے متجاوز تمام آمدنیوں پر زائد ٹکس کا پیمانہ حسب ذیل قرار پایا:۔

پہلے ۵۰۰ پونڈ پر	۹ پنس فی پونڈ
اس کے بعد والے ۵۰۰ پونڈ پر	ایک شلنگ "
" ۱۰۰۰ "	ایک شلنگ ۶ پنس فی پونڈ
" ۱۰۰۰ "	۲ شں ۳ پ "
" ۱۰۰۰ "	۳ شں "
" ۲۰۰۰ "	۳ شں ۶ پ "
" ۲۰۰۰ "	۴ شں "
" ۵۰۰۰ "	۴ شں ۶ پ "

"	۵۰۰۰ "	۵ شلنگ	"
"	۱۰۰۰۰ "	۵ شلنگ ۶ پنس	"

باقی یعنی ۳۰۰۰۰ پونڈ سے متجاوز پر ۶ شلنگ "

جہاں تک محصول جائداد کے پیمانے کا تعلق ہے، وہ سو پونڈ سے پانسو ۲۰۲
پونڈ تک کی جائداد پر ایک فی صدی اور پانسو پونڈ سے ایک ہزار پونڈ تک کی
جائداد پر ۲ فی صدی سے شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ بڑھتا جاتا ہے مثلاً
۱۸ ہزار اور ۲۱ ہزار پونڈ کے درمیان ۸ فی صدی، ۳۵ ہزار اور ۴۰ ہزار پونڈ کے
درمیان ۱۲ فی صدی، ایک لاکھ اور ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کے درمیان ۲۰ فی صدی
یہاں تک کہ ۲ لاکھ پونڈ سے متجاوز جائدادوں پر ۴۰ فی صدی تک پہنچ جاتا ہے
جو کہ اس کی انتہائی شرح ہے۔

کمائی آمدنیوں پر انکم ٹکس میں تخفیف کی شرح $\frac{1}{9}$ سے بڑھا کر $\frac{1}{6}$
کردی گئی۔

۱۹۲۵ء کے موازنے میں ایک اور اہم نئی تبدیلی یہ ہوئی کہ ریشم اور
مصنوعی ریشم پر محصول لگایا گیا۔ اصلی ریشم پر تو صرف محصول کروڑگیری لگایا گیا کیونکہ
خود برطانیہ میں ریشم نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن مصنوعی ریشم پر ایک محصول کروڑگیری
بحساب ۲ شلنگ فی پونڈ (وزن) اور دوسرے محصولِ پیداوار ملکی بحساب
ایک شلنگ اس طرح دو محصول عائد کیے گئے۔ ان دونوں میں جو فرق تھا اس سے
برطانوی پیداواروں کو اچھی خاصی تامین ملنے لگی۔ اس کے علاوہ ریشم اور
مصنوعی ریشم کے تیار شدہ مال کی درآمد پر اسی مطابقت سے جو محصول لگائے گئے
وہ بھی اپنے اثر میں تامینی تھے۔

قدامت پسند حکومت تامین کے متعلق اپنی سابقہ پابندیوں سے سبکدوش
کردی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۲۴ء کے انتخاب کے موقع پر "عام محصول" جاری نہ کرنے
کے لیے اس نے اپنے آپ کو ازسرِنو پابند کرلیا۔ اسے یہ تو آزادی تھی کہ وہ جس
قسم کے تامینی محصول تجویز کرنا چاہے، تجویز کرے بشرطیکہ وہ عمومیت کے قریب
نہ پہنچیں۔ چنانچہ مسٹر چرچل نے اپنے پہلے موازنے میں میکینا محصول دوبارہ

جاری کر دیے اور صنوبروں پر ایک تامینی محصول عائد کیا۔ سنہ ۱۹۲۵ء کے دوران میں نئے محافظتی محصول عائد کیے گئے اور رتالو والی شکر کی پیدائش پر چند سال کے لیے انعامات کا طریقہ جاری کیا گیا۔

قدامت پسند حکومت کے بجٹ اور موازنے پیش ہوئے۔ وہ سب مخالف معاشی حالات سے متاثر تھے۔ تجارتی کساد بازاری اور قیمتوں کا انحطاط برابر جاری رہا۔ اور کوئلے کی کان کنی کے کاروبار پر جو نازک وقت آیا، اس کے اثرات ۲۰۳ موازنے کے حق میں دو طرح سے تباہ کن ثابت ہوئے۔ ایک سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء میں آمد کے خرچ کی صورت میں، دوسرے سنہ ۱۹۲۶ء کی عام ہڑتال اور کوئلے کی نزاع کے توسط سے۔ نتیجہ یہ کہ سنہ ۱۹۲۶ء، سنہ ۱۹۲۷ء اور سنہ ۱۹۲۸ء میں ٹیکسوں میں اضافہ کرنا ضروری ہو گیا۔

ایک دلچسپ لیکن ناکام تجربہ یہ تھا کہ جوئے بازی پر ٹیکس لگایا گیا۔ یہ ٹیکس سنہ ۱۹۲۶ء میں عائد کیا گیا اور سنہ ۱۹۲۹ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ اس کی پیداآوری بہت مایوس کن تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دھوکہ بازی کو روکنا ناممکن تھا۔ مزید چھوٹے چھوٹے تامینی محصول عائد کرنے کا طریقہ جاری رہا لیکن اُن سے آمدنی میں بہت خفیف اضافہ ہوا۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں خام شکر کی درآمد کا محصول بہ قدر ½ پنس فی پونڈ وزن گھٹا دیا گیا تاکہ شکر صاف کرنے کی صنعت کو تامین ملے۔

اس دور کی سب سے اہم مالیاتی تدبیر یہ تھی کہ سنہ ۱۹۲۸ء میں تیل پر محصول لگایا گیا تاکہ مقامی ٹیکسوں کی اصلاح کے لیے وسائل مہیا ہو سکیں۔ اس اصلاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جس قدر جائداد پیداآور کاروبار میں لگی ہوئی ہے، اس کو شرح کے تین چوتھائی بوجھ سے نجات دلائی جائے۔ اس رعایت کی وجہ سے مقامی حکومتوں کے مالیات میں جو کمی واقع ہوگی، اس کی تلافی کرنے کے لیے تیل کے محصول کی آمدنی استعمال کی جائے گی (جس حد تک بھی وہ کام آ سکے)۔

قانون شرح زرعی بابت سنہ ۱۸۹۶ء کے ذریعے سے اسی قسم کی امداد عطا کی گئی تھی اور سنہ ۱۹۲۳ء میں اس میں اضافہ کیا گیا تھا۔ اب نئی اسکیم کے ضمن میں

زرعی زمین کو شروع سے پورے طور پر نجات دے دی گئی۔

اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حکومت کی ساخت میں نیز مرکزی خزانے سے مقامی محکموں کو جو امداد دی جاتی ہے اس کی شکل و شرائط میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

مسٹر چرچل کی دو اور مالیاتی تدبیریں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ موٹروں کے ٹکس کا ایک حصہ روڈ فنڈ سے نکال کر مرکزی خزانے میں داخل کر دیا گیا۔ مثلاً ۱۹۲۸ء میں
۲۰۴
اس ٹکس کی آمدنی کا جو تخمینہ کیا گیا ہے اس کے من جملہ ۲۲۵۱۰۰۰۰۰ پونڈ کی رقم تو روڈ فنڈ کو ملے گی اور ۴۶۱۰۰۰۰۰ پونڈ مرکزی خزانے میں داخل ہوگی۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں چائے کا محصول منسوخ کر دیا گیا۔ یہ محصول مختلف شرحوں سے سترھویں صدی سے برابر چلا آ رہا تھا۔

فرانس کے ٹکس ۱۹۱۴ - ۱۹۲۹ء

طویل مباحثے اور بہت سے سیاسی تغیرات کے بعد بالآخر ۱۹۱۴ء میں فرانسیسی مجلس وضع قوانین نے انکم ٹکس کی منظوری دی۔ جنگ سے کچھ ہی پہلے یہ ٹکس منظور ہوا تھا، اور اس میں اتنی دیر لگ گئی تھی کہ اس سے فوراً کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ جنگ کے پہلے دو سال تک تو کوئی مزید ٹکس نہیں عائد کیا گیا۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں بالآخر انکم ٹکس پر عملدرآمد شروع کیا گیا، گو اس کی شرح بہت ادنیٰ رکھی گئی۔ اس کے بعد چند نئے ٹکس لگائے گئے جن میں جنگی منافع کا محصول خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

فرانس میں افراط اجرائے زر کا جو دور دورہ رہا اور حالت بہت نازک ہوگئی، اس کا ایک اہم سبب تھا کہ وہاں اثنائے جنگ میں ٹکس ناکافی تھے۔ عارضی صلح کے بعد افراط اجرا میں اور شدت ہوگئی۔ فوجوں کو برخواست کرنے اور تباہ شدہ علاقوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کے ابتدائی مدارج کا زبردست خرچ کچھ مدت تک محض عارضی قرضے کی مقدار میں اضافہ کر کر کے چلتا رہا۔

۱۹۲۰ء کے ابتدائی مہینوں میں کبھی ایم فرانسوا مارسال نے جو اسی وقت

وزیر مالیات ہوا تھا، اس بات کی سنجیدہ کوشش کی کہ مداخل میں اضافہ کیا جائے اور پھر بھی ناگزیر طور پر جو کمی باقی رہے، اس کو پورا کرنے کے لیے مدامی قرضے جاری کیے جائیں۔

اس کی تدبیروں میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ وہ ٹکس تھا جو مجموعی مقدار کاروبار پر لگایا گیا تھا اور ایک اور ٹکس کے نمونے پر ڈھالا گیا تھا جسے ارتسبر گر نے کچھ ہی ۲۰۰ پہلے جرمنی میں عائد کیا تھا۔ تمام دولت پیدا کرنے اور اشیا کا لین دین کرنے والے جتنے معاملات کریں، ان کی خام مالیت کے بہت تھوڑے جزو یعنی ایک فی صدی پر یہ ٹکس مشتمل ہوتا ہے۔ کسی ایک معاملے پر اس کا بار اس قدر ہلکا ہوتا ہے کہ بات چھپانے یا دھوکہ دینے کے لیے کوئی وجہ تحریک نہیں رہتی۔ لیکن معاملات کی کل مقدار جس پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ٹکس کا مجموعی حاصل بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ ایک بالواسطہ ٹکس ہے جس کا بار صارف شے پر پڑتا ہے۔ بار کی مقدار کا انحصار اس بات پر ہے کہ صارف کی خریدی ہوئی چیز، نیز وہ اشیائے خام اور وہ خدمات جن کا وہ نتیجہ ہے، ان سب پر کتنی مرتبہ ٹکس ادا کیا جا چکا ہے۔ اس کا نتیجہ کثرت معاملات کے مخالف پڑتا ہے اور یوں بعض لحاظ سے اس کا اثر پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ہر معاملہ حصولِ نفع کا ایک موقع ہوتا ہے، اب ٹکس کی بدولت جس قدر ان موقعوں میں کمی ہوگی، اسی قدر منافعہ بھی گھٹ جائے گا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں ٹکسوں کے اندر چند اور اہم اضافے واقع ہوئے اور خاص کر انکم ٹکس میں۔ اثنائے جنگ میں تو اس کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن اب وہ فرانسیسی سوازنے کا ایک خاص ذریعۂ آمدنی بن گیا ہے۔

ایم فرانسوا مارسال کے اصلاحاتِ ٹکس اور اس کے جاری کردہ بڑے بڑے قرضے ایسے وقت پر آئے جبکہ دوسرے ملکوں میں افراطِ اجرائے زر کو کامیابی کے ساتھ روکا جا رہا تھا۔ فرانس میں بھی قیمتوں کا چڑھاؤ روک دیا گیا تھا اور اس کی جگہ قیمتیں گرنی شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن اگرچہ قیمتیں گریں اور بہت تیزی کے ساتھ گریں، تاہم فرانسیسی زر میں جو اُتار پیدا ہو گیا تھا، اس کی اب بھی

تلافی نہ ہو سکی۔ اشیا کی قیمتیں اپنی ادنی ترین سطح پر پہنچنے پر بھی ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں کوئی تین گنی زیادہ تھیں اور فرانک اپنی نصف قدر طلا سے اوپر نہ چڑھ سکا۔

باوجود اس کے قیمتوں کے گرنے سے ٹکسوں کے ماحصل میں کمی واقع ہوئی۔ ۲۰۶
مجموعی مقدار کاروبار والے جدید ٹکس کی آمدنی پیش اندازے سے بہت کم رہی۔ مخارج کے مقابلے میں مداخل کی زبردست کمی بدستور قائم رہی۔ سیاسی پیچیدگیاں ۱۹۲۳ء میں قبضۂ روہر کی صورت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں اور اُن کی وجہ سے سخت بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔ اور ۱۹۲۴ء میں دوبارہ افراط اجرائے زر شروع ہو جانے سے بحران کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

ایک مرتبہ اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ٹکسوں میں اضافہ کرنا ناگزیر ہے۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں ایم پوان کارے نے اپنا "دُہرے عشر" والا قانون نافذ کیا جس کے مطابق تمام ٹکسوں میں بجز چند مستثنیات کے $\frac{1}{5}$ کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ تدبیر بھی کافی نہیں ثابت ہوئی۔ موازنے کی کمی پورے طور پر نہیں رفع ہوئی۔ مزید براں ۱۹۲۵ء میں بعض بڑے قرضوں کی میعاد ختم ہونے سے عارضی قرضے میں جو مزید اضافے کا اندیشہ تھا اس کی وجہ سے از سرنو بے اعتباری پیدا ہو گئی۔

۱۹۲۶ء کے موازنے میں ٹکسوں میں مزید اضافے کیے گئے اور بالآخر اُسی سال اگست کے مہینے میں ایم پوان کارے کی بنائی ہوئی حکومت متفقہ نے مزید اضافے اتنے بڑے پیمانے پر کیے کہ جس سے موازنے میں ایک بڑی اور قابلِ اعتماد بچت حاصل ہو سکے۔

مجموعی مقدار کاروبار کا ٹکس (جس میں پہلے ہی کئی طرح سے اضافہ ہو چکا تھا) ۲ فی صدی تک بڑھا دیا گیا۔ اور قسم قسم کے بالواسطہ محصول جو فرانک کے حساب سے معین کیے گئے تھے، بڑھا دیے گئے۔ کیونکہ جیسے جیسے فرانک اُترتا گیا، ان کی اصلی مالیت بھی بہ شکل دولت کم ہو گئی تھی۔

انکم ٹکس میں بھی مزید اضافہ کیا گیا۔ فرانسیسی انکم ٹکس برطانوی انکم ٹکس اور زائد ٹکس کے اجتماع سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ دو چیزوں پر مشتمل ہے:۔
(۱) ایک فہرست والا ٹکس جو آمدنی کے ہر ماخذ پر جدا جدا مشخص کیا جاتا ہے

اور (۲) دوسرے مجموعی آمدنی والا ٹکس جو ٹکس ادا کرنے والے ہر فرد پر براہ راست مشخص کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ آخر الذکر ٹکس بجائے چند بڑی بڑی آمدنیوں تک محدود رہنے کے، تمام آمدنیوں پر جو ایک ادنیٰ حد (یعنی سات ہزار فرانک یا پچپن پونڈ) سے متجاوز ہوں، لگایا جاتا ہے۔ ذاتی تشخیص پر جو ٹکس مبنی ہوں اُن میں فریب دہی کا انسداد مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرانسیسی وزرائے مالیات نے انکم ٹکس میں فریب دہی کی بار بار شکایتیں کی ہیں۔ اسی وجہ سے سنہ ۱۹۲۶ء میں جو اضافے کیے گئے، وہ "فہرست والے" ٹکس میں لیے گئے کیونکہ یہی صورت قرینِ عقل تھی۔

۲۰۰

۲۰۸

مداخل ومخارج

مداخل ٹکس بابت ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء اور پیش اندازے بابتہ ۱۹۲۹-۱۹۳۰ء

(بہ ہزار پونڈ)

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء

(۱) کروڑگیری اور چنگی

	کروڑگیری	چنگی	میزان	آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۱۹۳۰-۱۹۲۹ء
اسپرٹ	۶۶۷۰	۳۸۹۹۸	۴۵۶۶۸	......	۴۴۰۰۰
بیئر	۴۹۷۸	۷۰۸۴۷	۷۵۸۲۵	......	۷۹۰۰۰
وائن	۴۲۴۸	۲۰۲	۴۴۵۰	......	۴۷۱۰
ٹیبل واٹرس	۳۶	۳۵۵	۳۹۱	......	۴۰۰
چائے	۵۷۴۰	.....	۵۷۴۰	......	۵۰
کوکو	۷۰۹	.....	۷۰۹	......	۷۲۰
کافی وچکوری	۲۴۲	.....	۲۴۲	......	۲۵۰
شکر	۱۳۹۱۲	۱۳۷۶	۱۵۲۸۸	......	۱۵۱۰۰
خشک میوے	۶۴۳	.....	۶۴۳	......	۶۴۰
تمباکو	۵۹۰۸۵	۱	۵۹۰۸۶	......	۶۰۰۰۰
دیا سلائی	۲۰۷۷	۱۸۸۴	۳۹۶۰	......	۴۰۰۰
سینما کے فلم	۱۹۲	-----	۱۹۲	......	۱۸۰

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء

	کروڑگیری	چنگی	میزان	آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۱۹۲۹-۱۹۳۰ء
گھڑیاں	۶۱۴	.....	۶۱۴	......	۶۵۰
موٹریں اور موٹر سیکلیں	۲۴۷۰	.....	۲۴۷۰	......	۲۵۰۰
آلات موسیقی	۲۳۹	.....	۲۲۹	......	۲۴۰
ریشم اور مصنوعی ریشم	۴۵۹۷	۱۴۶۶	۶۰۶۳	......	۶۲۰۰
تیل	۹۳۶۴	۳۶۱۸	۱۲۹۸۲	......	۱۵۷۰۰
تفریحات	.....	۶۰۰۳	۶۰۰۳	......	۶۲۰۰
مسکرات کے لیسنس	.....	۴۵۷۰	۴۵۷۰	......	۴۰۰۰
دوسرے لیسنس	...	۵۳۰	۵۳۰	......	۶۳۰
محصول ریلوے	...	۳۶۷	۳۶۷	......	۶۰
دوائیں، تحفے، وغیرہ	.....	۱۴۰۰	۱۴۰۰	......	۱۳۵۰
بازیاں یا شرطیں	.....	۲۲۴۵	۲۲۴۵	......	۵۰۰
صنوبرے	۲۹۰	.....	۲۹۰	......	۲۹۰
کلیدی صنعت کا محصول	۶۳۳	.....	۶۳۳	......	۶۰۰
دوسرے تامینی محصولات	۱۷۰۲	.....	۱۷۰۲	......	۱۷۷۲
دوسرے محصولات اور اتائیں وغیرہ	۵۳۲	۱۷-	۵۱۵	......	۳۸۸
میزان کروڑگیری	۱۱۸۹۶۴	.....	۱۱۸۹۷۲	......	۱۱۹۸۵۰
میزان چنگی	......	۱۳۳۸۴۴	.....	۱۳۴۰۰۰	۱۳۰۳۳۰
میزان کروڑگیری و چنگی	.....	.....	۲۵۲۸۱۸	۲۵۲۹۷۲	۲۵۰۱۸۰
(۲) موٹر سواری کے محصولات	.....	.....	۲۵۵۳۵	۲۵۳۵۷	۲۷۱۹۰
(۳) محصولات مت۔					
محصول جائداد			۷۲۲۳۱		
محصول وراثت			۷۶۳۶		

۲۰۹

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۲۹ء

	کروڑگیری	جنگی	میزان آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۱۹۲۹-۳۰ء
محصول جانشینی	۱۱۵۴	۸۱۰۲۰	۸۰۵۷۰	۸۱۰۰۰
(۴) اسٹامپ۔				
زمین اور املاک	۴۸۵۹			
تمسکات، حصے، وغیرہ	۱۱۶۹۵			
محصول سرمایہ کمپنیاں	۴۴۱۶			
چک اور ہنڈیاں	۵۱۲۲			
رسائد	۲۲۸۶			
دوسرے اسٹامپ	۱۷۵۸	۳۰۱۴۴	۳۰۰۶۰	۳۱۰۰۰
(۵) محصول زمین	۶۲۴		۶۴۰	۸۰۰
(۶) محصول حقوق معدنی	۲۱۰		۲۰۰	
(۷) محصول آمدنی (انکم ٹیکس)	۲۳۷۲۷۴		۲۳۷۶۲۰	۲۳۹۵۰۰
(۸) محصول زائد	۵۶۲۱۴		۵۶۱۵۰	۵۸۰۰۰
(۹) محصول منافع زائد	۲۰۱۴		۱۷۰۰	۱۶۰۰
محصول منافع کمپنیاں				
میزان محاصل ٹیکسی	۶۸۵۱۳۸		۶۸۵۲۶۹	۶۸۹۳۷۰
محاصل غیر ٹیکسی۔				
ڈاک خانہ۔				
محاصل ڈاک	۳۸۹۶۸			
ٹیلیگراف	۹۲۲۷			
ٹیلیفون	۲۰۱۲۰	۶۵۳۱۵	۶۵۳۰۰	۶۷۰۱۰
شاہی زمینیں		۱۲۱۴	۱۲۱۰	۱۲۵۰
متفرق قرضے (سود اور اصل کی ادائی)		۲۸۱۱۱	۲۹۱۱۱	۳۰۵۵۰

خاص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۱۹

	کروڑگیری	چنگی	میزان	آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۲۹-۱۹۳۰ء
محاصل متفرق۔					
معمولی	۱۲۹۴۰				
خاص	۴۳۴۰۲	۵۶۳۴۲		۵۶۵۴۵	۳۸۵۰۰
میزان داخل	......	۸۳۶۸۲۰		۸۳۶۴۳۵	۸۲۶۶۸۰

مخارج

۲۱۰

		اجرائی خزانہ ۲۸-۱۹۲۹ء	پیش اندازے ۲۹-۱۹۳۰ء
قومی قرضہ۔			
سود	۲۱۰۰۲۱		
انتظام	۱۴۲۴		
ذخیرہ ادائی	۱۰۵۷۵	۳۶۹۰۰۰	۳۵۵۰۰۰
سنک فنڈ		۲۱۱۳۱	۲۲۵۱۰
مقامی ٹکسوں کے حسابات		۱۵۲۰۳	۱۵۰۰۰
خزانہ آئرستان شمالی		۵۱۰۰	۵۴۰۰
دوسرے مدامی خدمات		۲۸۰۶	۳۵۰۰
فوج		۴۰۵۰۰	۴۰۵۴۵
بحریہ		۵۶۹۲۰	۵۵۸۶۵
ہوائی قوت		۱۶۰۵۰	۱۶۲۰۰
سیول ووٹ		۲۲۲۴۹۲	۲۲۳۳۲۵
سررشتہ جات آمدنی			
کروڑگیری اور چنگی		۴۸۵۵	

		اجرائی خزانہ ۲۹-۱۹۲۸ء	پیش اندازے ۲۹-۱۹۳۰ء
مداخل اندرون ملک	۶۷۹۲	۱۱۶۳۷	۱۱۵۶۹
ڈاک خانہ .	......	۵۷۲۰۰	۵۸۱۱۰
مقامی آمدنی کی جدید امداد		......	۱۵۵۶۰
منجانب خزانہ			
		۸۱۸۰۴۱	۸۲۲۵۸۴

د ـــــ ت ـــــ م ـــــ ت ـــــ
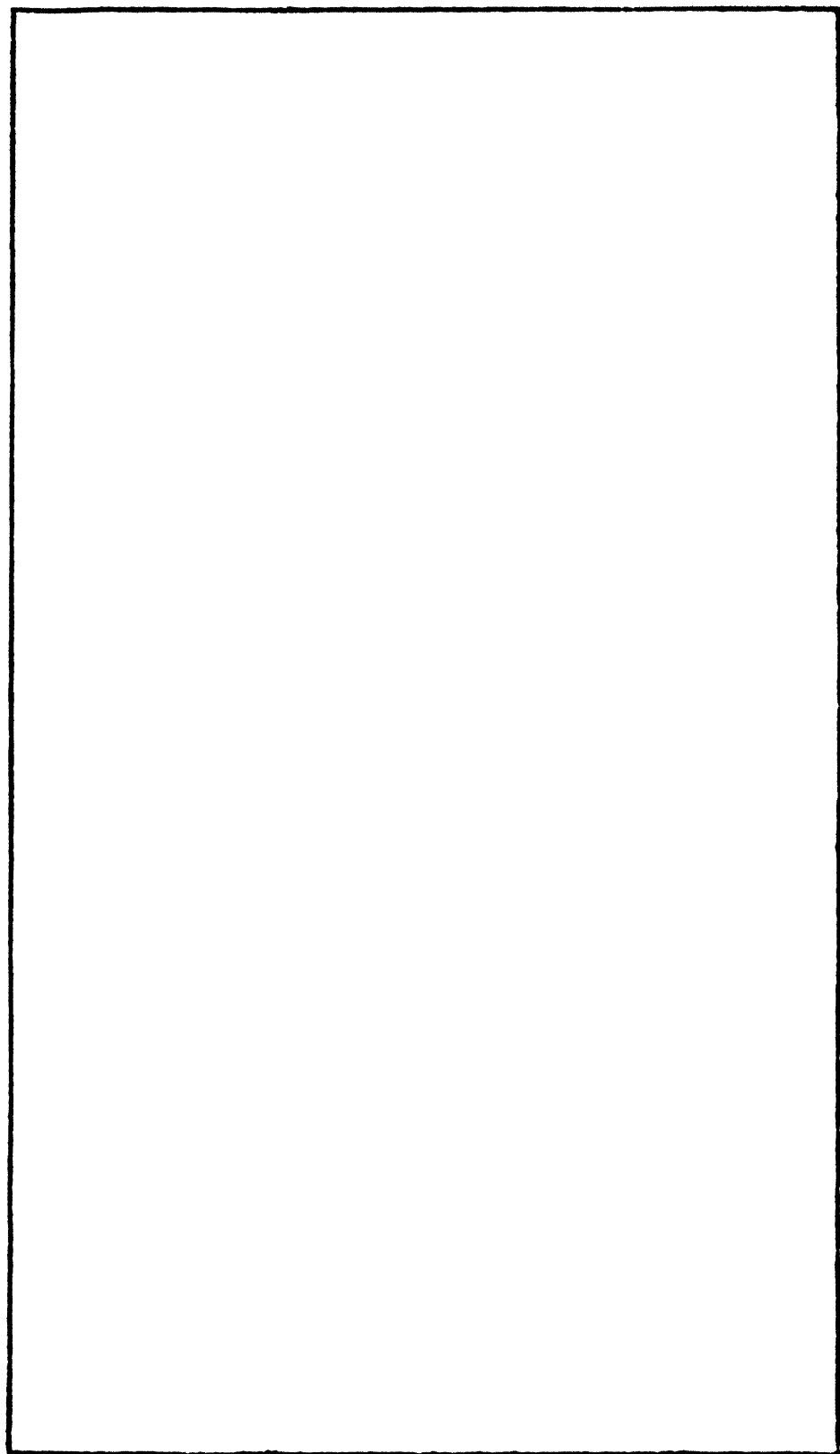
صحت نامۂ

اصول و طریق محصول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۱۰	بے	کے
۵۰	۱۵	افادو	افادہ
۷۵	حاشیہ سطر (۱)	سخصی	شخصی
۱۳۲	۱۱	شخعیتوں	شخصیتوں
۱۵۶	۴	مطابس ہوما	مطابق ہوتا
۱۸۳	۷	عدم سادات	عدم مساوات

ntroduction to Economics for Indian Students.

by

W H. MORELAND

مقدمۂ معاشیات

ترجمہ

پروفیسر محمد الیاس برنی، ایم - اے، ایل ایل